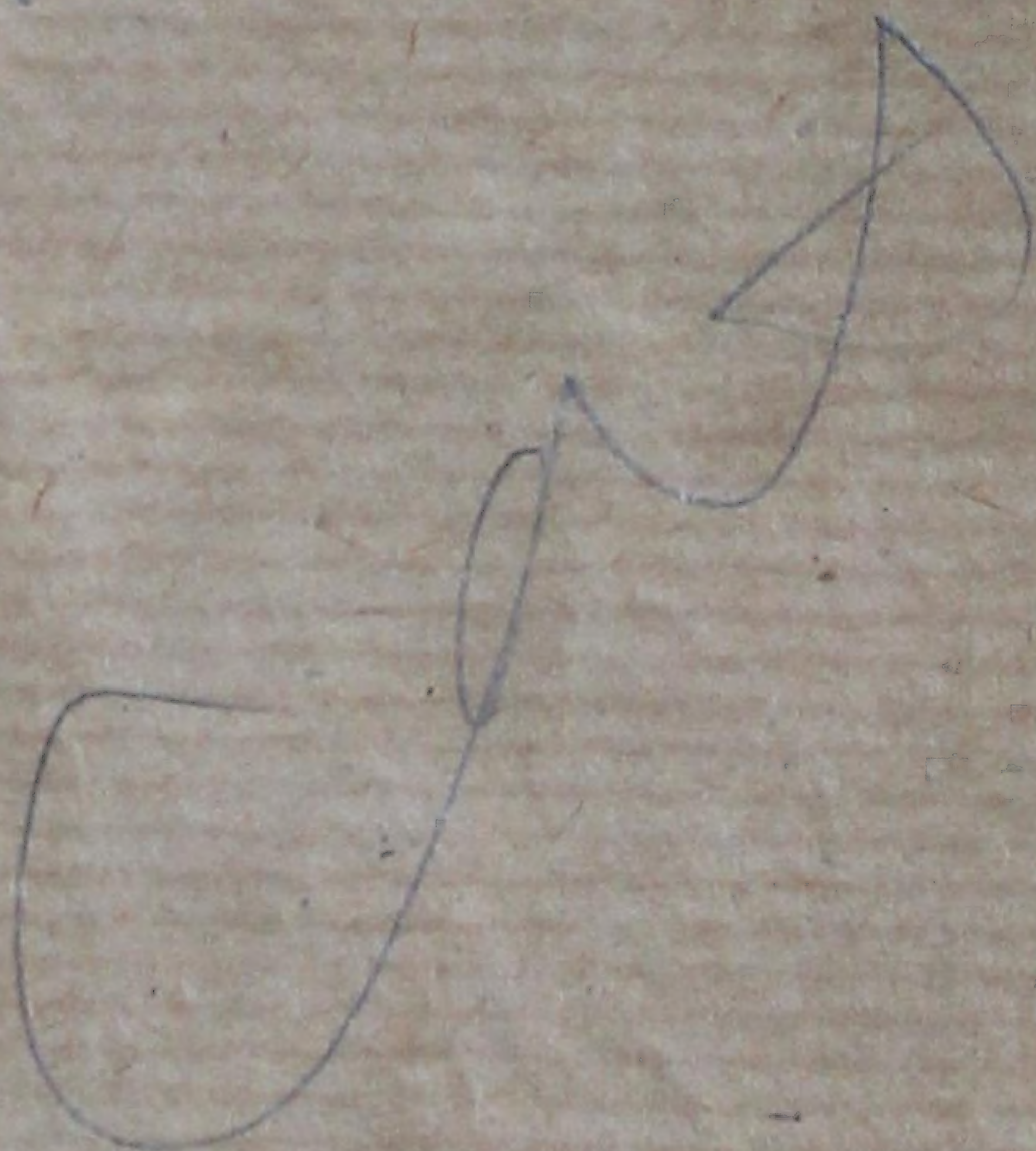
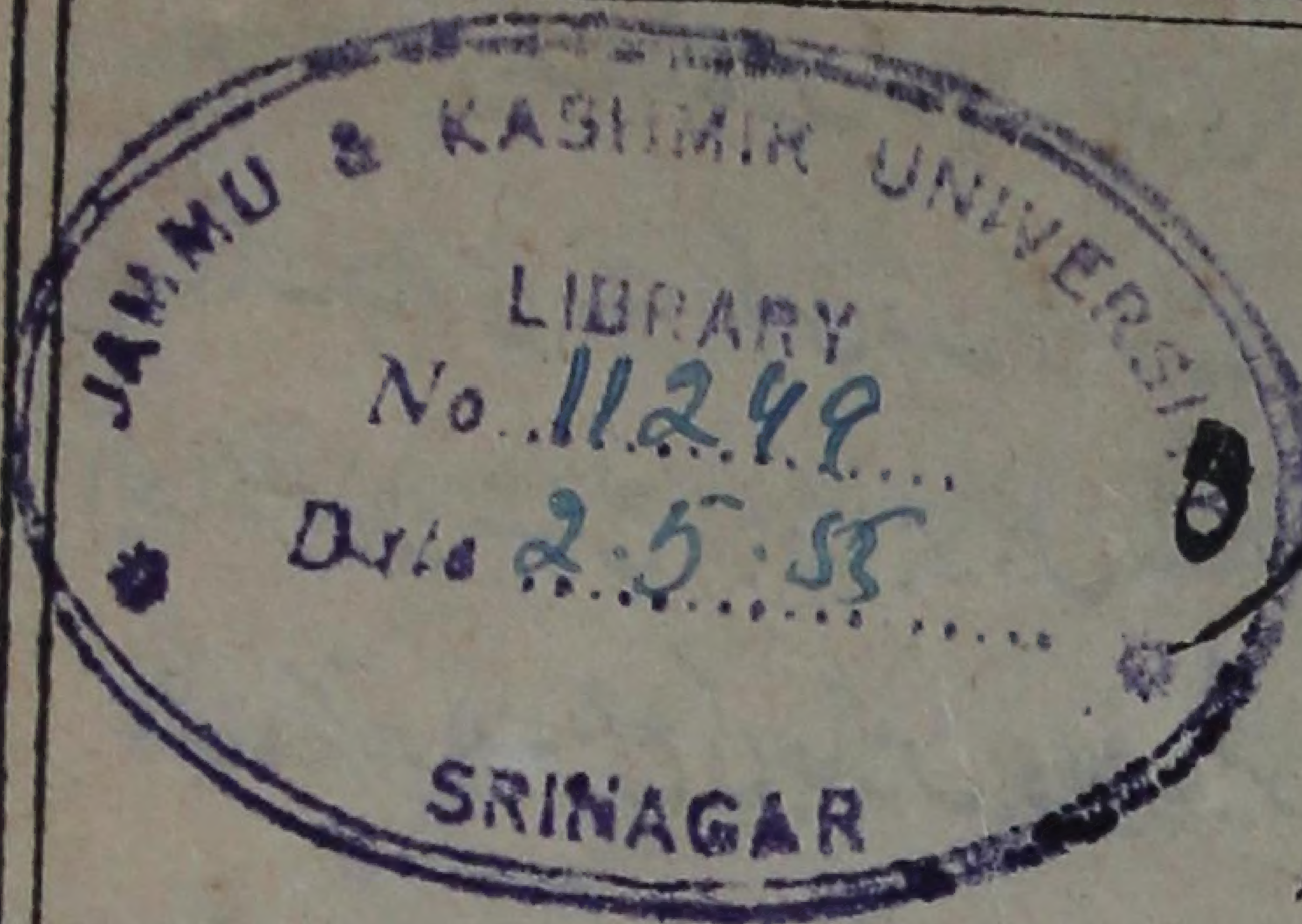
تحقیق الجہاد

مولوی چراغ علی

مترجمہ اردو خواجہ غلام الحسنین





تبصرہ

نوشتۂ

مولانا عبدالحق صاحب بی-اے (علیگ)

واشنگٹن آئرونگ، امریکہ کے ایک مشہور مصنّف اور ادیب نے آنحضرت صلعم کی بھی لائف لکھی ہے۔ اس کے پہلے ہی صفحہ پر آنحضرت ؐ کی ایک تصویر دی ہے جس کے ایک ہاتھ میں قرآن، اور دوسرے ہاتھ میں تلوار ہے۔ یہ تصویر مصنّف کے اصلی خیال کا فوٹو ہے۔ جس کی پہلے سے یہ رائے ہو وہ ایک ایسے بڑے مصلح اور نبی اور بنی نوع انسان کے محسن کی لائف کیا خاک لکھے گا۔ اور یہ کچھ آئرونگ ہی پر موقوف نہیں، یورپ میں یہ خیال عام طور پر پھیلا ہوا ہے اور پولٹیکل وجوہ نے وہی کام کیا ہے جو بھس میں چنگاری کرتی ہے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں اور عیسائیوں میں صدیوں سے جنگ و جدل چلی آرہی ہے اور اگرچہ یہ جنگ و جدل ملکی ہے، لیکن اس نے اپنے ساتھ مذہب کو بھی مان لیا ہے۔ تلوار والے تو تلوار سے کام لیتے ہیں اور اہل قلم اپنے دل کی بھڑاس یوں نکالتے ہیں۔ غرض یہ منحوس جنگ ایسی ٹھنی کہ ختم ہونے کو نہیں آتی۔ کمزور کا قاعدہ ہے کہ جب ہاتھ سے کام نہیں نکلتا تو زبان سے کام لیتا ہے۔ عیسائیوں کو شکستیں کیا ہوئیں کہ اُنھوں نے مسلمانوں کو بدنام کرنا شروع کیا۔ اور بدنام بھی کیسا کچھ کہ تسمہ لگا نہ رکھا۔ جس زمانہ میں ... شہرت ہوئی تو روما کے ایک پوپ نے آنحضرت صؐ کے حالات در ... ایک مشن عرب کو بھیجا۔ معلوم نہیں وہ مشن عرب پہنچا یا نہیں ... لکھ کر بھیجی وہ کذب و افترا کی ایک پوٹ ہے۔ سچ نام کو نہیں

واقعات تصنیف کیئے ہیں کہ الف لیلہ بھی اس کے سامنے مات ہے۔ اور افسوس کہ یہ رسم اب تک جاری ہے، کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ کوئی نہ کوئی کتاب یا اخبار یا ان میں کوئی ایسا مضمون شائع نہ ہوتا ہو جس سے مسلمانوں کی دل آزاری نہ ہوتی ہو۔ اگر وہ تمام کتب و تحریرات جمع کی جائیں جو عیسائیوں اور خاص کر اہل یورپ نے اسلام بانی اسلام اور اہل اسلام کے خلاف لکھے ہیں، تو وہ ایک ایسا بڑا انبار کذب و افترا، دروغ و بہتان کا ہوگا کہ روٹرو ٹائمز اس کے ایک صفحہ کی برابری بھی نہیں کر سکتے۔ بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو کامیابی ہوئی آناً فاناً، اور کامیابی پیدا کرتی ہے حسد، اور خصوصاً جب عیسائی اُن کے آگے ہر جگہ ناکامیاب اور پسپا ہوتے گئے، تو حسد کی آگ اور بھڑک اُٹھی اور بغض و کینہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ یہ سارا فساد اسی کا ہے۔ گو اس وقت یورپ کی تہذیب و شائستگی اور سائنس کا آفتاب عین نصف النہار پر ہے، مگر تعصّب کے جراثیم رگ رگ اور ریشے ریشے میں کچھ ایسے سرایت کر گئے ہیں اور گوشت پوست میں کچھ ایسے پیوست ہو گئے ہیں کہ تیز سے تیز شعاعیں بھی انہیں ہلاک نہیں کر سکتیں۔ آج کل اسے مذہبی تعصّب نہیں کہتے، بلکہ یہ تعصّب ایک دوسری ہولناک اور مکروہ صورت میں ظاہر ہوا ہے، جس کے کاٹے کا منتر نہیں۔ اسے پالٹیکس یا ڈپلومیسی کہتے ہیں۔ اس کے لئے ہماری زبان میں کوئی لفظ نہیں، اور ہو کہاں سے، ہمارے ہاں یہ سیاسی چالبازیاں اور عیاریاں تھیں کہاں، جو لفظ ہوتا۔ اگرچہ صدہا انقلاب ہو گئے، حالات بدل گئے، جو آگے تھے وہ پیچھے اور جو پیچھے تھے وہ آگے ہو گئے، مگر افسوس ابھی تک دلوں میں ...ہی چلی آتی ہے۔ درد جاتا رہا مگر کسک باقی ہے۔ سانپ کبھی کا نکل گیا، ...ک لکیر پیٹے جاتے ہیں۔ اور کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ کچھ کے پیر

...ت کو، جو بجلی کی رَو کی طرح تمام عالم میں دوڑ گئی، عیسائی دیکھ

دیکھ کر حیران و ششدر رہتے - اور جب وہ اپنے نبی علیہ السلام کے حالات عہد جدید میں پڑھتے تھے تو اُن کی حیرت اور بھی بڑھ جاتی تھی - حضرت عیسٰےؑ وعظ کرتے کرتے اس دُنیا سے اُٹھ گئے مگر اپنی قوم پر کچھ اثر نہ ڈال سکے - یہاں تک کہ اُن کے حواریوں کی یہ حالت تھی کہ پتّا کھڑکا اور بندہ بھڑکا - خطرے کے نام سے بھاگ کھڑے ہوتے تھے - اور یہاں کی یہ حالت تھی کہ جو لوگ اسلام لائے، اُنہوں نے ہر طرح کی صعوبتیں، اذیّتیں اور ظلم سہے، گھر بار چھوڑا، بال بچّے چھوڑے، مگر مذہب نہ چھوڑا - یہاں تک کہ اپنے مذہب کے لئے جانیں تک قربان کر دیں - وہ بُت جو گھروں میں خُدا بنے بیٹھے تھے اور جو یہودیوں کی کوشش سے نکلے نہ عیسائیوں کی سعی سے، انہیں وہ خود بخود پھینک پھینک کر اسلام میں داخل ہونے لگے ۔

اس غیر معمولی ترقّی اور اثر کو دیکھ کر عیسائی حیران ہیں کہ یہ کیا معاملہ ہے جو کوئی نبی نہ کر سکا وہ پیغمبر اسلامؐ سے کیونکر ہو گیا - بس اس پر سے یہ قیاس کر لیا کہ رسول اللہ صلعم نے اسلام بجبر پھیلایا، اور اپنے ذہنوں میں وہ تصویر کھینچ لی، جو آئرونگ واشنگٹن نے اپنی کتاب کے پہلے صفحہ پر دی ہے - حالانکہ یہ واقعہ ہے اور ایسا کھلا واقعہ ہے کہ جس کے لئے مزید تحقیقات یا پُرانے کھنڈروں یا قدیم کتبوں یا بھوج پتروں کی تلاش کی ضرورت نہیں ہے، کہ اسلام کبھی آنحضرتؐ کے زمانہ میں یا اس کے بعد بجبر یا بزور شمشیر نہیں پھیلایا گیا، بلکہ حسن رواداری، مسالمت اور اعتدال کے ساتھ مسلمانوں نے دُنیا پر حکومت کی اور جو فیاضانہ برتاؤ اُنہوں نے غیر اقوام کے ساتھ روا رکھا، دُنیا میں اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی[1] مجھے اس کے متعلق اس مختصر مقدمہ میں کسی شہادت کے پیش کرنے

---

[1] اس مضمون کی پوری بحث کے لئے دیکھو ابو الفتح بن ابی الحسن السامری الیہودی کی تاریخ آباء الیہود ۔ بزبان عربی مطبوعہ گوتھ ۱۸۶۵ء صفحہ ۱۸۰ - جس میں مصنف نے صاف صاف لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے اور آپ کے صحابۂ کرام نے مذہب کے متعلق کبھی کسی پر جبر و اکراہ نہیں کیا - اور نہ کبھی عہد شکنی کی ۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

کی ضرورت نہیں ہے، اس پر دفتر کے دفتر لکھے جا سکتے ہیں، اور ان واقعات سے ہماری اور غیروں کی تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ اور جسے مذہبی پہلو سے اس مسئلہ کو دیکھنا ہو تو اس کتاب کا مطالعہ کرے۔

معترضین کو جہاد کا حربہ ایسا مل گیا ہے کہ اسے جا و بیجا ہر موقع پر پیش کر دیتے ہیں۔ گویا اسے مسلمانوں کی طرف سے نفرت پیدا کرانے کے لئے ایک بیچا بنا رکھا ہے۔ اور یہ ایک ایسا ڈراؤنا اور خوفناک لفظ ہو گیا ہے کہ اہل یورپ اسے سُن کر اس طرح چونک اُٹھتے ہیں جیسے کبھی نپولین کے نام سے وہاں کے تاجدار سہم جایا کرتے تھے۔ لیکن کیا درحقیقت یہ لفظ ایسا خوفناک ہے؟ جہاد کیا ہے؟ اپنی حفاظت کے لئے ہاتھ پَیر ہلانا اور حتّی المقدور کوشش کرنا۔ کب؟ جب جان و مال، ننگ و ناموس اور مذہب پر آ بنے۔ کون قانون ہے جو اس کی اجازت نہیں دیتا، اور کونسا انسان ہے جو ایسے وقت اپنی حفاظت نہیں کرتا۔ مدافعت اور اپنی حفاظت ایک قدرتی فعل ہے اور بڑے بڑے انسان سے لے کر ادنےٰ سے ادنےٰ کیڑے مکوڑے تک وقت پڑے پر اپنی حفاظت اور مدافعت میں سعی کرتے ہیں۔ اسلام نے کہیں بجبر یا بزور شمشیر کسی کو مسلمان بنانے کی اجازت نہیں دی اور نہ آنحضرت صلعم نے کبھی ایسا کیا نہ کسی دوسرے کو ایسا کرنے کا حُکم دیا۔ جن لوگوں نے آنحضرت ؐ کے حالات کا مطالعہ کیا ہے اُنہیں معلوم ہے کہ ابتدائی تیرہ سال آپ پر کیسی مصیبت کے گزرے ہیں۔ قریش نے اُن کے ساتھ کیا کیا نہ کیا۔ طرح طرح سے آپ کی توہین و تحقیر کی، جسمانی، مالی اور رُوحانی صدمے پہنچائے، ادائے نماز سے روکا، یہاں تک کہ تھوکا، کوڑا کرکٹ اور گندگی ڈالی، آپ کی گردن میں آپ ہی کے عمامے کا پھندا ڈال کر کعبہ سے باہر نکال دیا، تلقین و تعلیم سے باز رکھا اور ہر قسم کی اذیّتیں اور صعوبتیں پہنچائیں۔ آپ کے پیروؤں پر بڑے بڑے ظلم توڑے، اور کوئی دقیقہ اُن کے ستانے اور اُن کی زندگی تلخ کرنے کا اُٹھا نہ رکھا۔ آپ کے اور تمام مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیں اور ایک

جتھا قائم کیا اور آمد و رفت، میل جول اور تمام تعلقات باہمی قطع کر دئے۔ آخر انہیں مایوس و مجبور ہو کر اپنے وطن مالوفہ کو خیرباد کہنا پڑا، اور آوارۂ وطن ہو کر مکہ سے دور جا کر پناہ لی۔ مگر ظالموں نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور پہلے سے زیادہ ظلم و تعدی پر آمادہ ہو گئے اور فوجیں لے کر حملہ آور ہوئے۔ اس پر بھی اگر آنحضرت صلعم خاموش و صبر و تحمل کئے بیٹھے رہتے تو وہ اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتے۔ اس وقت آپ کا فرض عین تھا کہ اپنے تئیں اور اپنے رفقاء کو ہلاکت سے بچاتے اور یہی کیا، اور یہی کرنا چاہیئے تھا۔ اور ایسا کرنا بدرجۂ مجبوری تھا کیونکہ سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا۔ اس لئے آنحضرت صلعم کے تمام غزوات دفاعی تھے۔

اس مسئلہ پر جس شرح و بسط اور تحقیق و تدقیق کے ساتھ مولوی چراغ علی مرحوم نے اس کتاب میں بحث کی ہے آج تک کسی نے اس پر ایسی غائر نظر نہیں ڈالی تھی۔ اس زمانہ میں جبکہ جدید خیالات اور جدید فلسفہ ہمارے ملک میں گھر کرتا جاتا ہے اور اسلام اور اہل اسلام پر نئے نئے اور دل آویز طریقوں سے حملے کیئے جا رہے ہیں اور مسلمان انہیں پڑھ پڑھ اپنے اعتقادات و خیالات میں ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں، ایک ایسی محققانہ کتاب کی بے حد ضرورت تھی۔ نئے تعلیم یافتہ تو خیر نشانہ ملامت ہیں ہی، مگر اُن پُرانے علماء کا کیا کیا جائے جو اپنے کلام سے (خواہ وہ کسی نیت سے ہو) معترضین کی تایید کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک عالم محدث کو، جنہوں نے علوم دینی کو اُردو میں شائع کر کے اسلام کی بڑی خدمت ادا کی ہے اور خاص کر کل صحاح ستہ کا اُردو میں ترجمہ فرما کر ہند کے اہل اسلام پر احسان کیا ہے، جب کوئی صحیح حدیث نہ ملی تو اپنی طرف سے ایک حاشیہ اس مضمون کا جڑ دیا کہ رسول کریمؐ کے غزوات محض لُوٹ مار یا قتل و غارت کی غرض سے تھے[1]

[1] مولانا وحید الزمان وقار نواز جنگ بہادر نے اپنے ترجمہ صحیح بخاری الموسوم بہ تیسیر الباری میں تحریر فرمایا ہے کہ:

میں نہیں جانتا کہ اسے کیا کہا جائے۔ بہر حال ایسی حالت میں مولوی چراغ علی مرحوم کی کتابیں پیاسے کے لئے آب حیات، مریض کے لئے نوشدارو اور مار گزیدہ کے لئے تریاق کا کام دیں گی۔ مرحوم اس ضرورت کو بہت پہلے سمجھ چکے تھے اور جبکہ مقلد و غیر مقلد، سنی و شیعہ تُو تُو مَیں مَیں میں مصروف تھے وہ ایک ایسی عظیم الشان خدمت اپنے دین و ملت کی ادا کر رہے تھے کہ اس کی مثال اُن کے بعد پھر نظر نہ آئی۔ بعض مدعیان حمایت دین و ملّت کی آنکھیں اب کھلی ہیں۔ اور دن ڈھلے پر ایک جدید علم کلام کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں اور اس کے متعلّق مشورے اور کمیٹیاں ہو رہی ہیں، لیکن انہیں خبر نہیں کہ مدت ہوئی اس کی بنیاد سر سید رح ڈال چکے اور مولوی چراغ علی مرحوم اس کی تکمیل بھی کر چکے۔ اور خبر کیوں نہیں، شاید اس کا اعتراف کرتے شرماتے یا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اعتراف کرو یا نہ کرو چلنا اُسی نقش قدم پر پڑے گا۔ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناؤ، مگر بنیاد وہی ہوگی۔

مولوی صاحب مرحوم کا طریقۂ تحریر سب سے الگ اور نرالا ہے۔ وہ کبھی جوش میں آکر فصاحت کے دریا نہیں بہاتے، دوسروں کو الزام نہیں دیتے، عبارت کی رنگینی یا لطائف ادبی کا خیال نہیں کرتے اور ناظرین کے جذبات کو اشتعال دے کر اپنی بات نہیں منواتے۔ وہ نفس معاملہ کو نہایت ٹھنڈے دل اور غور سے دیکھتے ہیں، اس کے متعلّق تمام واقعات جمع کرتے ہیں، اور سوائے قرآن پاک اور افعال و اعمال آنحضرت صلعم کے کسی دوسری چیز کو اپنے استدلال کی بُنیاد نہیں رکھتے۔ ان کا مطالعہ ایسا وسیع، اُن کی نظر ایسی غائر اور اُن کی تحقیق ایسی گہری اور اُن کی منطق ایسی مستحکم

نقل حاشیہ: ”ابواء ایک گاؤں ہے جحفہ سے مدینہ کی جانب ۲۳ میل پر۔ بواط ایک پہاڑ کا نام ہے ینبوع کے ”قریب۔ عشیرہ بھی ایک مقام یا ایک قبیلہ ہے ان تینوں جہادوں میں آنحضرت ؐ بدر کی جنگ سے پہلے تشریف ”لے گئے تھے۔ اور غرض آپ کی یہ تھی کہ قریش کا قافلہ لوٹیں۔ مگر قافلہ نہ ملا“ (دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ ”احمدی لاہور ۱۳۲۳ھ سولھواں پارہ صفحہ اول حاشیہ نمبر ۲)۔

ہوتی ہے کہ جس مضمون پر وہ قلم اُٹھاتے ہیں پھر کسی دوسرے کے لئے ایک لفظ کی گنجایش نہیں چھوڑتے۔ ان کا زور جذبات انسانی پر نہیں بلکہ استدلال عقلی پر ہے۔ وہ جذبات کو اُبھار کر جوش میں لانا نہیں چاہتے کیونکہ یہ ناپایدار ہے، بلکہ از راہ تحقیق وہ مضمون کو اس پہلو سے پیش کرتے ہیں کہ اگر پڑھنے والا غور سے پڑھے تو اس کی صداقت اس طرح ذہن نشین ہو جائے کہ پھر اُس کا نقش نہ مٹ سکے۔ وہ شاعر نہیں، محقق ہیں۔ وہ فسانہ نگار نہیں، منطقی ہیں۔ وہ واقعات اور اصل حقیقت سے بحث کرتے ہیں، تخیل و بلند پروازی سے کام نہیں لیتے۔ وہ اپنی تایید میں شاہان اسلام کے تاریخی واقعات اور فقہا کی رائیں پیش نہیں کرتے بلکہ آیات قرآنی اور افعال و اعمال رسول صلعم کو سند گردانتے ہیں وہ کسی الزام یا اعتراض کو الزامی جواب دے کر یا لفظی ہیر پھیر سے ٹالتے نہیں بلکہ جرأت کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے اور زور سے اس کی تردید کرتے ہیں۔ اور یہی طریقہ اُن کی تصانیف میں پایا جاتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان کی تصانیف تعلیم و تحقیق دین اسلام کا ایک ایسا بے بہا مجموعہ ہیں کہ اُن کو غور سے پڑھنے کے بعد حقیقت و حقانیت دین اسلام پر اس قدر عبور ہو جاتا ہے کہ سالہا سال کی محنت اور صدہا کُتب کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس میں ذرا شبہ نہیں کہ مرحوم نے اسلام کی ایسی بڑی خدمت کی ہے کہ ہم سب کو اُن کا بہت شکر گزار اور ممنون ہونا چاہیے۔ یہ بڑے خوش قسمتی کی بات ہے کہ مولوی عبداللہ خاں صاحب ان کی کتابوں کا ترجمہ کرا کر اور بڑی محنت سے ان کے مضامین ڈھونڈھ

لہ مولوی عبداللہ خاں نے اس سے پہلے مولوی چراغ علی صاحب مرحوم کی کتاب "ریفارمز انڈر مسلم رول" کا ترجمہ "اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام" کے نام سے شائع کیا۔ جس میں مسلمانوں کے سیاسی قانون تمدنی اصلاحات کے امکان پر بحث کی ہے۔ اور اس کے ساتھ میرا لکھا ہوا (۸۰) صفحہ کا ایک مقدمہ شامل ہے جس میں مرحوم مصنف کے حالات و تصنیفات کا خوب مفصل تذکرہ ہے۔ علاوہ اس کے مثلاً "تہذیب الکلام فی حقیقۃ الاسلام" دفع الزام از غزوات اسلام، تعلیقات برابطال غلامی مصنفہ سر سید مرحوم وغیرہ وغیرہ دیگر تصانیف جن کی تعداد (۲۵) سے زائد ہے زیر تدوین ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً شائع کی جائیں گی۔

ڈھونڈھ کر (جو اب تک طبع نہیں ہوئے تھے) ترتیب دے رہے اور شائع کرا رہے ہیں۔ اب لوگوں کو معلوم ہوگا کہ جن موتیوں کی تلاش میں بڑے بڑے شنا ور غواصی کر رہے ہیں مرحوم اُن سے بہت پہلے پرو چکے ہیں۔ یہ کہنا کچھ مبالغہ نہ ہوگا کہ آیندہ اسلام پر جو کچھ کہا جائے گا وہ زیادہ تر مرحوم کی خوشہ چینی ہوگی، خواہ کوئی اعتراف کرے یا نہ کرے، خواہ ان کی کتابوں کا حوالہ دے یا نہ دے۔

اس کتاب میں مرحوم نے کمال تحقیق سے کام لیا ہے اور اس مضمون کے مختلف پہلوؤں پر اس خوبی سے بحث کی ہے کہ پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضمون کس قدر وسیع ہے۔ اور فاضل مصنّف کی جانفشانی، دماغ سوزی اور انتہائے تلاش کا حال کھلتا ہے۔

اس کا ترجمہ مولوی خواجہ غلام الحسنین صاحب (مترجم فلسفۂ تعلیم ہربرٹ اسپنسر) نے کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بہت بامحاورہ صاف اور شگفتہ ہے۔

پبلیشر نے بھی اس کتاب پر بہت محنت کی ہے جا بجا ایسے حوالوں کا اضافہ کیا ہے جو مصنّف کی نظر سے رہ گئے تھے اور بجائے ایک آدھ کے کئی کئی حوالے ہو گئے ہیں، جس سے مصنّف کے خیال کو بہت تائید ملتی ہے۔ بعض حوالے جو انگریزی کتاب میں غلط چھپ گئے تھے اُن کی بھی تصحیح کی ہے۔ عربی اسماء اعلام کی جیسی کچھ مٹی انگریزی کتابوں میں خراب ہوتی ہے وہ ظاہر ہے، ان ناموں کی صحت میں بڑی احتیاط کی گئی ہے۔ کہنے کو تو یہ معمولی سا کام ہوتا ہے لیکن دراصل اس میں بڑی محنت اُٹھانی پڑتی ہے اور بہت وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔ یہ کام ایسا مشکل ہے کہ بعض مترجمین تو اس مشکل سے ڈر کر ترجمے ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ مولوی عبد اللہ خاں صاحب کا ممنون ہونا چاہیئے کہ اول تو انھوں نے ایک بینظیر کتاب کا انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کرایا اور اس کی صحت اور چھپائی میں خاص طور سے محنت کی۔ ہمیں اُمید ہے کہ یہ کتاب ہر لحاظ سے مقبول ہوگی ؂

عبدالحق

مقبرۂ رابعہ دورانی - اورنگ آباد - ۶ فروری ۱۹۱۲ء

فہرست مضامین مقدمۂ تحقیق الجہاد

فہرست مضامین تحقیق الجہاد

آنحضرت صلعم کی تمام جنگیں دفاعی تھیں۔

باب اوّل
کفّار کا مسلمانوں کو اذیّت دینا

باب دوم
اہل مکّہ یا قریش

باب سوم
جنگوں کی دفاعی حیثیت

باب چہارم
یہود

باب پنجم
نصاریٰ یا رومی

فہرست مضامین ضمیمہ جات تحقیق الجہاد

ضمیمۂ اول

قرآن میں لفظ جہاد کس معنی میں آیا ہے اور جنگ و جدل اُس کا غلط مفہوم سمجھا گیا ہے۔

⁂

ضمیمۂ سوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

مُقدّمہ

تحقیق الجہاد

کتاب تحقیق الجہاد کا مقصد۔

۱۔ اس کتاب (تحقیق الجہاد) کے شائع کرنے سے میرا خاص مقصد یہ ہے کہ یوروپین اور عیسائی مورّخوں کے دلوں سے اسلام کی بابت اس عام اور غلط خیال کو دوُر کیا جائے کہ "محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم) نے قریش و دیگر قبائل عرب اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ جو جنگیں کیں۔ وہ حصول فتح۔ استیصال اور نیز جبراً مسلمان بنانے کی غرض سے تھیں۔ آپ نے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار[1] لے کر لوگوں سے اپنی رسالت کو زبردستی منوایا[2]"۔ میں یقین کرتا ہوں کہ میں نے اس کتاب میں بہ وجوہات

[1] ڈوزی لکھتا ہے کہ:۔
"فتح مکہ کے بعد جو قبیلے اب تک بُت پرست ہیں اُنہیں معلوم ہو گیا کہ مخالفت اب بے سُود ہے۔ اور
"ایک نیست و نابود کر دینے والی جنگ کی دھمکی نے اُن سے اسلام قبول کروادیا جس کی تلقین محمدؐ کے
"جنرل ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر کرتے تھے۔
یہ مضمون مولوی عبدالحق صاحب کے قلمی مسودہ سے لیا گیا ہے۔ جس کو انہوں نے انگریزی سے اُردو کیا ہے (عبداللہ خاںؔ)

[2] "اب آنحضرتؐ کی حیثیت اس درجہ پر پہنچ گئی تھی کہ آپ حکم الٰہی کی تعمیل کرانے کا ذریعہ ہو سکتے تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی جو لوگ مذہب حق کے قبول کرنے سے منکر تھے اُن پر کامیابی کے ساتھ اس کے (دیکھو صفحہ ۲)

کافی یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ نہ تو **محمد** (صلعم) کی لڑائیاں حملہ آوری کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اور نہ آپ نے **ایمان** کے معاملہ میں کسی طرح کے جبر و اکراہ سے کبھی کام لیا۔

۲۔ آنحضرت صلعم کی تمام جنگیں **دفاعی** تھیں۔ جو لوگ آپ کے معاملہ میں دلچسپی رکھتے تھے اُن پر اور آپ پر بھی وقتاً فوقتاً سخت ظلم و ستم ہوتے رہے اور وہ خونخوار اور ناخداترس قریش کے ہاتھوں **مکہ** میں ایک قسم کی عام اذیت میں مبتلا تھے۔ جو لوگ کمزور اور بے یار و مددگار تھے۔ اُن کو ترکِ وطن کر کے ملک **ابی سینیا** (حبشہ) کی طرف جو ایک عیسائی سلطنت تھی۔ دو دفعہ ہجرت کرنی پڑی مگر غضبناک قریش نے وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اگرچہ یہ تعاقب بے فائدہ تھا۔ جو لوگ **مکہ** میں پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ طرح طرح کی ذلتوں اور تکلیفوں میں مبتلا اور تمام مذہبی و تمدنی آزادی سے محروم تھے۔ کیونکہ وہ قریش کے ادنےٰ معبودوں کو چھوڑ کر **محمد** (صلعم) کے صرف **خدائے واحد** پر ایمان لائے تھے۔ اور صدق دل سے آپ کی رسالت کے معتقد تھے۔

مسلمانوں پر ابتدائی ظلم و ستم۔

آنحضرت صلعم اور آپ کے معتقدین کو **قانون قدرت** اور **قانون بین الاقوام** کی رو سے ہر قسم کا حق حاصل تھا کہ اپنے وطن میں **فتنہ** (فساد و اذیت) کے رفع کرنے اور **حریت** کے ملکی حقوق اور **مذہبی آزادی** حاصل کرنے کی غرض سے اپنے ظالموں سے اُسی جگہ جنگ کریں۔

مسلمانوں نے اگر ہتھیار اُٹھائے تو وہ حق بجانب تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ماننے کا دباؤ ڈال سکتے تھے" (سیرت محمدی از سر ولیم میور صفحہ ۲۱۱ مطبوعہ لندن ۱۸۸۷ء طبع جدید)

(۲) "جو مذاہب آنحضرت صلعم کے چاروں طرف لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اُن میں زیادہ تر خالص مذہب (اسلام) میں پیغمبرِ اسلام نے اول اول مذہبی آزادی کی تاکید کی تھی۔ مگر رفتہ رفتہ اُس کی جگہ زبردستی ہونے لگی۔ اب کوئی آنحضرت صلعم پر ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ خود اوروں پر ظلم کرتے ہیں۔ آپ ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن لے کر مختلف اقوام کے پاس جاتے ہیں اور تین باتوں میں سے کسی ایک بات کے ماننے پر زور دیتے ہیں۔ یعنے اسلام لائیں۔ جزیہ ادا کریں۔ یا موت گوارا کر لیں" (محمد و دین محمدی از مسٹر باسورتھ اسمتھ صفحہ ۱۳۷۔ طبع دوم)۔

۳- جب مسلمان مکّہ سے ہجرت کر کے نکل گئے - اُس وقت اُن پر قریش نے از سرِ نو جو جو ظلم و ستم شروع کئے وہ ایسے عداوت کے کام تھے - جو اعلان جنگ کے مرادف تھے - اُس وقت سے فریقین کے درمیان حالتِ جنگ کا آغاز ہوا - مکّہ کے عربوں میں نہ تو کوئی باضابطہ سلطنت تھی - اور نہ اس بات کی تمیز تھی کہ فلاں شخص یا فلاں مال کسی قوم یا جماعت سے تعلق رکھتا ہے یا محض شخصی یا انفرادی حیثیت رکھتا ہے - سلطنت میں کوئی باقاعدہ فوج نہ تھی - اور جو موجود تھی وہ مستقل طور پر منضبط نہ تھی اور اس کے لئے کوئی ایسی خارجی علامت (وردی وغیرہ) مہیا نہیں کی گئی تھی جس سے اُس کو فوراً شناخت کر سکیں -

حالت جنگ کا آغاز

مکّہ میں سلطنت کی صورت یہ تھی کہ ہر قبیلہ کا بزرگ یا شیخ اپنے قبیلہ پر حکومت کرتا تھا - اور سرداران قریش بلکہ خود اہالی مدینہ، جب ضرورت پیش آتی فوج کا کام دیتے تھے - اور اسی لئے مخالفت یا حالت جنگ کے آغاز کے ساتھ ہی قریش یا باشندگان مکّہ کا ہر فرد بشر مسلمانوں کا قومی دشمن تھا - اور اس بات کا سزاوار تھا کہ اس کی ذات کے ساتھ دشمن کا سا سلوک اور اس کے مال کے ساتھ دشمن کے مال کا سا برتاؤ کیا جائے - بجز اُن اشخاص کے جو جنگوں میں شریک ہونے کے قابل نہ ہوں - یا درحقیقت جنگ میں شامل ہونے سے باز رہیں - لہذا مسلمانوں کو جائز تھا کہ دُشمن کے اُن قافلوں کو جو مکّہ سے چل کر مدینہ کے قریب سے گزریں - دھمکائیں یا ان کو تاخت و تاراج کریں - اور اگر ممکن ہو تو مکّہ تک پہنچ کر قریش پر حملہ کریں -

۴- مگر چونکہ پیغمبر (صلعم) اور مہاجرین جن لوگوں میں آپ مقیم ہوئے تھے انہوں نے صرف مدینہ میں ان کی حفاظت و حمایت کا عہد کیا تھا - اس لئے مہاجرین اپنے حملہ آوروں یعنے قریش کے مقابلہ میں اپنی قومیت اور مذہبی آزادی کے حقوق

مگر مسلمان اپنی حق تلفیوں کی تلافی کے لئے خاص وجوہ سے ہتھیار نہیں اُٹھا سکتے تھے -

کی حمایت میں تو ہتھیار اٹھا ہی نہیں سکتے تھے۔ چہ جائیکہ منکروں کو جبراً مسلمان بنانے کے لئے ہتھیار اُٹھائیں یہ تو کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ پس اُنہوں نے اس امر کو ترجیح دی کہ امن و امان سے **مدینہ** میں زندگی بسر کریں۔ اور بشرطِ امکان بغیر کسی بیرونی فتنہ و فساد کے اپنے اس نئے مذہب کی برکتوں کا لطف اُٹھائیں۔

۵۔ درحقیقت اتنی مُدت تک **مکّہ** میں ایسے ایسے بھاری ظلم اُٹھانے کے بعد آخر کار مسلمانوں کو **مدینہ** میں ایک امن کی جگہ ملی تھی جہاں اُن کو از سرِ نو مخالفت شروع کرنے اور دوبارہ جنگ کے خطروں میں پڑنے کی خواہش باقی نہیں رہی تھی۔ بلکہ وہ اپنی جان بچا کر **مدینہ** کی طرف ہجرت کرنے کے بعد امن و امان کی زندگی بسر کرنے سے بہت خوش تھے۔ اہل مدینہ نے پیغمبر (صلعم) کو صرف حملہ سے بچانے کا عہد و پیمان کیا تھا نہ کہ قریش پر چڑھائی کرنے میں شریک ہونے کا آنحضرتؐ اور آپ کے معتقدین جو آپ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تھے۔ اُن کی توجہ اسلامی عقائد کے **وعظ و تلقین** میں مہاجرین اور اہل مدینہ کے درمیان رشتہ **اُخوّت** قائم کرنے میں نماز کے لئے ایک **مسجد** تعمیر کرنے میں مہاجرین کے لئے **مکانات** مہیا کرنے میں۔ یہودیان مدینہ اور گرد و نواح کے دیگر قبائل **بنی ضمرہ** (مکّہ کا ایک قبیلہ تھا) اور **بنی مدلج** (بنی کنانہ کا ایک قبیلہ جو قریش کے رشتہ دار تھے) کے ساتھ **عہد و پیمان** کرنے میں کہ وہ مسلمانوں کے دشمنوں سے کچھ سرو کار نہ رکھیں۔

مسلمان مدینہ میں دیگر مشاغل میں مصروف ہونے کی وجہ سے نہیں چاہتے تھے کہ ابتداءً جنگ کر کے لڑائی کے جھگڑوں میں پڑیں۔

قریش کے پیش آنے والے حملہ کے **خطرہ** کی **روک تھام** کرنے میں[۱] جنہوں نے ایسے موقعوں پر پہلے بھی

گمر دشمن کی طرف سے اُن کو ہر وقت کھٹکا تھا۔

[۱] النور۔ ۲۴۔ آیت ۵۴۔

مسلمانوں کا تعاقب کیا تھا- اور ان تمام کاموں سے بڑھ کر مسلمانوں کے لئے، جو اب ایک آزاد جماعت یا **جمہوریت** کی حیثیت جلد جلد اختیار کرتے جاتے تھے، بعض مذہبی وملکی **آئین** منضبط کرنے میں مصروف تھی- ایسی حالتوں میں یہ بات قریب قریب ناممکن تھی کہ آنحضرت صلعم یا آپ کے پیرو اپنے کینہ توز **دیرینہ دشمنوں** پر حملہ کرنے کا خیال کریں یا کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کے لئے ہتھیا اٹھائیں۔

۶- جب قریش نے دیکھا کہ ستم رسیدہ مسلمان اپنے وطن کی تمام جائداد اور زمین چھوڑ کر ایک دور دراز شہر (**مدینہ**) میں چلے گئے- جہاں وہ بغیر جنگی مہم کے پہنچ نہ سکتے تھے- اور **محمد** (صلعم) جن کو گرفتار کرنے کے لئے انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا- اُن کے ہاتھ نہ آئے- اور نیز جب اُنہوں نے سُنا کہ **مدینہ** میں مسلمانوں کی بڑی آو بھگت اور خاطر و مدارات ہوئی ہے- وہاں اُن کو مذہبی آزادی مل گئی ہے اور وہ اہل مدینہ کی برادرانہ **نصرت** کا حظ اُٹھا رہے ہیں- تو وہ اپنی اُس خونخوارانہ عداوت کو جو مہاجرین سے تھی ضبط نہ کرسکے- قریش کی مخالفت کی آگ پہلے ہی بھڑک اُٹھی تھی- اُن کی سخت گیری اور ظلم و تعدی کی نوبت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جب ۶۱۵ء میں گیارہ مسلمانوں کی ایک جماعت نے **ابی سینا** کی طرف ہجرت کی تو اُنہوں نے اُن کی گرفتاری کے لئے تعاقب کیا پھر دوبارہ ۶۱۶ء میں جب قریش کا ظلم وستم پہلے سے زیادہ ہوگیا- اور تقریباً سنو مسلمانوں کی ایک اور جماعت مکّہ سے ہجرت کر کے **ابی سینا** کو چلی گئی تو قریش نے شاہ **ابی سینا** کو اپنے **سفیر** بھیجے کہ اِن تارکانِ وطن کو ہمارے حوالے کردیا جائے۔

قریش نے اوّلاً مسلمانوں پر مدینہ تک پہنچ کر حملہ کیا اور مسلمانوں کا مکہ سے بچ نکلنا گوارا نہ کرسکے۔

۶۲۲ء کی تیسری اور عظیم الشّان ہجرت میں مسلمانوں کے بچ نکلنے پر قریش

آگ بگولا ہو ہی رہے تھے۔ لہٰذا اس امر کے باور کرنے کی ہر ایک وجہ موجود ہے کہ انہوں نے مہاجرین پر تعدّی کرنے کے لئے ہر قسم کی پُرزور اور معاندانہ تدابیر قدرتی طور پر ضرور اختیار کی ہوں گی[۱]۔

مکّہ سے مسلمانوں کی عام **ہجرت** کے دوسرے سال قریش نے ایک ہزار قوی جوانوں کی ایک بڑی فوج فراہم کر کے مسلمانانِ مدینہ پر چڑھائی کرنے کی غرض سے کوچ کیا۔ چونکہ **مدینہ**، **مکّہ** سے دوسو پچاس[۲۵۰] میل یا بارہ[۱۲] میل ہے۔ اس لئے غنیم کی حملہ آور فوج آٹھ منزل سفر کر کے مقام **بدر** پر پہنچی۔ جہاں سے مدینہ تین یا چار منزل ہے۔ آنحضرت صرف تین سو[۳۰۰] مسلمانوں کو لے کر۔ جن میں بہ نسبت مہاجرین کے انصار زیادہ تر تھے قریش کے مقابلہ میں **مدافعت** کے لئے مدینہ سے نکلے اور **بدر** کی مشہور جنگ مدینہ سے کوئی تیس[۳۰] ہی میل کے فاصلہ پر واقع ہوئی۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ جنگ **محض دِفاعی** تھی۔ اور اس بات کو سب تسلیم کرتے ہیں۔

---

[۱] سر ولیم میور کا خیال ہے کہ قریش صبر و تحمل کرتے تھے۔ مگر قریش کے سابقہ طریق عمل سے صاحب موصوف کی رائے کی تائید نہیں ہوتی۔ کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کو سخت اذیتیں دی تھیں اور مہاجرین کا تعاقب کیا تھا۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ :-

"محمد (صلعم) اور ابوبکرؓ کو اپنے اپنے قبیلوں پر بھروسہ تھا کہ وہ ان کے عیال و اطفال کو قریش کی "بدسلوکی سے محفوظ رکھیں گے۔ مگر قریش نے اُن کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی اور نہ کسی قسم کی تکلیف دی "اُن کو حراست میں رکھنے کی کوئی خفیف سی خفیف کوشش نہیں کی گئی۔ اگرچہ یہ بات غیر معقول نہ تھی کہ وہ اُن کے "عیال و اطفال کو بطور یرغمال کے حراست میں رکھ لیتے تاکہ مسلمان مدینہ سے اُن پر کوئی مخالفانہ حملہ نہ کر سکیں" "(سیرت محمدی از سر ولیم میور۔ جلد دوم صفحہ ۲۶۵)۔

"قریش تو مسلمانوں کا ایک عظیم الشان تعاقب اور اُن پر حملہ کرنے والے تھے اور کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ محمد (صلعم) اور ابوبکرؓ کے عیال و اطفال کو بطور یرغمال کے حراست میں رکھیں۔ جب کہ انہیں یہ خیال بھی "نہ آسکتا تھا کہ مسلمان جنگ کی ابتدا کریں گے کیونکہ وہ اپنی جان بچا کر نکل جاتے اور بے غل و "غش زندگی بسر کرنے سے نہایت خوش تھے۔ اور اس حالت کو غنیمت سمجھتے تھے"۔

سورۂ (حج ۲۲) آیات ۳۹-۴۲ جو اصل کتاب کے فقرہ (۱۷) میں نقل کی گئی ہیں جنگِ بدر کے بعد **مدافعت** کے طور پر ہتھیار اُٹھانے کی بابت سب سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔

۷۔ قریش نے مسلمانوں کے خلاف مدینہ میں تین جنگیں کیں۔ پہلی لڑائی جو **جنگ بدر** کے نام سے موسوم ہے۔ مدینہ سے تیس میل کے فاصلہ پر ہوئی تھی۔ اور قریش **مکّہ** سے چل کر دو سو بیس میل تک چڑھ آئے تھے۔

حملہ آور قریش نے آنحضرتؐ کے ساتھ تین جنگیں کیں۔

دوسری لڑائی جس کو **جنگ اُحد** کہتے ہیں۔ مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ہوئی تھی۔ یعنے غنیم **مکّہ** سے روانہ ہو کر ڈھائی سو۲۵۰ میل تک چڑھا چلا آیا تھا۔

تیسری۔ **جنگ اَحزاب** تھی جس میں قریش نے دس ہزار جوانوں کی فوج جمع کی تھی۔ شہر کا کئی روز تک محاصرہ رہا۔ اور مسلمان **مدینہ** کی چار دیواری کے اندر ہی اندر **مدافعت** کرتے رہے۔ کیونکہ **غنیم** مدینہ کی چار دیواری تک چڑھ آیا تھا۔ آنحضرتؐ اور قریش کے مابین صرف یہی تین لڑائیاں ہوئیں۔ اور ہر ایک لڑائی میں آنحضرتؐ نے **مدافعت** کی۔ آپ نے نہ تو انتقام لینے کے لئے قریش پر حملہ کیا۔ اور نہ اس لئے کہ بزورِ شمشیر اُن کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے ٭

یہ تینوں لڑائیاں بھی آنحضرتؐ نے اپنے نقصانات کی تلافی یا اُن حقوق کے قائم کرنے کے لئے جو خطرہ میں پڑے ہوئے تھے۔ نہیں کی تھیں بلکہ صرف ظلم کے دفعیہ کے لئے اور بطور حفاظتِ خود اختیاری کے یہ حق آپ کو حاصل تھا۔ اگر آنحضرتؐ اور مسلمان **مکّہ** پر حملہ کر کے وہیں قریش کے ساتھ جنگ و جدل کرتے تو بھی جو نقصانات مسلمانوں کی جان و مال کو اہل مکّہ کے ہاتھوں پہنچے تھے۔ ان کی تلافی کے لئے۔ آپ کا جنگ کرنا حق بجانب ہوتا یہ وہی مسلمان تھے جن کو قریش مذہب کی وجہ سے اذیتیں پہنچا رہے تھے۔ جن کو گھروں سے جلاوطن کر دیا تھا۔ اور **خانۂ کعبہ** کے حج سے بھی روک دیا تھا۔ جس لڑائی کی وجوہ

یہ لڑائیاں محض دفاعی تھیں حتّٰی کہ مسلمانوں کے نقصانات کی تلافی یا ان کے حقوق قائم کرنے کے لئے بھی نہیں کی گئی تھیں۔

منصفانہ ہوں مثلاً بیجا ظلم و تعدّی کو روکنا یا دفع کرنا یا کسی حق کو قائم کرنا۔ وہ ہر ایک مذہبی اخلاقی یا ملکی قانون کی رو سے جائز ہے +

۸۔ سر ولیم میور۔ جو ظالم و جابر قریش کے بڑے حامی ہیں۔ اُن کی یہ راے ہے کہ جنگ بدر "خود محمد (صلعم) کی طرف سے ہوئی تھی"[1]۔ اور یہ کہ آنحضرتؐ کا ارادہ تھا کہ قریش کے قافلہ پر جو بسر کردگئے ابوسفیان ملک شام سے واپس آرہا تھا۔ یکایک بلا اطلاع حملہ کریں۔ اور یہ کہ آپ اس کو لوٹنے کے لئے مدینہ سے باہر نکلے تھے۔ ابوسفیان نے اپنی مدد کے لئے قریش کی ایک فوج طلب کی۔ اور اس طرح جنگ بدر کا آغاز ہوا۔ میں نے اصل کتاب کے فقرہ ۵۵ و ۵۶ میں اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کہ یہ بیان غلط ہے۔ دلائل بیان کئے ہیں۔ میں ہمعصر تحریرات یعنے قرآن مجید ہی سے یہ بتاؤں گا کہ آنحضرتؐ کا قصد نہ تو قافلہ پر حملہ کرنے کا تھا۔ اور نہ آپ اس غرض سے مدینہ سے باہر نکلے تھے +

بدر کی لڑائی جنگ دفاعی تھی

اوّل۔ الانفال ۸۔ آیات ۵ و ۶[2] سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ جنگ بدر کے موقع پر آنحضرتؐ کے مدینہ سے باہر جانے سے ناخوش تھا۔ اگر مال دار قافلوں کو لُوٹنا اُن کا مقصد ہوتا۔ جیسا کہ عام طور پر کیا جاتا

دعوئے مذکور کے دلائل۔

---

[1] دیکھو سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۲۵۵ کا فٹ نوٹ۔ یہ نوٹ کتاب مذکور کی طبع جدید سے حذف کر دیا گیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۲۱۷۔

[2] اصل آیتیں یہ ہیں:۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ٥ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ٥ (الانفال ۸۔ آیات ۵ و ۶۔

یعنے "(اے پیغمبر) جس طرح تمہارے پروردگار نے تم کو حق پر گھر سے نکلنے پر آمادہ کیا اور درحقیقت مسلمانوں کا ایک گروہ اس بات سے ناخوش تھا انہوں نے حق ظاہر ہونے کے بعد حق بات میں تم سے جھگڑا کیا گویا اُن کو موت کی طرف ڈھکیلا جاتا ہے۔ جس کو وہ دیکھ رہے ہیں"۔ (الانفال ۸۔ آیات ۵ و ۶)۔

(صاحب تفسیر بیضاوی نے ان دونوں آیتوں کی تفسیر میں نہایت دلچسپ درجہ بحث کی ہے ناظرین کتاب ہذا اسکو ملاحظ فرماویں)

ہے تو مسلمانوں کے ایک گروہ کی ناخوشی کے لئے کوئی وجہ نہیں ہوسکتی تھی۔ جن پر بار ہا یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ قریش کے ساتھ مخالفانہ روش رکھتے تھے اور جنگ و جدل اور مال غنیمت کے بڑے حریص تھے۔ اور یہ حرص نمایاں طور پر **اعراب** میں پائی جاتی ہے۔ حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت نے **مدینہ** سے باہر نکل کر جنگ کرنے کی ضرورت پر اور اس نتیجہ پر جو غالباً پیش آنے والا تھا۔ آنحضرتؐ سے بحث کی اُنھوں نے فصیل شہر کے اندر محصور رہ کر **مدافعت** کو ترجیح دی +

یہ دلیل اس دعوے کے خلاف ہے کہ "آنحضرتؐ معہ اپنے معتقدین کے قافلہ کو لوٹنے کے لئے روانہ ہوئے تھے اور قریش اس کو بچانے کے لئے آئے تھے"!

دوم۔ اسی سورۃ (الانفال ۸) کی آیت ۴۳[1] سے ثابت ہوتا ہے کہ تینوں گروہ مسلمان[1]، قریش کی فوج[2]، اور قافلہ[3] محض اتفاق سے مقام بدر کے قریب ایک دوسرے کے مقابل میں آکر خیمہ زن ہو گئے تھے۔ یہ دلیل ان لوگوں کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں۔ کہ "**آنحضرتؐ بمقام بدر** اسی ارادہ سے آئے تھے کہ وہاں جاکر قافلہ کو لوٹیں[2]"۔ درحقیقت آنحضرتؐ نے مقام بدر پر نہ تو قافلہ ہی کے لُوٹنے کا پہلے سے ارادہ کیا تھا اور نہ قریش کی فوج سے مقابلہ کرنے کا۔ آپؐ مع اپنے اصحابؓ کے صرف مدافعت کے طور پر دُشمن کو روکنے کے لئے آئے تھے جو آگے بڑھا چلا آتا تھا +

---

[1] اصل آیت یہ ہے:-

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۵ (الانفال ۸۔ آیت ۴۲)۔

یعنے "یہ وقت تھا کہ تم (میدان جنگ) کے قریب کے سرے پر تھے اور وہ (کفار) پہلے سرے پر۔ اور قافلہ تم سے نیچے کی طرف کو (دریا کے کنارہ پر) تھا اور اگر تم نے آپس میں (لڑائی کا) ارادہ کیا ہوتا تو تم سے ضرور وقت کی پابندی میں فرق پڑ جاتا مگر (یکایک ایک دوسرے سے مٹ بھیڑ ہو گئی) تاکہ خدا کو جو کچھ کرنا منظور تھا اس کو پورا کر دے"۔ (الانفال ۸۔ آیت ۴۳)۔

[2] دیکھو میور صاحب کی سیرت محمدی طبع جدید صفحہ ۲۲۶۔

سوم - اسی سورۃ کی ساتویں آیت[1] سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس وقت فریقین محض اتفاقاً ایک دوسرے کے قریب خیمہ زن ہو گئے تھے، اُسی وقت اور اُسی جگہ مسلمانوں نے فوج قریش سے جنگ کرنے کی بجائے، بطور انتقام یا بغرض تلافی نقصانات قافلہ پر حملہ کرنا چاہا تھا یہ دلیل میرے اس دعوے کی تائید میں ہے کہ "قافلہ پر حملہ کرنے کا پہلے سے کوئی منصوبہ نہ تھا" +

چہارم - اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ "آنحضرت ؐ کا ارادہ قافلہ پر حملہ کرنے کا نہ تو مدینہ سے باہر نکلنے سے پہلے تھا - جیساکہ بعض جاہل آدمی کہتے ہیں - اور نہ بمقام بدر دشمن کی فوج سے آمنا سامنا ہونے کے بعد ہی آپ کا ایسا ارادہ ہوا +

پنجم - سورۃ (الانفال ۸) آیت ۷۲[2] - جس میں جنگ بدر کے قیدیوں کا ذکر ہے - صاف صاف بتاتی ہے کہ **اہل مکہ** نے قید ہونے سے پہلے مسلمانوں کے ساتھ دغا کی تھی - اور بصراحت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ مسلمانانِ مدینہ پر ابتداءً حملہ کرنے کی غرض سے **مکہ سے چلے تھے** +

ششم - سورۂ توبہ ۹ - آیت ۱۳[3] - جس میں ایک واقعہ مابعد یعنی قریش کے صلح

---

[1] اصل آیت یہ ہے :-
وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ ۝ (الانفال ۸ - آیت ۷) -

یعنی "اور یاد کرو جب خدا نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ دو جماعتوں میں سے ایک تمہارے ہاتھ آجائے گی - اور تم یہ چاہتے تھے - کہ جس جماعت میں قوت نہیں ہے وہ تمہارے ہاتھ آئے - اور اللہ تعالےٰ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے کلمات سے حق کو قائم کرے اور کافروں کے پچھلے حصہ کو قطع کرے"۔ (الانفال ۸ - آیت ۷) -

[2] اصل آیت یہ ہے :-
وَاِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَکَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰہَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْکَنَ مِنْھُمْ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۝ (الانفال ۸ - آیت ۷۲) -

یعنی "اور اگر وہ تمہارے ساتھ دغا کرنا چاہیں تو پہلے بھی اللہ کے ساتھ دغا کر چکے ہیں پس اُس نے تم کو اُن پر قابو دیا - اور اللہ علیم اور حکیم ہے"۔ (الانفال ۸ - آیت ۷۲) -

[3] اصل آیت یہ ہے :- (دیکھو صفحہ ۱۱)

حدیبیہ کی عہد شکنی کا ذکر ہے۔ بصراحت تمام اُن پر اس امر کا الزام لگاتی ہے کہ انہوں نے ہی پہلے حملہ کیا تھا اور وہی پہلے جنگ کے لئے چڑھ کر آئے تھے۔ چونکہ **جنگ بدر** سے پہلے قریش نے مسلمانوں پر نہ تو کوئی حملہ کیا تھا اور نہ کوئی جنگ کی تھی۔ اس لئے میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ **بدر** کی لڑائی میں قریش حملہ آور تھے؎

۹۔ مگر چونکہ قریش اور عرب کے دیگر مخالف قبائل ہر سال آنحضرت صلعم پر حملہ کرتے اور دق کرتے رہتے تھے۔ اس لئے آپ کو اتنی مہلت نہ تھی کہ اپنے خطرہ میں پڑے ہوئے حقوق قائم کرنے، یا مسلمانوں کے نقصانات کی تلافی کرنے، یا ان مظالم کا تدارک کرنے کے لئے جو آپ کی ذات پر کئے گئے تھے، اپنے دشمنوں یعنے قریش سے جنگ کرنے کی غرض سے حملہ کریں۔ اور بُت پرستی کو زبردستی ترک کرانے یا اپنی رسالت کو جبراً منوانے کے لئے ہتھیار اُٹھانے کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔

> قریش اور دیگر قبائل عرب کے حملوں اور اُن کی دھمکی دینے والی جمعیتوں کی وجہ سے آنحضرت صلعم کو اتنی مہلت نہ تھی کہ اُن پر از خود حملہ کرنے کا خیال کریں۔

مکّہ سے ہجرت کے بعد پہلے سال میں قریش کے غیظ و غضب کی وجہ سے مسلمان ہر دم خطرے میں تھے۔ اور جب آنحضرت صلعم قرب و جوار کے قبائل سے اس امر کے **معاہدے** کر رہے تھے کہ وہ مسلمانوں کے دشمنوں سے کچھ واسطہ نہ رکھیں۔ اُس وقت **کُرز بن جابر** نے جو اعراب قریش میں سے تھا **مدینہ** پر حملہ کیا۔

دوسرے[۲] سال قریش نے بمقام **بدر** جنگ کی۔ اور اس کے بعد ختم سال کے قریب انہوں نے مدینہ پر ایک خفیف سی چڑھائی کی+ **بنی نضیر** نے اہل مدینہ کے ساتھ یہ بدعہدی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰)

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ (التوبہ ۹۔ آیت ۱۳)

یعنے "تم اُن لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنے عہدوں کو توڑا۔ اور رسول کے نکال دینے کا ارادہ کیا، اور انہوں نے ہی پہلی دفعہ تم سے جنگ شروع کی کیا تم اُن سے ڈرتے ہو"۔ (التوبہ ۹۔ آیت ۱۳)۔

؎ ابن ہشام مطبوعہ یورپ صفحہ ۴۲۳۔ التنبیہ والاشراف مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۵۲۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۸۶۔

کی کہ دشمن کو خبریں پہنچائیں۔ اور اس کو دعوت دی۔

تیسرے سال کے شروع میں **بنی سلیم** اور **بنی غطفان** کے خانہ بدوش قبیلوں نے جو نجد کے میدانوں میں رہتے تھے اور قریش اور وہ ایک ہی نسل سے تھے دو دفعہ تاخت و تاراج کی غرض سے مدینہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ باندھا۔ اُسی زمانہ میں مدینہ کے قریب **جنگ احد** میں مسلمانوں نے قریش سے شکست کھائی۔ اس واقعہ کا پیغمبر اسلام (عَلَيْهِ وَآلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ) کے اقتدار پر بڑا اثر پڑا۔ اور آپ کے فتح مند غنیم نے یہ دھمکی دی کہ ہم سال آیندہ بھی اسی قسم کا حملہ کریں گے۔

چوتھے سال کے شروع ہوتے ہی بہت سے **بدوؤں** اور نیز قبیلۂ **بنی نضیر** کے یہودیوں کی عداوت کا جوش نمایاں ہوا۔ اور مختلف مقامات میں آنحضرت صلعم کے خلاف کارروائی کرنے اور مدینہ کی شکست سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے بڑی بڑی جمعیتیں ترتیب دی گئیں۔ قریش کو جو فتح اُحد میں حاصل ہوئی اس کی تکمیل کے لئے **بنی اسد** اور **بنی لحیان** کے قبیلے مجتمع ہوئے۔ بالآخر یہ سخت غم انگیز سانحہ سے کم نہیں پیش آیا۔ کہ مقام **رجیع**[۱] اور **بیر معونہ**[۲] میں داعیانِ اسلام قتل کئے گئے۔ ختم سال[۳] پر اہل مدینہ کو یہ مبالغہ آمیز خبر ملی کہ غنیم نے جیسا کہ سال گزشتہ وعدہ کیا تھا۔ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے مکّہ میں بڑی بڑی تیاریاں کی ہیں۔ (سورۂ آل عمران ۳۔ آیت ۱۶۷)۔

پانچویں سنہ ۵ سال بنی **غطفان** کے بعض قبائل **ذات الرقاع** میں مشتبہ ارادوں سے جمع ہو رہے تھے۔ اور **دومۃ الجندل** کے قریب قزّاقوں کی جماعتوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کی دھمکی دی۔ **بنی خزاعہ** کی ایک شاخ **بنی مصطلق** نے جواب تک

---

[۱] ۴ھ ابن ہشام صفحہ ۶۳۸-۶۴۸۔ التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۴۶۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۸۔

[۲] ۴ھ ابن ہشام صفحہ ۶۴۸۔ التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۴۶۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۱۔

[۳] ۴ھ تفسیر بیضاوی جلد اول صفحہ ۱۸۵ مطبوعہ یورپ۔

آنحضرت صلعم کے طرفدار تھے۔ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے قریش کے ساتھ شامل ہونے کی غرض سے ہتھیار اُٹھائے ختم سال پر قریش نے **بدوی** (صحرانشین) **قبائل**[1] کی ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ شامل ہو کر **مدینہ** کی طرف کوچ کیا۔ اور بہت دن تک اس کا محاصرہ رکھا۔

جب **مدینہ** کا محاصرہ کیا گیا تو **بنی قریظہ** آنحضرت صلعم سے جدا ہو کر قریش کی فوج کے ساتھ جا ملے +

چھٹے سال کے شروع میں بنی **فزارہ** کے سردار **عیینہ** نے مدینہ پر حملہ کیا[2]۔ ایک مدینہ کے قافلہ کو جس کا سردار **زید بن حارثہ** تھا **بنی فزارہ**[3] نے گرفتار کر کے لوٹ لیا۔ **ماہ ذیقعدہ** میں (جو عربی قمری سال کا گیارھواں مہینہ ہے) جبکہ تمام عرب اور بالخصوص حرم مکّہ میں جنگ وجدل ممنوع تھا چونکہ آنحضرت صلعم اور آپ کے اصحاب کو بیت اللہ اور گردونواح کے **مقامات مقدسہ** کی زیارت کا شوق تھا۔ اور حج جس کو بچپن سے اپنی قومی و مذہبی زندگی کا ایک نہایت ضروری جزو سمجھتے تھے اس میں شامل ہونے کا قصد تھا۔ مزیدبراں اپنے گھروں اور بال بچوں کے دیکھنے کے لئے۔ جن سے اُن کو جبراً اور ظلماً جدا کیا گیا تھا۔ اُن کے دلوں میں ایک قومی خواہش موجزن تھی۔ لہذا بجائے حج کے صرف عمرہ[4] ادا کرنے کی غرض سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اُن کا خیال یہ تھا کہ جب ہم حاجیوں کے لباس میں روانہ ہونگے جس سے کسی لڑائی وغیرہ کا اندیشہ نہیں ہو سکتا

---

[1] بنی اشجع۔ مُرّہ۔ فزارہ۔ سلیم۔ سعد۔ اسد اور بنی غطفان کے چند قبائل۔ وادی القرٰے اور خیبر کے یہودی۔

[2] ذوالقصہ میں مسلمانوں کی ایک جماعت قتل کی گئی (التنبیہ للمسعودی صفحہ ۲۵۲ طبع یورپ) دِحیہ (عینی جلد ۸ صفحہ ۳۲۶ طبع قسطنطنیہ) جس کو آنحضرت صلعم نے قیصر روم کے پاس بھیجا تھا۔ اس کا تمام مال ومتاع واپسی کے وقت بنی جذام نے وادی القرٰے سے پرے لوٹ لیا۔

[3] خیبر کے یہودی۔ بنی فزارہ اور بنی سعد بن بکر اور دیگر قبائل اعراب کو مدینہ پر چڑھائی اور لوٹ مار کی ترغیب دے رہے تھے۔

[4] ابن ہشام صفحہ ۷۴۰۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۵۲۔

توقریش قومی عقیدہ کے ہر ایک **معاہدہ** کی رُو سے **اخلاقاً** اس امر کے پابند ہوں گے کہ ہم کو نہ ستائیں اور آنحضرت ؐ نے بھی ان سے امن و امان کے ساتھ **مکّہ** میں داخل ہونے کا نیز وعدہ کیا تھا۔ مگر قریش نے مسلّح ہو کر مسلمانوں کو مکّہ کی طرف بڑھنے سے روکا۔ حالانکہ اُن کا مقصد نیک تھا (یعنی زیارت بیت اللہ کا ارادہ تھا) اور ان کی وضع بھی حاجیوں کی سی تھی۔ یوں بھی اُن کی طرف سے لڑائی کا گمان نہیں ہو سکتا تھا۔ بالآخر آنحضرت ؐ اور قریش کے درمیان ایک **عہدنامہ**[له] بمقام حدیبیہ لکھا گیا۔ اس عہدنامہ کی **شرائط** گو بہ ظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ مگر فی الحقیقت یہ ایک فتح تھی جو مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ اس صلح سے دس سال تک لڑائی بند ہو گئی +

آنحضرت ؐ کے قیام مدینہ کے ابتدائی چھ سال کا مختصر سا خاکہ جو میں نے کھینچا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں **مدینہ** برابر ایک قسم کی **جنگی مدافعت** کی حالت میں تھا۔ مسلمانوں کو **بیرونی حملے**، یورش اور تاخت و تاراج کا۔ اور **اندرونی دغا**۔ سازش اور فریب کا ہر دم کھٹکا لگا رہتا تھا۔ اُن کو یا تو **غنیم** کی بڑی بڑی **جمعیتوں** کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ یا جو لوگ بارادۂ جنگ جمع ہوتے تھے ان کو منتشر کرنا پڑتا تھا۔ اور یا بعض اوقات غارتگر قبائل کو تنبیہ و تادیب کرنی پڑتی تھی۔ غرضکہ آنحضرت ؐ کو مدینہ میں بے کھٹکے دم لینے کی مہلت تو تھی ہی نہیں۔ تو پھر آپ کو ایسا وقت اور موقع کہاں سے مل سکتا تھا کہ جو ایذائیں قریش کے ہاتھوں آپ کو اور مسلمانوں کو پہنچی تھیں ان کا انتقام لینے کے لئے۔ ان کے نقصانات کی تلافی اور اُن کی ملکی و مذہبی آزادی کے حقوق دوبارہ قائم کرنے کے لئے یا اُن کو اور دیگر قبائل کو بزور شمشیر مسلمان بنانے کے لئے **قریش مکہ** پر حملہ کرنے کا منصوبہ پختہ کر سکیں +

نواحِ مکہ میں قریش کا مسلّح ہو کر مسلمان حاجیوں سے مقابلہ کرنا

۱۰۔ جب مسلّح قریش نے نہتّے مسلمانوں کا جو حاجیوں کے لباس میں تھے۔ مقابلہ کیا۔ اور قریش لڑائی کا جامہ پہن کر آیا

له ابن ہشام صفحہ ۷۴۰ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۵۲

بالفاظ دیگر تا دم واپسین لڑنے کا عزم مصمم کر کے **ذوطوے**[۱] کے مقام پر خیمہ زن ہوئے اور جبکہ حضرت عثمانؓ کو جو مسلمانوں کی طرف سے سفیر ہو کر **مکّے** گئے تھے قریش نے سچ مُچ قید کر لیا[۲]۔ اور جن کی نسبت یہ افواہ اُڑ رہی تھی کہ وہ مکّہ میں قتل کر دئے گئے۔ اور جبکہ قریش کی ایک جماعت نے آنحضرتؐ کے لشکرگاہ پر سچ مچ حملہ کر ہی دیا[۳]۔ صرف اس وقت مسلمانوں کے لشکر میں جوش و خروش۔ خوف و خطر۔ اور فکر و اندیشہ پیدا ہوا اور اسی وقت آنحضرتؐ نے مسلمانوں سے **عہد واثق** لیا کہ جب تک دم میں دم ہے اسلام کی حمایت کریں گے۔ (سورۃ[۴] الفتح ۴۸۔ آیت ۱۸)۔

اسی اثناء میں اُن مسلمانوں نے جو مکّہ میں مقیّد تھے۔ اور جن پر اَور بھی ظلم و ستم ہو رہے تھے۔ اپنی رہائی کے لئے آنحضرتؐ سے درخواست کی۔ دیکھو (سورۃ النساء ۴۔ آیات ۷۷ و ۹۹ و ۱۰۰) اور سورۃ التوبہ ۹۔ آیات ۱۳ و ۱۴)۔ (تفسیر بیضاوی جلد اول صفحہ ۲۷۹ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۸۴۸ء) +

آنحضرتؐ نے اس موقع پر قریش کے ساتھ جنگ کا اعلان کر دیا۔ اس صورت میں جبکہ وہ **پہلے حملہ کریں**۔ اور مسلمانوں کو تاکید کی کہ اپنے اگلے پچھلے ظلموں کا (جو قریش نے اُن پر کئے تھے) انتقام لیں۔ اپنی ملکی و مذہبی آزادی کے حقوق کو قائم کریں۔ اپنے وطن (مکّہ) میں بے روک ٹوک آمد و رفت رکھنے اور اپنے مراسم مذہبی کو بلا مزاحمت ادا کرنے کی آزادی حاصل کریں۔ اور قریش کے

> مکہ میں ملکی و مذہبی آزادی کا حق حاصل کرنے کی غرض سے جنگجو قریش کے خلاف آنحضرت صلعم کا اعلان جنگ۔

---

[۱] ابن ہشام صفحہ ۷۴۱ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۸۶۰ء۔

[۲] ابن ہشام صفحہ ۷۴۶۔

[۳] ابن ہشام صفحہ ۷۴۵۔ (دیکھو سورۃ الفتح ۴۸۔ آیت ۱۸۔ تفسیر بیضاوی جلد دوم صفحہ ۲۷۹ مطبوعہ یورپ)۔ التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۵۵ مطبوعہ یورپ)۔ [۴] آنحضرتؐ نے مکّہ کی طرف بعض قبائل اعراب کو اپنا حامی بنا لیا تھا جو وہ آپ کے ساتھ دوستانہ برتاؤ رکھتے تھے۔ اس وقت آنحضرتؐ نے اُن کو طلب کیا کہ اگر جنگ پیش آئے تو آپ کے ساتھ شامل ہوں۔ مگر سوائے معدودے چند کے کوئی شخص شریک جنگ نہ ہوا +

مظالم کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیں ۔

آیات مندرجہ ذیل اسی موقع پر نازل ہوئیں اور اُسی وقت اُن کا اعلان کردیا گیا :-

سورۂ دوم (البقرہ) آیات[1] ۱۸۶ الغایت ۱۹۰ - اور ۲۱۲ لغایت ۲۱۵ - اس کے بعد سورۂ الفتح ۴۸[2] - آیت ۱۸) بھی اسی موقع سے تعلق رکھتی تھی - بالخصوص آیات ۱۰ و ۲۲ لغایت ۲۷) - یہ آیتیں اصل کتاب کے فقرۂ (۱۷) میں نقل کی گئی ہیں ۔

یہ جنگ جس کا اعلان کیا گیا تھا - عمل میں نہیں آئی -

مگر خوش قسمتی سے باہم مصالحت ہو گئی اور کسی طرف خون کا ایک قطرہ بھی بہنے نہیں پایا - پس جن آیات کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اُن کے احکام کی تعمیل کبھی نہیں ہوئی - اس اعلان جنگ کے شائع کرنے میں بھی آنحضرت ؐ تمام قوانین اور انصاف کی رو سے حق بجانب تھے - یہ جنگ بھی اگر واقع ہوتی جنگ مدافعت ہی ہوتی جو مسلمانوں کے ملکی حقوق اور اُن کی مذہبی آزادی قائم کرنے کی غرض سے کی جاتی جس سے وہ اب تک ناواجب طور پر محروم کئے گئے تھے ۔

قریش پھر مخالفت کے مرتکب ہوتے اور عہد شکنی کرتے ہیں

۱۱ - یہ صلح زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہی - حملہ آور قریش کی طرف سے مخالفت کا سب سے پچھلا کام یہ ہوا کہ انہوں نے صلح نامہ کے مرتب ہونے سے دو سال کے اندر ہی صلح کو توڑ دیا - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر کار مکّہ فتح ہو گیا - اور اہل مکّہ نے اطاعت قبول کی - قبیلۂ بنی خزاعہ[3] جو اب صلح ہو جانے کے وقت سے مسلمان ہو گیا تھا - اور جس نے عہد نا

[1] بیضاوی جلد اول صفحہ ۱۰۵ طبع یورپ - کشاف جلد اول صفحہ ۱۳۱ طبع کلکتہ -

[2] بیضاوی جلد ۲ - صفحہ ۳۱۹ -

[3] سورۂ توبہ ۹ - آیت ۱۳ و ۱۴ میں بھی بنی خزاعہ کا ذکر ہے - دیکھو تفسیر بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۷۹ و ۳۸۰ مطبوعہ یورپ ۱۳۲۸ء - تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۵۹۵ -

کے وقت آنحضرت صلعم سے علی الاعلان عہد و پیمان کیا تھا۔ اس پر قریش اور اُن کے معاون و مددگار بنی بکر[1] نے حملہ کیا۔ ان مظلوم مسلمانوں نے اپنے نائبوں کے ذریعہ سے آنحضرت صلعم سے مدد کی درخواست کی اور اُنھوں نے آنحضرت صلعم اور آپ کے اصحاب کے روبرو اُن ظلموں کا جو اُن پر ہوئے تھے، نہایت مؤثر الفاظ میں اظہار کیا۔ اور زار نالی کے لہجہ میں اصرار کیا کہ دغاباز قاتلوں سے انتقام لیا جائے ✦

صلح توڑنے والوں کے خلاف جنگ کا اعلان

آنحضرت صلعم نے اُن حملہ آوروں کے خلاف، جنھوں نے صلح کو توڑ کر بنی خزاعہ پر حملہ کیا تھا۔ اُن کے مظالم کی تلافی کی غرض سے جنگ کا اعلان کر دیا۔ مضمون اعلان یہ تھا کہ جن لوگوں نے عہد شکنی کی اور بنی خزاعہ کے خلاف بنی بکر کو مدد دی اُن کے لئے اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے براءت (صاف جواب) ہے۔ اُن کو صلح کرنے کے لئے چار مہینے کی مہلت دی گئی تھی۔ اگر اس مدت میں صلح کر لیں تو خیر ورنہ اُن سے جنگ کی جائے گی اُن کو گرفتار کیا جاوے گا۔ ان کا محاصرہ کیا جائے گا۔ قصہ مختصر۔ جنگ کی تمام مصیبتیں ان کو جھیلنی پڑیں گی۔ سورۃ التوبہ ۹۔ آیات ۱۔ لغایت ۵۔ اسی اعلان جنگ کی بابت نازل ہوئی تھیں۔ اس سورۃ کی آیات اصل کتاب کے فقرہ (۱۷) میں نقل ہوئی ہیں[2] ✦

یہ جنگ واقع نہیں ہوئی۔

مگر یہ جنگ جس کی دھمکی دی گئی تھی فی الحقیقت واقع نہیں ہوئی۔ اور بغیر جنگ کے صلح سے مکہ حوالے کر دیا گیا[3]۔ اس طرح مسلمانان مکہ و

[1] بنی بکر بن عبد مناۃ کنانہ کی ایک شاخ تھی جو بنی معد کی نسل سے تھی۔ تفسیر بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۷۹ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۸۴۸ء۔ ابن ہشام صفحہ ۸۰۲ طبع یورپ۔ تفسیر کشاف جلد اول صفحہ ۵۲۸ مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۲۷۶ھ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۸۔

[2] تفسیر بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۷۶ طبع یورپ۔ تفسیر کشاف جلد اول صفحہ ۵۲۶ طبع کلکتہ سنہ ۱۲۷۶ ہجری۔

[3] ابن ہشام صفحہ ۸۰۲۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۸۲۔ التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۶۶ طبع یورپ۔ تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۸ طبع یورپ۔

غرضیکہ کی ملکی و مذہبی آزادی کی بابت آنحضرت ؐ کا مقصد حاصل ہوگیا اور بغیر لڑائی بھڑائی یا خونریزی کے آپ نے قریش کے ظلم و تعدّی اور اُن کی ایذا رسانی (فتنہ) کو دفع کردیا۔ اور دائمی خوف و خطر اور اضطراب و پریشانی کی بجائے جو آپ کے اصحاب پر چھائے ہوئے تھے۔ اُن کو امن و امان بھی حاصل ہوگیا۔ اس امر کا وعدہ چند سال پیشتر سورۂ (النور ۲۴۔ آیت ۵۴) میں کیا گیا تھا۔ جو حسب ذیل ہے :۔

۵۴۔ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ o (النور ۲۴۔ آیت ۵۴)۔

۵۴۔ "تم میں جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل بھی کئے اُن سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اُن کو ملک کی خلافت (سلطنت) ضرور عطا کرے گا۔ جیسے اُن لوگوں کو خلافت عطا کی تھی جو اُن سے پہلے ہو گزرے ہیں اور (اس کے علاوہ) جس دین (اسلام) کو اُس نے اُن کے لئے پسند کیا ہے اُس کو اُن کے لئے ضرور مضبوط کردیگا اور جو ۔ اُن کو ہے اسکے بعد اُن کو اُن کے بدلے میں ضرور امن دیگا کہ وہ ہماری عبادت کریں گے اور کسی چیز کو ہمارا شریک نہیں بنائیں گے اور جو شخص اسکے بعد ناشکری کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں[1]" (النور ۲۴۔ آیت ۵۴)۔

۱۲۔ اب میں قریش کا ذکر چھوڑ کر مسلمانان قرن اوّل کے دوسرے دُشمنوں کی لڑائیوں کا حال بیان کرتا ہوں۔ قرآن مجید میں علاوہ قریش کے دیگر قبائل عرب کی صرف ایک جنگ کا ذکر ہے۔ اور وہ جنگ حنین ہے (ابن ہشام صفحہ ۸۴۰۔ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۶۳)۔ اس جنگ میں بنی ثقیف نے ابتداءً حملہ کیا تھا*

قریش کے علاوہ دیگر دشمنانِ اسلام کے ساتھ جنگ۔

جنگ مریسیع[2] کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے مگر مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ

[1] اس پیشین گوئی کا من جمیع الوجوہ پورا ہونا ایک خاص زمانہ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ بحث اپنے محل پر مفصل مذکور ہے۔ دیکھو تفسیر بیضاوی جلد دوم صفحہ ۲۹ مطبوعہ یورپ۔ قاضی بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کے متعلق تفصیلی بحث کی ہے۔ (مترجم)۔

[2] ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۶۔ ابن ہشام صفحہ ۷۲۵ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۰ء۔

احد کی شکست کے بعد جو مکّہ کے رُخ پر واقع ہے۔ جب آنحضرت صلعم کو اپنے برخلاف قریش کی جدید سازش کی اطلاع ملی۔ اور مدینہ پر حملہ کرنے میں قریش کے ساتھ شامل ہونے کی غرض سے بنی مصطلق کے تازہ جمعیت فراہم کرنے کی خبر پہنچی۔ تو آپ نے ایک دلیرانہ کوشش سے ان کے ارادہ کو روکنے کا عزم بالجزم کیا۔ میں نے اس کتاب میں ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلعم کی خیبر[۱] کی مُہم محض بغرض مدافعت تھی غنیم کے پیش آنے والے حملے کے خطرہ سے اپنے نفس کی حفاظت کے لئے اور اس کو آگے بڑھنے سے روکنے کی غرض سے جو جنگ کی جائے وہ ازروے قانون جنگ مدافعت ہے +

میں بنی قریظہ کی مُہم سے جُداگانہ بحث نہیں کرتا۔ مگر یہاں اس قدر بیان کرنا ضروری ہے کہ وہ مسلمانوں سے رابطۂ مدافعت قائم کرنے کے بعد دغابازی سے اُن کا ساتھ چھوڑ کر دشمن کی جمعیت میں جا شامل ہوئے تھے ان کا مفصل حال معلوم کرنے کے لئے ناظرین کو اصل کتاب کے فقرات ۶۸ - ۷۱ کا مطالعہ کرنا چاہیئے +

۱۳۔ مکّہ کی متذکرۂ بالا مُہم کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش مطیع ہوگئے انہوں نے صلح کرلی اور ہتھیاروں کے استعمال کی نوبت نہیں آئی + تبوک[۲] کی مُہم جملہ مؤرخین مسلم و اہل یورپ دونوں کے اقرار کے موافق محض دفاعی اغراض سے اختیار کی گئی تھی۔ اس موقع پر آنحضرت صلعم کو یہ وحشت انگیز خبر پہنچی کہ اسلامی جمہوریت پر بیرونی حملہ ہونے والا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ کو سخت اندیشہ

دشمن جو آگے بڑھا چلا آتا تھا اس کو روکنے کے لئے تبوک کی مہم جس میں کوئی جنگ واقع نہیں ہوئی

[۱] ابن ہشام صفحہ ۷۵۵ طبع یورپ۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۶۵ مطبوعہ یورپ +
[۲] ابن ہشام صفحہ ۸۹۳ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۰ء۔ ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۲۱۱ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۷ء التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۷۰ +

پیدا ہوا۔ سورۃ (التوبہ ۹) کی آیات مندرجہ ذیل اگر یہودیان خیبر کی بابت نہیں تو اغلباً رومیوں اور اُن کے حامی و معاون یہود و نصاریٰ[1] کے بارے میں نازل ہوئی ہیں:-

۲۹- قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَّهُمْ صٰغِرُونَ (التوبہ ۹- آیت ۲۹)-

۲۹- اہل کتاب میں سے جو لوگ نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر- اور نہ اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ دین حق کو اختیار کرتے ہیں- اُن سے لڑو- یہاں تک کہ وہ عاجز ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں۔ (التوبہ ۹- آیت ۲۹)-

۱۲۴- يٰۤاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ (التوبہ ۹- آیت ۱۲۴)-

۱۲۴- اے ایمان لانے والو! اپنے آس پاس کے کفار سے لڑو اور چاہیئے کہ وہ تم میں شدت (کرارا پن) معلوم کریں اور جان لو کہ اللہ (زیادتی سے) بچنے والوں کے ساتھ ہے- (التوبہ ۹- آیت ۱۲۴)-

آنحضرت ؐ بغیر جنگ کے واپس تشریف لائے- اور جو احکام ان آیتوں میں درج ہیں اُن کے عمل میں لانے کا کوئی موقع پیش نہیں آیا۔

چونکہ پیش آنے والا خطرہ نہایت سخت تھا- اس لئے آنحضرت ؐ نے مسلمانوں کو جنگ مدافعت کی ترغیب دینے میں نہایت سخت کوشش کی- مگر چونکہ موسم گرم اور سفر دراز تھا اس لئے بعض مسلمان جنگ سے پہلو تہی کرتے اور پیچھے ہٹتے جاتے

---

[1] مقنا- اذرح اور جربا کے یہودی، ایلہ اور دومۃ الجندل کے عیسائی- (ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۲۱۴ مطبوعہ یورپ) ابن ہشام صفحہ ۹۰۲ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۰ء- التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۷۲- نیز ملاحظہ ہو فتوح البلدان صفحہ ۵۹ تا ۶۰ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۶ء علامہ بلاذری نے اُس عہدنامہ کو جو آنحضرت صلعم نے اہل مقنا[1]- اذرح[2]- جربا[3]- ایلہ[4] اور تبوک[5] کو لکھ دیا تھا- تمام کو بعینہ نقل کیا ہے- عبد

تھے۔ جو لوگ اس موقع پر جھوٹے حیلے بہانے کر کے جنگ سے پیچھے رہ گئے تھے اُن کو سخت تہدید و ملامت کی گئی ہے۔ (ابن ہشام صفحہ ۸۹۳۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۱۱)

۱۴۔ لڑائیوں کا جو خاکہ اوپر کھینچا گیا ہے اس سے واضح ہو گا کہ صرف پانچ جنگیں ایسی ہوئی ہیں جن میں درحقیقت لڑائی کی نوبت پہنچی۔

آنحضرتؐ کی جنگوں کی تعداد

جن لوگوں نے آنحضرتؐ کی سیرت لکھی ہے یا آپ کے **غزوات** کے حالات قلمبند کئے ہیں اُنہوں نے آپ کی مہموں کی **تعداد** شمار کرنے میں **مسامحت** کی ہے۔ انہوں نے مختلف مہموں کے نام اور احوال درج کئے ہیں۔ مگر نہ تو عقلی **تنقید** کا باقاعدہ لحاظ رکھا ہے اور نہ اُن **اصول درایت** کی پابندی کی ہے۔ جن پر **روایت** کی شہادت کو پرکھتے ہیں۔ اس لئے وہ مہموں کے **قصے** بیان کر دیتے ہیں بلا لحاظ اس امر کے کہ ان میں سے کون سے سچے ہیں اور کون سے جھوٹے مؤرخین نے بہت سی مہمیں شمار کی ہیں[1]۔ جن کی تایید میں فی الحقیقت کوئی معتبر شہادت موجود نہیں۔ بعض تو بالکل ہی بے بنیاد ہیں۔ اور بعض کو غلطی سے جنگی مہم کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ مؤرخین یورپ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ لفظ "**غزوات**" کے معنے ہیں "لوٹ مار کی مہمیں"۔

(۱) دوستانہ **عہد نامے** مرتب کرنے کے لئے وکلا کا روانہ کرنا۔

(۲) تلقین اسلام کے لئے **دعاۃ اسلام** کا بھیجنا۔

(۳) سرداران ممالک غیر کے پاس **سفیروں** کی روانگی۔

(۴) **تجارتی مہمات**۔

[1] مؤرخین نے غزوات کی عام داستانوں کو جو زبان زد خلائق تھیں اور دل پسند کہانیوں کو جو اُن کے زمانہ میں سانچے میں ڈھل چکی تھیں صرف مدوّن یا مرتب کر دیا مگر وہ زیادہ تر دل خوش کن اور بے سروپا افسانے تھے التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۷۸ مطبوعہ بریل ۱۸۹۴ء ملاحظہ ہو۔

(۵) حاجیوں کے قافلے۔
(۶) قزاقوں کی جمعیت کو منتشر یا متنبہ کرنے۔
(۷) یا دشمن کی حرکات کی نگہداشت کے لئے فوج کا روانہ کرنا۔
(۸) خبریں لانے کے لئے جاسوسوں کا بھیجنا۔
(۹) یا دشمن سے لڑنے یا اس کو روکنے کے لئے فوج کا بھیجنا یا لے جانا۔

غرض کہ ان تمام قسم کی مہموں کو "غزوات" "سرایا" یا "بعوث" کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے۔ پس آنحضرتؐ کی مہمات کی تعداد میں **اوّل** تو مؤرخین نے ناواجب مبالغہ سے کام لیا۔ اور ہر جنگی مہم یا عزم سفر کو جس کا حال معتبر یا غیر معتبر روایتوں میں اُن کے واقع ہونے سے عرصہ دراز کے بعد درج ہوا ہے۔ کتب تواریخ میں قلم بند کیا۔ اور اُن کی تنقید کے لئے اپنے دماغوں کو ذرا بھی تکلیف نہیں دی +

دوم۔ انہوں نے تمام اسلامی مشنوں نیابتوں۔ سفارتوں۔ حجاج۔ کے سفروں اور تجارتی مہموں کو "غزوات" اور "سرایا" کی فہرست میں شامل کر دیا جن کا ترجمہ آجکل یوروپین مؤرخین نے "لوٹ مار کی مہمیں" یا "فوج کا بغرض جنگ روانہ کرنا" کیا ہے +

مؤرخین عرب و یورپ دونوں نے یہاں تک دعوے کیا ہے کہ ستائیس ۲۷ مہمیں خود آنحضرتؐ کی سرکردگی میں واقع ہوئیں۔ اور چوہتر ۷۴ مہمیں ایسے اشخاص کی ماتحتی میں پیش آئیں جن کو آنحضرتؐ نے سردار بنا کر بھیجا تھا۔ پس اس حساب سے کل ۱۰۱ مہمیں ہوئیں +

یہ تعداد **ابن سعد** کاتب الواقدی نے لکھی ہے۔ (دیکھو قسطلانی جلد ششم صفحہ ۳۸۶) +

ابن اسحاق نے بھی خاص آنحضرتؐ کی مہمات کی تعداد تو ستائیس ۲۷ ہی بیان

کی ہے۔ مگر جو مہمیں آپ کے حکم سے دیگر اشخاص کی ماتحتی میں واقع ہوئیں۔ اُن کی تعداد صرف اڑتیس[۳۸] ۔ (دیکھو ابن ہشام صفحہ ۹۷۲-۹۷۳)۔

ابو یعلےٰ نے **جابر**رضؓ سے جو آنحضرتؐ کے صحابی تھے ایک روایت کی ہے جابر کا بیان ہے کہ صرف اکیس[۲۱] مہمیں پیش آئی تھیں۔ مگر **زید بن ارقم**رضؓ جو سب سے زیادہ **مستند** راوی ہے۔ قدیم ترین روایات میں جو بخاری نے **کتاب المغازی** میں جمع کی ہیں ان کی تعداد میں کمی کرتا ہے۔ اور کتاب مذکور میں دو جگہ غزوات کی تعداد نہیں بیان کرتا ہے جس میں سب قسم کی مہمیں شامل ہیں۔ جن میں وہ آنحضرتؐ کے ساتھ تھا **مہموں** کی یہ تعداد جو بیان ہوئی ہے۔ یعنے ستائیس[۲۷] ۔ اکیس[۲۱] ۔ اُنیس[۱۹] ۔ سترہ[۱۷] ۔ ان میں صرف آٹھ[۸] یا نو[۹] ایسی ہیں جن میں **واقعی جنگ** واقع ہوئی پچھلی تعداد جو سب سے کم ہے وہ بھی قابل اعتماد نہیں ہے۔ اصل مہمیں حسب ذیل ہیں :-

۱- **بدر**
۲- **احد**
* - **مریسیع**
۳- **احزاب**
* - **قریظہ**
۴- **خیبر**
* - **مکہ**
۵- **حنین**
* **طائف**

بنی مصطلق کے ساتھ بمقام **مریسیع**[۳] جنگ واقع ہونے کی کوئی معتبر شہادت نہیں ہے۔ **بنی قریظہ** کے ساتھ بھی کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ کیونکہ اُن کا معاملہ صرف **جنگ احزاب** کا سلسلہ تھا اور اس لئے جداگانہ نمبر کی ضرورت نہیں۔ مکہ میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ وہ صلح سے مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ رہی **جنگ طائف**

[۱] موسےٰ بن عقبہ (المتوفی سنہ ۱۴۱ھ)
[۲] ابن سعد اور ابن اسحاق۔ جن کا حوالہ پہلے دیا گیا ہے۔
[۳] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۳۔ ابن ہشام ۷۲۵۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۶۔

وہ مثل اوطاس کے جنگ **حنین** کا ایک جزو تھا۔ جو لوگ جنگ سے فرار کر گئے تھے اُن کو گرفتار کرنے کے لئے طائف کا محاصرہ کیا گیا تھا۔ کیونکہ اُنھوں نے وہاں پناہ لی تھی۔ اور بعد ازاں محاصرہ بھی اُٹھا لیا گیا۔ اس طرح منجملہ **نو**۹ کے صرف **پانچ**۵ **مہمیں** باقی رہ جاتی ہیں۔ جن پر میں نے نمبر لگا دئے ہیں۔ ان مہموں میں آنحضرت ؐ نے اپنے آپ کو اور اپنے پیروؤں (مسلمانوں) کو بچانے کے لئے دشمنوں سے جنگ کی ہے۔ یہ پانچوں مہمیں بھی **جنگ** کے نام سے موسوم کئے جانے کی مستحق نہیں ہیں۔ فن جنگ کی رُو سے باعتبار نتائج کے اُن کو خفیف سی لڑائیاں یا معمولی مُناقشے کہا جا سکتا ہے دشمن کا نقصان بدر میں اُنچاس۴۹۔ اُحد میں بیس۲۰۔ احزاب میں تین۳۔ خیبر میں ترانوے۹۳ اور **حنین** میں بھی ترانوے۹۳ تھا۔ مگر پچھلے دونوں عددوں میں شُبہ ہے اور مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی طرف کا نقصان علے الترتیب چودہ۱۴۔ چوہتر۷۴۔ پانچ۵۔ اُنیس۱۹۔ اور سترہ۱۷ تھا۔ ان جنگوں میں کل اموات مسلمانوں کی طرف ایک سو اُنتیس۱۲۹ اور دشمنوں کی طرف دو سو اٹھاون۲۵۸ ہوئیں۔ یہ تعداد مسلمانوں کے نقصان سے ٹھیک دوچند ہے اور مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو صحیح تسلیم کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہیئے +

۱۵۔ ریورنڈ مسٹر سیموئل گرین لکھتے ہیں کہ :۔

> آنحضرت صلعم کی جنگوں کی بابت مسٹر گرین کی رائے۔

" اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ محمد (صلعم) نے اول اول
" اپنی مدافعت میں ہتھیار اُٹھائے تھے۔ اور اپنے دشمنوں کی
" مخالفتوں کے روکنے یا دفع کرنے کے درپے رہتے تھے اور ایک معقول حد تک اُن سے
" انتقام لینے میں متعدد مؤرخوں نے آپ کو حق بجانب قرار دیا ہے۔ **گبن** کہتا ہے کہ " ایک
" آزاد قوم کے انتخاب نے مکّہ کے مہاجر (آنحضرت ؐ) کو ایک بادشاہ کے درجہ پر پہنچا دیا تھا
" اور آپ کو اس امر کا واجبی حق حاصل ہو گیا تھا کہ لوگوں کے ساتھ معاہدے کریں اور اُن پر

"حملہ کریں۔ یا ان سے جنگ دفاعی کریں؎۱۔
"ہم کو اس بات پر ذرا بھی تعجب نہیں ہوتا کہ ایک مسلمان نے ایسے خیال کو اپنے دل
"میں جگہ دی۔ اور نہ یہی بات کچھ عجیب ہے کہ ایک منکر اسلام نے اُس خیال کی تصدیق کی
"ہے۔ اگر یہ بات سچ ہو تو جنگ کے جائز اور قابل تعریف قرار پانے کے لئے صرف یہی امر
"کافی سمجھ لیا جائیگا کہ دشمن کے مقابلہ کی قوت پاکر "سابقہ نقصانات" کی تلافی کا بہانہ نکال کھڑا
"کیا جائے۔ محمد (صلعم) کی حمایت میں جو دلیل پیش کی گئی ہے وہ ہر خونی اور کینہ توز بے رحم
"ظالم کے لئے یکساں مفید ہے۔ اور جب ظلم کی اس طرح حمایت کی جائیگی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ
"لوگ بجائے اس کے کہ الفت وشفقت کے رشتوں سے وابستہ رہیں اور ایک دوسرے
"کے قصوروں کو معاف کریں۔ شیطان مجسم ہو جائیں گے، اور ایک دوسرے کو تباہ و برباد کرنے
"کے لئے موقع کی تاک میں لگے رہیں گے؎۲" +

قریش سے جنگ کرنے کے لئے مسلمانوں کی طرف سے "سابقہ نقصانات" کا عذر

رائے مذکور کا ابطال

کبھی پیش نہیں کیا گیا۔ درحقیقت قریش ہی نے ان پر حملہ کیا تھا۔ اور نیز قریش اور اُن کے حامیوں نے مسلمانوں پر چڑھائی کرنے کی بارہا دھمکی دی تھی۔ پس جب تک کہ دشمن نے اُن پر حملہ نہیں کیا اس وقت تک اُنھوں نے اپنی مدافعت میں ہتھیار نہیں اُٹھائے اور نہ اپنے دشمنوں کی مخالفتوں کو روکنے اور دفع کرنے کے درپے ہوئے۔ آنحضرت ؐ کی حمایت میں جو دلیل پیش کی گئی ہے وہ ہر خونی، کینہ توز، بے رحم، ظالم کے لئے یکساں مفید نہیں ہو سکتی۔

مکّہ میں صرف آنحضرت ؐ ہی پر ظلم و ستم نہیں ہوئے تھے اور آپ ہی پر حملے نہیں کئے گئے تھے، بلکہ تمام مسلمانوں نے طرح طرح کے مظالم و مصائب کے دُکھ اُٹھائے

؎۱ "عروج و زوال باب اول"
؎۲ محمد (صلعم) اور سلطنت عرب کی تاریخ از ریورنڈ سیموئل گرین صفحہ ۲۶ : مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ء۔

تھے مکّہ سے نکال دینے کے بعد بھی قریش ان پر حملہ کیا کئے اور اُن کو اُن کے وطن (مکّہ) میں واپس آنے اور وہاں پہنچ کر خانہ کعبہ کا حج بجا لانے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ تمدّنی و مذہبی آزادی جو ہر فرد بشر اور ہر قوم کا قدرتی حق ہے۔ اس سے بھی محروم کئے گئے۔ ایک بے رحم، یا کینہ توز، ظالم کا اپنی مدافعت میں ہتھیار اُٹھانا۔ یا اپنے شخصی نقصانات اور ذاتی تکالیف کی چارہ جوئی کے درپے ہونا حق بجانب نہیں ہو سکتا۔ مگر مکّہ کی تمام اسلامی جماعت نے ظلم اٹھائے تھے۔ ایذائیں سہی تھیں۔ وطن سے بے وطن کی گئی تھی، اور مدینہ میں کل اسلامی جمہوریت پر حملے کئے گئے تھے ظلم کئے گئے تھے، اور تکلیفیں دی گئی تھیں، اُن کے قدرتی حقوق نظر انداز کئے گئے تھے۔ ایسی ایسی مصیبتیں جھیلنے کے بعد مسلمانوں نے دشمنوں کی دشمنی سے اپنے آپ کو بچانے اور قوت کو قوت سے دفع کرنے کے لئے ہتھیار اُٹھائے اور وہ ہر ایک قانون اور انصاف کی رُو سے حق بجانب تھے ✦

حفاظت خود اختیاری کا حق قانون قدرت کا ایک جزو ہے۔ اور ملکی جماعت کا لازمی فرض ہے کہ اپنے لوگوں کی حفاظت کرے۔ اگر کوئی خونی اور کینہ توز ظالم اپنے بچاؤ کے لئے ایسا کرے۔ تو وہ بھی اس خاص فعل میں بالکل حق بجانب ہوگا۔ واجبی جنگ یعنے وہ لڑائی جو ظالمانہ جبر و تعدّی کے روکنے یا دفع کرنے یا کوئی حق قائم کرنے کے لئے اختیار کی جائے۔ کسی مذہبی، اخلاقی، یا ملکی جہت سے قابل الزام قرار نہیں دی جا سکتی۔

مگر مسلمانوں اور اُن کے دشمنوں یعنے قریش و یہود کے درمیان جو مشکل درپیش تھی اس کو سکون و اطمینان کے ساتھ حل کرنے اور جنگ اور اس کے ہولناک نتائج کو روکنے کے لئے مسلمانوں نے کوشش کا کوئی ممکن ذریعہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ آں حضرت صلعم نے قریش کو بار بار جتا دیا تھا کہ اگر تم باز رہو تو تمہارے قصور معاف کئے

جائیں گے ٭

۱۸۸- فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (البقرہ۲- آیت ۱۸۸)

۱۸۸- "پھر اگر وہ (شرارت سے) باز آئیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے" ۝ (البقرہ۲- آیت ۱۸۸)-

۱۸۹- فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ (البقرہ۲- آیت ۱۸۹)

۱۸۹ "پھر اگر (شر و فساد سے) باز آئیں تو زیادتی تو ظالموں کے سوا کسی پر ہونی ہی نہیں چاہیئے" ۝ (البقرہ۲ آیت ۱۸۹)-

۱۹- اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ج وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ج وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ لا وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الانفال ۸- آیت ۱۹)-

۱۹ "(اے اہل مکہ) تم جو فتح مانگتے تھے تو وہ فتح تمہارے سامنے آگئی (کہ مسلمان غالب آئے) اور اگر تم (جنگ سے) باز ہو گئے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا اور اگر تم پھر (جنگ کی طرف) رجوع کرو گے تو ہم بھی پھر رجوع کریں گے اور تمہاری جمعیت خواہ کتنی ہی زیادہ ہو کچھ تمہارے کام نہیں آئے گی اور اللہ تو ایمان والوں کے ساتھ ہے"- (الانفال ۸- آیت ۱۹)

۳۹- قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ج وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ (الانفال ۸ آیت ۳۹)-

۳۹ "(اے پیغمبر!) ان کافروں سے کہو کہ اگر (اپنی شرارتوں سے) باز آجائیں تو اُن کے پچھلے قصور معاف کئے جائیں گے- اور اگر پھر (شرارت) کریں گے تو اگلے لوگوں کی روش پڑ چکی ہے (ان لوگوں کا بھی وہی انجام ہوگا)"- (الانفال ۸- آیت ۳۹)-

یہی صورت یہودیوں کی بابت تھی :-

۱۰۳- وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (البقرہ۲ آیت ۱۰۳)-

۱۰۳ "اہل کتاب میں سے اکثر اپنے دلی حسد کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر تم کو کافر بنا دیں- باوجودیکہ اُن پر حق ظاہر ہو چکا ہے- پس تم (اے مسلمانو!) معاف کرو اور در گزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم صادر فرمائے- بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے"- (البقرہ۲- آیت ۱۰۳)-

۶۳- وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (الانفال ۸- آیت ۶۳)-

۶۳- "(اے پیغمبر!) اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو کیونکہ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے"- (الانفال ۸- آیت ۶۳)-

۱۶- وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (المائدہ-۵- آیت ۱۶)-

۱۶- "(اے پیغمبر!) ان میں سے چند آدمیوں کے سوا سب کی خیانت کی اطلاع تم کو ہوتی رہتی ہے پس اُن کے قصور معاف کرو اور درگزر کرو- اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"- (المائدہ ۵- آیت ۱۶)-

مگر صُلح حدیبیہ تک دُشمن کی طرف سے کوئی صلح یا باہمی معاہدہ نہیں ہو سکا- اور اس صُلح کو بھی تھوڑے ہی عرصہ بعد اُنہوں نے توڑ دیا تھا*

جو جنگیں ذاتی حفاظت اور مدافعت کی غرض سے کی گئی تھیں- اُن میں بھی پیغمبر (صلعم) نے ان خرابیوں کو جو دورانِ جنگ میں لازمی طور پر پیش آتی ہیں- بہت کچھ کم کر دیا تھا- فریب و دغا، بدعہدی، بیرحمی، اور عورتوں، بچّوں، بڈھوں کے قتل کرنے کی آنحضرت ؐ کی طرف سے ممانعت تھی[1]- اور اسیرانِ جنگ کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرنے کی تاکید تھی- مگر ان سب سے بڑھ کر جو خرابیاں تھیں- یعنے غلامی اور لونڈیوں کو حرم بنا کر گھر میں رکھنا- اور یہ وہ آفتیں تھیں جو اُس زمانہ میں جنگ کے ساتھ لازم اور غیر منفک تھیں- اُن کو بھی آنحضرت ؐ نے موقوف کیا اور اس کے ساتھ ہی یہ حکم دے دیا کہ اسیرانِ جنگ کو یا تو احساناً چھوڑ دیا جائے یا فدیہ (معاوضہ) لے کر آزاد کر دیا جائے- ان قیدیوں کو نہ تو غلام بنانے کا حکم تھا اور نہ قتل

---

[1] محمد (صلعم) نے عبد الرحمٰن بن عوف کو یہ ہدایت کی تھی:-
"تم کسی حالت میں بھی دھوکے یا فریب اور بدعہدی سے کام نہ لینا- اور نہ کسی بچّے کو قتل کرنا"-
"(میور جلد چہارم صفحہ ۱۱ ابن ہشام صفحہ ۹۹۲)-

کرنے کا۔ (دیکھو سورۂ محمد ۴۷-۴۔ آیات ۴-۵۔ اور اصل کتاب کا ضمیمہ ب) ابتدا الجنگ کی ممانعت قرآن مجید نے کی ہے (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۶۔ "لا تعتدوا" یعنی "ابتداءً جنگ نہ کرو"۔) آنحضرتؐ نے مسلمانوں سے قسم لے لی تھی کہ لوٹ مار نہ کریں۔ (دیکھو اصل کتاب کا فقرہ ۴۲)۔

"قرب و جوار کے جو قبائل مسلمان ہو گئے تھے اُن کو آپ نے باہمی جنگ و جدل اور تاخت و
"تاراج سے ممانعت کی تھی۔ اور خلاف ورزی کی سزا موت تجویز کی گئی تھی۔ اور یہ حکم اُن قبیلوں
"کے لئے تھا۔ جو اب تک لڑائی یا لُوٹ مار پر گُزارہ کرتے تھے۔ اور جن کی نسبت آپ کو علم تھا
"کہ وہ ایسی ممانعت کی وجہ سے داخل اسلام ہونے سے باز رہیں گے۔ ایک قبیلہ نے جو بالکل تو
"نہیں مگر قریب قریب مائل بقبول اسلام تھا، یہ کہا تھا۔ آؤ بنی تمیم پر ایک اَور حملہ کرلیں پھر
"مسلمان ہو جائیں گے"۔[۱]

"آنحضرت[۲]ؐ نے فرمایا ہے کہ "مجھ پر جو ظلم و ستم ہوئے ہیں اُن کا انتقام لیتے وقت خانہ نشین،
"عباد، و رہبان کو جو کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتے، نہ ستانا۔ ضعیف الخلقت عورتوں کی کمزوری پر
"رحم کھانا۔ ان کی اور ان کے شیر خوار بچّوں کی۔ اور ان لوگوں کی جو اس دار فانی سے عنقریب
"کُوچ کرنے والے ہیں جانیں بچانا۔ جو باشندے تم سے مزاحمت یا تعرّض نہ کریں۔ اُن
"کے مکانوں کو مسمار نہ کرنا۔ اُن کے وسیلۂ معاش (رسد وغیرہ) کو ضائع نہ کرنا۔ ان کے
"ثمر دار درختوں کا لحاظ رکھنا۔ اور کھجور کے درخت کو ہاتھ نہ لگانا۔ جو اہل عرب کے لئے بسبب
"اپنے سائے کے نہایت مفید اور بسبب اپنی سرسبزی کے پُر لطف ہے"+

---

[۱] یہ مضمون ڈاکٹر کازینو نے رسالہ "کرسچن ریمیمبر نسر" بابت جنوری ۱۸۵۵ء صفحہ ۱۷ بمد کاسن ڈی پرسیول سے نقل کیا ہے۔ نیز دیکھو کتاب محمد و دین محمدی از آر باسورتھ سمتھ۔ طبع دوم صفحہ ۲۵۷ و ۲۵۸ لندن ۱۸۷۶ء ابن اثیر جلد اصفحہ ۴۹۰۔ علامہ ابن اثیر نے اس جنگ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ یہ واقعہ عربی تاریخوں میں یوم الشیطین کے نام سے موسوم ہے۔

[۲] "تاریخ دین محمدی مع سوانح عمری و سیرت پیغمبر عرب" از چارلس ملز صفحہ ۷۲ مطبوعہ لندن ۱۸۱۸ء۔

سر ولیم میور لکھتے ہیں :-

" اس اثناء میں بنی بکر نے پیغمبر (صلعم) کے طریقۂ عمل سے اس امر کی پیش بینی کر کے کہ اس نئے
" دین کے قبول کر لینے کے بعد ہماری باہمی عداوتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ بات دل میں ٹھان
" لی کہ اپنے دشمنوں پر ہتھیار لے کر ایک آخری چڑھائی اَور کی جائے۔ جنگ شیبان جون ۶۳۰ء
" کے آخر میں واقع ہوئی۔ بنی تمیم کے حق میں نہایت سخت اور خوں ریز تھی"۔[۱]

آنحضرت کی جنگوں کی بابت ایک اور خیال۔

۱۶- آنحضرتؐ کی جنگوں کی بابت بعض مؤرخین یورپ و امریکہ کا ایک اَور خیال بھی ہے۔ وہ یہ کہ قریش کے جو قافلے مدینہ کے پاس سے گزرتے تھے ان سے انتقام لینے کی غرض سے آپ نے لڑائیاں شروع کر دی تھیں[۲]۔ اور اول اول تو آپ نے بغرض مدافعت ہتھیار اٹھائے تھے۔ مگر آخر کار قریش کے برخلاف ابتدا بجنگ کا اعلان کر دیا۔ اور اُن سے اس قسم کی جنگیں کیں[۳]۔

---

[۱] سیرت محمدی جلد اول دیباچہ صفحہ ۲۲۷- مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء- نیز ملاحظہ ہو تاریخ ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۴۹ مطبوعہ یورپ۔

[۲] قریش کی سخت نفرت اور شدید عداوت کے حالات جو روایتوں میں درج ہیں۔ اُن کی بابت سر ولیم میور کو شک ہے وہ لکھتے ہیں کہ :-

"اس خیال کے موافق واقعہ یہ ہے کہ ہجرت کے بعد ابتدائی حملے صرف محمد (صلعم) اور آپ کے
" متبعین کی طرف سے ہوئے تھے جب مسلمان اہل مکہ کے متعدد قافلوں کو لُوٹ مار کر خونریزی
" کر چکے تھے تب کہیں مجبور ہو کر اُنہوں نے اپنی مدافعت کے لئے ہتھیار اُٹھائے تھے"۔ (سیرت
" محمدی جلد دوم صفحہ ۲۶۵ کا فٹ نوٹ- مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء)۔

یہ نوٹ ۱۸۷۷ء کے نئے اڈیشن سے نکال ڈالا گیا ہے۔ سر ولیم میور اپنی کتاب موسوم بہ "قرآن" مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ء کے صفحہ ۲۴ پر لکھتے ہیں :-

" مکہ کے قافلے (مسلمانوں کے لئے) انتقام کا ایک دل بھانے والا موقع پیش کرتے تھے۔ اور اُن
" کے برخلاف متعدد مہمیں مرتب کی گئی تھیں"۔

[۳] مسٹر جارج سیل لکھتے ہیں :-

" آنحضرت نے اعلان کر دیا کہ خدا نے مجھے اور میرے تابعین کو کفار کے مقابلہ میں اپنی (دیکھو صفحہ ۳۱)

میں یہ بات پہلے ثابت کرچکا ہوں کہ جو حالات اُس وقت مدینہ میں درپیش تھے۔ اُن کا لحاظ کرکے آنحضرت ؐ کی طرف سے جنگ کی ابتدا ہونا بالکل قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ اور یہ طریق عمل اُن آیات کے بالکل برخلاف ہے جو اس مضمون کے متعلق قران مجید میں موجود ہیں۔ اُن سب آیتوں میں جنگ دفاعی کی تاکید ہے۔ **اگر بالفرض** ہجرت کے بعد جنگوں کی ابتدا آنحضرت ؐ ہی کی طرف سے ہوئی تو بھی اس وجہ سے کہ مسلمانوں کے مکّہ سے نکالے جانے پر جنگ چھڑ چکی تھی۔ آنحضرت ؐ کو **قانوناً** حق حاصل تھا کہ مسلمانوں پر جو جو ظلم ہوئے تھے اُن کی چارہ جوئی کرنے اور اُن کے جائز حقوق کو بزور اسلحہ قائم کرنے کے لئے ہتھیار اُٹھائیں۔ جو لڑائی ان وجوہ سے شروع

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰) "جان بچانے کی اجازت دی ہے۔ اور آخر کار جب آپ کی قوت اور جمیعت بڑھ گئی تو آپ نے "یہ دعوے کیا کہ اُن پر حملہ کرنے کے لئے بھی خدا کی طرف سے مجھے اجازت مل گئی ہے"۔ (دیکھو بریلیزی "ڈسکورس (ابتدائی بیان) **فصل ۱۱**)

مسٹر ہنری کوپی آنحضرت ؐ کی نسبت لکھتے ہیں :۔

"مگر آپ کو جلد معلوم ہوگیا کہ مجھ کو مدافعت کے لئے ہتھیار ضرور اُٹھانے چاہئیں اور اپنی نبوّت "کے تیرھویں ۱۳ سال آپ نے اس امر کا اظہار کیا کہ خدا نے مجھ کو نہ صرف بغرض مدافعت جنگ کرنے "کی اجازت دی ہے۔ بلکہ اپنا دین بزور شمشیر پھیلانے کی بھی اجازت دی ہے"۔ (دیکھو اہل عرب "کی فتح سپین کی تاریخ از ہنری کوپی جلد اول صفحہ ۳۹۔ مطبوعہ باسٹن ۱۸۸۱ء)۔

مگر ڈاکٹر اسے سپرنگر آنحضرت ؐ کی جنگوں کا مقصد محض دفاعی قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"اب پیغمبر (صلعم) نے فتنہ (فساد و ایذا) کے دفع کرنے کے لئے اپنے دشمنوں سے جنگ "کرنے کا قانون، خدا کے نام سے شائع کیا اور اس وقت سے یہ قاعدہ آپ کے (نعوذباللہ) "خونی مذہب کا نعرۂ جنگ ہوگیا"۔

(تاریخ محمدی صفحہ ۲۰۷۔ مطبوعہ الہ آباد ۱۸۵۱ء)۔

کی جائے وہ جنگ دفاعی ہے۔ اگرچہ بلحاظ اصطلاح جنگ کے اُس کو "حملہ کی لڑائی سے تعبیر کرسکتے ہوں"[۱]۔

کینٹ، جس کی رائے "قانون بین الاقوام" کے متعلق بڑی مستند سمجھی جاتی ہے یہ لکھتا ہے :-

"حفاظت خود اختیاری کا حق ہمارے قانون فطرت کا ایک جزو ہے۔ اور ملکی جماعت کا یہ فرض "لازمی ہے کہ اپنے لوگوں کی حفاظت کرے تاکہ وہ شخصی اور ملکی دو نو قسم کے حقوق سے متمتع ہو "سکیں . . . . "نقصان" صرف یہی نہیں ہے کہ شخصی یا ملکی حقوق میں براہِ راست مداخلت "کی جائے۔ بلکہ کسی کو حقِ واجب سے ظلماً محروم رکھنا۔ یا جو نقصانات پہنچائے گئے ہیں اُن کی "معقول تلافی سے انکار کر دینا۔ یا کسی عام اعلان اور پیش آنے والے خطرہ کی بابت کافی جواب "دہی کرنے یا اطمینان کرا دینے سے پہلوتہی کرنا۔ یہ سب باتیں بھی "نقصان" کے مفہوم میں "داخل ہیں"[۲]۔

۱۷۔ رہا قافلوں پر حملہ کرنے کی دھمکی دینا یا اُن کو گرفتار کرنا۔ سو اس کے ثبوت کی کوئی اطمینان بخش وجوہ نہیں ہیں۔ لیکن اگر اُن پر حملہ کیا گیا اور وہ گرفتار بھی کیے گئے۔ تاہم میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا۔ کہ اس کارروائی پر اعتراض کیا جائے۔ جب لڑائیاں شروع ہوتی ہیں تو سب سے پہلے جن چیزوں کا کھوج لگانا اور جن پر قبضہ کرنا قدرتی طور پر پیش نظر ہوتا ہے۔ وہ دشمن کی جان و مال ہی ہے۔ مہذب ترین ممالک کے "قانون بین الاقوام" کی رُو سے بھی دُشمن کے مال پر قبضہ کر لینے کا حق اس وقت حاصل ہو جاتا ہے جب کہ حالت جنگ کا

اگر قافلے لُوٹے بھی گئے تو بطور انتقام کے لُوٹے گئے۔

[۱] ایم۔ بلنٹ شلی جو "قانون بین الاقوام" کے معاملہ میں زمانہ حال کے مستند اہل الرائے میں سے ہیں۔ اُن کی رائے یہ ہے:- جو لڑائی دفاعی اغراض سے کی جائے وہ جنگ دفاعی ہے گو بلحاظ فن جنگ کے اس کو حملہ ہی کہیں"۔ (قانون بین الاقوام از ولیم ایڈورڈ ہال ایم۔ اے مطبوعہ اکسفورڈ ۱۸۸۰ء صفحہ ۳۲۰)۔

[۲] "شرح قانون بین الاقوام"، مصنفہ کینٹ مرتبہ جے۔ ٹی۔ ابڈی۔ ایل ایل ڈی۔ طبع دوم صفحہ ۱۴۴۔

آغاز ہو جاتا ہے۔ قدیم زمانہ میں جب ایک قوم یا ایک سلطنت برسر جنگ ہوتی تھی۔ تو جنگ کے پُرانے دستور کے موجب اس کو حق حاصل ہوتا تھا کہ تمام مال و اسباب پر جو دشمن کی یا اُس کی رعیّت کی ملکیت ہو، قبضہ کر لے خواہ وہ کسی قسم کا ہو، اور کسی مقام پر ہو۔ بشرطیکہ وہاں قوانین جنگ نافذ ہوں۔ پس جو لوگ قدیم مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اُنھوں نے اپنے دُشمنوں کو قتل و غارت کی دھمکی دی یا اُن کو گرفتار کیا۔ یا اُن کا مال و اسباب لُوٹا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ اور اس کام کو **رہزنی، غارتگری یا چوری** کے نام سے موسوم کرتے ہیں ایسے لوگ قدیم یا جدید "قانون بین الاقوام" سے اپنی پُوری پوری ناواقفیت اور جہالت ظاہر کرتے ہیں ؂

۱۸۔ منکرین اسلام کو اسلام لانے پر مجبور کرنے کا جو الزام آنحضرت ؐ پر لگایا جاتا ہے۔ اُس پر اصل کتاب (تحقیق الجہاد) کے فقرات ۳۴ لغایت ۳۹ میں پوری پوری بحث کی گئی ہے۔ مؤرخین یورپ کا یہ ایک **غلط دعویٰ** ہے کہ قرآن مجید غیر مسلموں کو جبراً مسلمان بنانے کی تاکید کرتا ہے۔ اور یہ کہ آنحضرت ؐ نے لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا۔

> جبر و اکراہ۔ جبراً مسلمان بنانے کا حکم نہیں دیا گیا اور نہ آنحضرت ؐ کے زمانۂ حیات میں کسی کو زبردستی مسلمان بنایا گیا۔

سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ :۔

> سر ولیم کی رائے اور اس کا ابطال۔

"مشرکین کی ایذا رسانی، گو بعض اوقات بُزدل مسلمانوں کو شریک جنگ "ہونے سے مانع ہوئی ہو۔ مگر آخر کار محمد (صلعم) کے لئے بلاشک مفید "ثابت ہوئی یہ طریق عمل۔ ٹالریشن (رواداری) کا لباس اُتار پھینکنے۔ خدا کی راہ میں سد راہ بننے "والوں کی قوت کا قوت سے مقابلہ کرنے ۔ اور بالآخر کفّار کو جبراً مسلمان بنانے کے لئے بظاہر ایک "معقول حیلہ تھا"؂[1]

[1] سیرت محمدی از سر ولیم میور ایل ایل ڈی طبع جدید صفحہ ۲۰۰ مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء۔ اسی کتاب کا صفحہ ۲۰۵ بھی دیکھو۔

قوت کا قوت سے مقابلہ کرنا، نیز ظلموں کی چارہ جوئی کرنا۔ اور اپنے خطرہ میں پڑے ہوئے حقوق کو دوبارہ قائم کرنا ظلم و تعدّی نہیں۔ اور نہ ٹالریشن (رواداری) کے خلاف ہے۔ بے شک آنحضرت صلعم نے اپنے دشمنوں کی قوت کو اُس وقت دفع کیا جب کہ مسلمانوں کی حفاظت اور اُن کی جان بچانے کے لئے اس بات کی سخت ضرورت تھی۔ مگر منکروں یا اپنے دشمنوں کو۔ خواہ کسی ایک شخص کو، خواہ ایک جماعت کو، خواہ کل قبیلے کو اسلام لانے کے لئے کبھی آپ نے مجبور نہیں کیا **قرآن مجید اور تواریخ** اس الزام کو رد کرتے ہیں۔ قرآن مجید ہر جگہ مکّی سورتوں میں اور مدنی سورتوں میں بھی۔ ہر ایک مذہب کی کامل آزادی اور صلح و آشتی کا وعظ بیان کرتا ہے۔

تاریخ میں معتبر ذرائع سے کہیں ایسی مثال درج نہیں ہے جس میں آنحضرت صلعم کے کسی شخص کو بزور شمشیر جبراً مسلمان بنانے کا ذکر ہو ✦

مکہ میں اشاعت اسلام کا ایک مختصر سا خاکہ۔

۱۹۔ آنحضرت صلعم نے مکّہ اور مدینہ میں دونو جگہ، ہجرت کے قبل اور ہجرت کے بعد بھی ترغیب و تحریص اور وعظ و نصیحت سے اپنا دین پھیلایا۔ جس کی تائید معقول اور معتبر شہادت سے ہوتی ہے ✦

قریش و یہود کی پوری مخالفت اور ایذا رسانی کے مقابلہ میں یہ دین غالب آیا۔ درحقیقت سخت اذیتوں اور کچل ڈالنے والی مخالفتوں کے درمیان یہ دین محض اپنی راستی کی قوت سے سرسبز اور کامیاب ہوا[۱] ✦

---

[۱] میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی مذہب کا ظلم و اذیت کی حالت میں سرسبز ہونا اس کے الٰہی الاصل ہونے کا قطعی ثبوت ہے۔ اور یہی بات ہے کہ جو مذہب جبراً قائم کیا جائے وہ سرتاسر انسانی ایجاد ہی ہو۔ تقریباً تمام مذاہب الٰہی مذاہب ہیں، خواہ وہ کسی طرح قائم ہوئے ہوں۔ مگر مخالفت اور اذیت کی حالت میں مذہب کا سرسبز ہونا ایک قدرتی طریقہ ہے۔ مذہب عیسوی نے اذیتیں اور دیگر سخت مصیبتیں تین سَو برس تک برداشت کیں۔ اس کے بعد یہ مذہب قائم ہوا اور حکومت کے زور سے بُت پرستی موقوف کی گئی۔ اور یہی حکومت اس وقت سے اب تک ایک مذہب (عیسویت) کی اشاعت اور دوسرے مذہب (بُت پرستی) کے استیصال میں بڑا اثر رکھتی ہے ✦

بعض اوقات قریش کا ظلم وستم ہی قبول اسلام کا باعث ہوجاتا تھا[۱]۔ آنحضرتؐ کی
بعثت کے تین سال بعد تک اسلام لانے والوں کی تعداد کا تخمینہ پچاس تک کیا گیا ہے
اس وقت سے عام ایذا رسانی اور کچل ڈالنے والی مخالفت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔
آنحضرتؐ نے اپنی کوششوں کو بلا مزاحمت اور امن و امان سے جاری رکھنے کے
خیال سے ارقم کے گھر میں جو آپ کے سابق الاسلام اصحاب میں سے تھے قیام فرمایا۔
اور جو لوگ آپ کی خدمت میں پیش کئے جاتے تھے آپ اُن کو اُسی جگہ وعظ و تلقین
فرماتے اور قرآن مجید سُناتے تھے۔ ایک بہت بڑی جماعت نے وہیں اسلام قبول
کیا۔ مگر قریش کی آتش حسد و عناد کے شعلے ان غلاموں اور غریب الوطن لوگوں پر پڑے
جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ اور اُن کم حیثیت مسلمانوں پر بھی جن کا کوئی مربّی و محافظ
نہ تھا۔ بعض مسلمان، جن کی تعداد سولہ[۱۶] تھی۔ پہلے ہی ملکِ ابی سینا کی طرف ہجرت
کر چکے تھے۔ بعض نے واپس آکر یہ خبر دی کہ وہاں مہاجرین کی خاطر و مدارات خوب ہوئی
ہے۔ اور اُن کے ساتھ مہربانی کا سلوک ہوا ہے۔ اس وقت تقریباً ننوا مسلمان ترک
وطن کرکے ابی سینا کو چلے گئے[۲]۔ اس سے اسلام لانے والوں کی روز افزوں تعداد
ظاہر ہوتی ہے جن میں زیادہ تر مہاجرین مکّہ تھے۔ ابی سینا (حبشہ) میں بھی بعض
عیسائیوں نے اسلام قبول کیا تھا[۳]۔ وہاں مہاجرین کی مہمانداری اور خاطر و مدارات کا

---

[۱] "قریش کی سختی اور بے انصافی جب حد سے گزر گئی تو اُس نے لوگوں میں شخصی اور خاندانی ہمدردی کے خیال کو بیدار کر دیا
مُنکر بھی پیغمبر (صلعم) کے اصحاب کی تکالیف کے دفع کرنے یا کم کرنے کے درپے ہو گئے۔ اور ایسا کرنے میں کبھی کبھی
وہ خود بھی آنحضرتؐ کی طرف کھنچ آتے تھے"۔ (سیرت محمدی از سر ولیم میور طبع دوم صفحہ ۶۸)۔
[۲] ان مہاجرین میں قریش کے مندرجہ ذیل قبیلوں کے قائم مقام شریک تھے:۔ بنی ہاشم[۱]، بنی اُمیہ[۲] بنی عبد الشمس[۳]
بنی اسد[۴]۔ بنی عبد بن قصّی[۵]۔ بنی عبد الدار[۶]۔ بنی زہرہ[۷]۔ بنی تمیم بن مرہ[۸]۔ بنی مخزوم[۹]۔ اور بنی سہم[۱۰] (دیکھو سپرنگر صفحہ ۱۹۰۔
طبع الہ آباد ۱۸۵۱ء) ان تمام واقعات کو ابن ہشام نے بھی صفحہ ۲۰۸ میں لکھا ہے۔ طبع یورپ سنہ ۱۸۶۰ء۔
[۳] دیکھو ہشامی صفحہ ۲۵۹ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۰ء۔ ان اسلام لانے والے عیسائیوں کی طرف قرآن مجید (المائدہ۔ ۵۔ آیات ۸۵
و ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸) میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اگر ان آیات کا تعلق نصارائے نجران سے نہ ہو۔ اگرچہ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۶)

حال معلوم کر کے قریش بے چین ہو گئے۔ اور جب نجاشی نے مسلمانوں کو اُن کے حوالے کرنے سے انکار کیا تو نہایت غضبناک ہو کر اس امر کے درپے ہوئے کہ پیغمبر (صلعم) کی جماعت سے باہمی معاشرت اور دوستانہ تعلقات کو بالکل قطع کر دیا جائے[1] تاکہ قریش کی جماعت سے ٹوٹ ٹوٹ کر لوگوں کے داخل اسلام ہونے کا سلسلہ بند ہو جائے۔ آنحضرت ص کی رسالت کے ساتویں سال اس امر کا عام اعلان ہو گیا اور کامل تین سال تک قائم رہا۔ اس تکلیف کی تنہائی کے زمانہ میں بہت ہی کم لوگ داخل اسلام ہو سکتے تھے اس عرصہ میں آنحضرت ص کی کوششیں زیادہ تر اپنے ہی شریف قبیلے یعنی بنی ہاشم کو مسلمان بنانے تک محدود تھیں۔ یہ لوگ گو آنحضرت ص کی رسالت کے منکر تھے تاہم اُنہوں نے آپ کی جان بچانے کا عزم مصمم کر لیا تھا۔ اور اس قید میں وہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ صرف حج کے زمانہ میں آنحضرت ص کو تبلیغ اسلام کے لئے وسیع میدان ہاتھ آجاتا تھا۔ آپ حجاج کے میلوں اور مجمعوں میں بُت پرستی کے خلاف وعظ فرمایا کرتے تھے[2]۔ رسالت کے دسویں سال قید سے رہائی پانے کے بعد آپ وعظ و نصیحت کے لئے طائف تشریف لے گئے مگر بے وقعتی اور بے آبروئی کے ساتھ شہر سے نکالے گئے[3]۔ مکہ کو واپس آنے

(بقیہ نوٹ ۳۵) اس مقام پر علامہ مرحوم نے صرف سورۃ المائدہ کی چار آیات کا حوالہ دیا ہے مگر کتب تفسیر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے ایمان لانے کے متعلق قرآن مجید میں کی چند اور سورتوں میں بھی اس مضمون پر اشارہ ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو آل عمران ۳۔ آیت ۱۹۸۔ تفسیر بیضاوی جلد اول صفحہ ۱۹۲۔ الرعد ۱۳۔ آیت ۳۶۔ تفسیر بیضاوی جلد اول صفحہ ۴۸۲۔ القصص ۲۸ آیت ۵۲ تفسیر بیضاوی جلد دوم صفحہ ۸۵ مطبوعہ یورپ۔ المائدہ ۵۔ آیت ۸۵ تا ۸۸۔ ملاحظہ ہو بیضاوی جلد اول صفحہ ۲۷۰ مطبوعہ یورپ۔

[1] دیکھو ابن ہشام صفحہ ۲۳۰ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۰ء۔

[2] آنحضرت صلعم نے قبائل ذیل کے درمیان وعظ فرمایا تھا:۔ بنی عامر بن صعصعہ، بنی محارب، بنی حفصہ، بنی فزارہ، بنی غسان۔ بنی کلب، بنی حارث۔ بنی کعب۔ بنی عذرہ۔ بنی مرہ، بنی حنیفہ، بنی سلیم، بنی عبس، بنی نضر، بنی بکا بنی کندہ اور بنی خزیمہ۔

[3] "محمد (صلعم) کے اس طائف کے سفر میں ایک نہایت اعلیٰ اور جوانمردانہ حالت پائی جاتی ہے۔ ایک یکہ و تنہا شخص جس کو اس قوم کے لوگوں نے بالکل چھوڑ دیا تھا اور نظر حقارت سے دیکھتے تھے۔ خدا کے نام پر دلیرانہ آگے بڑھا۔ جس طرح یونس ع نینوا کو گئے تھے۔ اور اس نے ایک بُت پرست شہر کو توبہ کرنے اور اپنی رسالت کی تائید کرنے کے لئے مدعو کیا۔ اس سے ایک تو بی روشنی اس امر پر پڑتی ہے کہ آپ کو اپنے کام کے من اللہ ہونے کا کس شدت کے ساتھ یقین تھا" (سیرت محمدی از سر ولیم میور صاحب جلد ۲ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۶۹۔ ابن ہشام ۲۷۹ عیون الاثر نسخہ قلمی نایاب در کتب خانہ آصفیہ۔

کے بعد آپ نے بمقام نخلہ قبیلہ جن[1] کی ایک جماعت کو مشرف باسلام کیا (عام خیال کے موافق جنات کو نہیں[2])۔ طائف سے واپس آنے کے بعد آپ نے مدینہ کے چھ سات آدمیوں کے سامنے (جو مکہ میں آئے ہوئے تھے) وعظ فرمایا۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور مدینہ میں پہنچ کر اس کی اشاعت کی +

ا؎ عربوں میں بھی اس قسم کی ایک قوم تھی جس کو بنی شیطان کہتے تھے۔ وہ قبیلہ حنظلہ سے تھے اور زید مناة کے ذریعہ سے جو معد کی نسل سے تھا تمیم کی اولاد سے تھے۔ بنی شیطان (شیطان کی اولاد) کوفہ کے قریب رہتے تھے۔ (دیکھو "قلقشندی کی قبائل عرب کی ڈکشنری")۔ ابن الفقیہ ہمدانی کے جغرافیہ سے بھی اس قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ اصل عبارت حسب ذیل ہے:- وبها (کوفہ) محلة بنی شیطان منسوبة الی سماک بن شیطان بن زہیر بن زید مناة بن تمیم۔ (ابن الفقیہ ہمدانی کا جغرافیہ صفحہ ۱۸۳ مطبوعہ یورپ ۱۸۸۵ء) بالکوفة محلّة بنی شیطان (بلاذری صفحہ ۲۸۴ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۶ء) (الاصابہ جلد اول صفحہ ۵۸۷ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۶ء) سیرۃ محمدیہ مولوی کرامت علی دہلوی صفحہ ۱۱۴ تا ۱۱۶ مطبوعہ بمبئی۔ طبقات الشعرا ابن قتیبہ صفحہ ۴۸۳ طبع یورپ) (زرقانی جلد اول صفحہ ۳۶۲۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۷ +

۲؎ دیکھو سورۂ (احقاف ۴۶) آیات ۲۸ و ۲۹۔ یہ لوگ نینوا اور نصیبین کے باشندے تھے جو عراق عرب میں واقع ہیں۔ وہ کلدانی، فال گو اور یہودی روایات کے عالم تھے۔ دانیال ؑ کی کتاب میں کلدانیوں کو جادوگروں اور ہیئت دانوں میں شمار کیا گیا ہے۔ اور وہ بظاہر ایک قسم کے پروہت (پیشوائے دین) ہیں۔ جو خاص "زبان" اور خاص "علم" رکھتے ہیں (دانیال باب ۱ درس ۴) عربی میں اس قسم کے پیشہ والوں کو کاہن کہتے تھے۔ اس جماعت کے لوگوں میں سے بعض لوگ اس امر کا دعوے کرتے تھے کہ ان کو شیاطین یا جنّات کے ذریعہ سے آئندہ پیش آنے والے واقعات کی اطلاع مل جاتی ہے۔ اور یہ کہتے تھے کہ وہ شیاطین یا جنّات ان باتوں کو جو آسمانوں میں پیش آتی ہیں، سن لیتے ہیں بعض کا یہ دعوے تھا کہ ہم تسخیرِ کواکب کے عمل سے ستاروں کو اپنے قابو میں کر لیتے ہیں۔ اُن کو یہاں تک دعوے تھا کہ ہم اپنے عمل تسخیر کی بدولت کسوف وخسوف پیدا کر سکتے ہیں وہ نجوم (جوتش) نیز علم ہیئت اور فال گوئی سے بھی کام لیتے تھے +

معلوم ہوتا ہے کہ کلدانی (کلدی یا کالدی) نہایت ہی قدیم زمانہ میں کوش (بن حام بن نوح) کی نسل سے متعدّد قبائل میں سے صرف ایک قبیلہ کا نام تھا۔ جو اس بڑے میدان میں جو بعد از آں کلدیا یا بابل (ملاحظہ ہو ص ۳۸)

۲۰- اگلے سال اُن لوگوں میں سے جو پیغمبر (صلعم) سے ملنے کے لئے مدینہ سے

مدینہ میں سرعت کے ساتھ — مکّہ آئے تھے۔ اور بارہ آدمی مسلمان ہوئے جو داعیانِ اسلام

اسلام کا پھیلنا — کی حیثیت سے مدینہ واپس گئے۔ اور اسلام خانہ بخانہ اور

قبیلہ بقبیلہ سرعت کے ساتھ پھیل گیا۔ یہودی، ان لوگوں کے دلوں میں شرک کی

بُرائیوں کا اعتقاد بٹھانے اور نفرت انگیز بُت پرستی سے ان کو ہٹانے کے لئے پشت ہا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۷)۔ کے نام سے مشہور ہوا۔ رہتے تھے۔ اور یہ میدان دریا کی ریت مٹی وغیرہ کے جم جانے سے تیار ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ جب کلدانیوں کی قوت بڑھ گئی توان کا نام دیگر قبائل کے نام پر جو اس ملک میں آباد تھے غالب آگیا اور "قید یہود" کے زمانہ کے قریب یہ نام عام طور پر بابل کے تمام باشندوں کے لئے استعمال ہونے لگا۔ اس زمانہ میں اس لفظ کے دو معنے ہو گئے تھے۔ اور دونوں میں نسل کا مفہوم شامل تھا۔ ایک مفہوم کی رُو سے یہ ایک خاص نسل کا مخصوص لقب تھا۔ جس سے اُس لقب کا تعلق نہایت بعید زمانہ سے تھا۔ دوسرے مفہوم کے اعتبار سے اس کا اطلاق بالعموم اس قوم پر ہوتا تھا۔ جس میں نسل کا لحاظ غالب تھا۔ بعد ازاں نسل کے مفہوم سے تبدیل ہو کر اس کا مفہوم بالکل محدود ہو گیا۔ یعنے بجائے ایک قوم کے پروہتوں (دینی پیشواؤں) کی ایک جماعت یا فلاسفہ کے ایک فرقہ کا نام قرار پایا۔ خاص کلدانی کوشی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ اسیریا اور بابل دونو مقاموں میں سُریانی قسم کی زبان خاص اغراض کے لئے رائج تھی اور قدیم کوشی بولی، علمی اور مذہبی لٹریچر (ادبیات) کے لئے خالص طور پر محفوظ کی گئی تھی۔ یہ یقیناً وہی "علم" اور وہی "زبان" ہے جس کا حوالہ بائیبل (دانیال باب ۱ درس ۴) میں دیا گیا ہے۔ ان لوگوں کا بڑا گروہ جو بالخصوص باشندگان اسیریا کے اثر سے نقل مکان کر کے چلا گیا تھا اس کی رسائی رفتہ رفتہ اس "علم" اور اس "زبان" تک نہ رہی مگر یہ کلدانی علم قدیم کلدانی یا کوشی زبان میں تھا۔ لہذا جو لوگ اس کا مطالعہ کرتے تھے ان کو اس علم کی وجہ سے کلدانی کہتے تھے۔ خواہ اُن کی اصل اور نسل کچھ ہی ہو۔ اس معنی میں خود حضرت دانیال ؑ (پیغمبر) "کلدانیوں کے سردار" تھے (دانیال باب ۵ درس ۱۱) اور بے شک آپ کا بھی ان ہی میں شمار ہوتا تھا اور اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ سیلیوکس جو یونانی تھا اسٹرابو (ایک یونانی جغرافیہ نویس) نے کلدانی لکھا ہے۔ (دیکھو مصنف مذکور کی کتاب ۱۶-۱-فقرہ ۶) کلدانی دراصل علما کی ایک جماعت تھی۔ اور علمی زبان میں ماہر ہونے کی وجہ سے وہی اس کے خازن ہو گئے تھے۔ وہ پروہت (پیشوائے دین) ساحر یا منجم (ہیئت دان) ہوتے تھے۔ یعنی ان پیشواؤں میں سے جس پیشہ کو قابل ترجیح سمجھتے تھے اسی کو اختیار کر لیتے تھے (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۹)

پشت سے بے فائدہ کوشش کر رہے تھے، اُن کو یہ دیکھ کر حیرت ہوگئی کہ ان لوگوں نے خود بخود اپنی مرضی سے یکایک بتوں کو اُٹھا کر پھینک دیا اور ایک خدا ئے برحق کا اعتقاد رکھنے لگے[۱] (یہ حاشیہ صفحہ ۴۳ میں ہے) اس طرح کسی مزاحمت، رکاوٹ، جبر یا زبردستی کے بغیر مدینہ میں سرعت کے ساتھ اسلام کی جڑھ مضبوط ہوگئی۔ اور شجر اسلام نے کامل اور پختہ نشو و نما حاصل کرلیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور ان تینوں پیشوں میں سے آخری پیشہ ہیئت میں غالباً بڑی ضروری تحقیقات کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کلدانی ایسی جماعتوں میں مجتمع ہوتے تھے جن کو ہم شاید یونیورسٹی (بیت العلوم) کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور وہ سب اپنی ترقی کے لئے اس میں مشغول رہتے تھے۔ وہ غالباً قدیم ترین زمانہ میں بھی اپنے علم ہیئت کے ساتھ کسی قدر نجوم (جوتش) شامل کر دیتے تھے۔ مگر در حقیقت انہوں نے علم ہیئت میں بڑی ترقی کی تھی۔ جس کی طرف ان کا صاف آسمان اور شفاف کُرّہ ہوائی خاص طور پر اُن کو شوق دلاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے زمانہ میں وہ نرے فال گویا جوتشی ہی رہ گئے تھے۔ (دیکھو سمتھ صاحب کی بائیبل کی ڈکشنری مضمون کلدانی)

تسخیر کواکب کے عمل اور آسمانی باتوں کے سُن پانے کا دعوےٰ کرنے میں یہ لوگ جن کو جن کہتے تھے۔ اُونچے اُونچے مکانوں کی چوٹیوں پر رات کو گھنٹوں بیٹھ کر کواکب کے لئے قربانیاں پیش کرتے اور ان کو تسخیر کیا کرتے تھے۔ اپنی خاص زبان میں اور اپنے علم کی خاص اصطلاح میں وہ اس عمل کو "استراق السمع" (آواز کا چُرانا) اور سماعت کے لئے بیٹھنا کہتے تھے۔ (سورۂ الحجر ۱۵۔ آیت ۱۸۔ اور سورہ جن ۷۲۔ آیت ۸ و ۹)

کثرت سے شہاب ثاقب (ٹوٹنے والے ستارے) نمودار ہوتے تھے جن کی بابت معلوم ہے کہ بعض اوقات خاص کر کثرت سے گرتے ہیں۔ اسی زمانہ میں آسمانوں کے مختلف حصوں میں بہت سے دُمدار ستارے نمودار ہوئے جن کی وجہ سے ان جنوں یعنے منجموں اور کاہنوں کو یقیناً خوف معلوم ہوا ہوگا۔ ایک دُمدار ستارہ سنہ ۶۰۲ء میں اور دو اور ستارے سنہ ۶۰۵ء میں نظر آئے۔ سنہ ۶۰۷ء میں دو اور ستارے دکھائی دئے۔ ایک اور ستارہ سنہ ۶۰۸ء میں ظاہر ہوا۔ سنہ ۶۱۴ء میں اور سنہ ۶۱۵ء میں ہر سال ایک ایک دُمدار ستارہ نکلا۔ سنہ ۶۱۷ء میں بھی دُمدار ستارے دکھائی دئے (دیکھو چیمبرز کی کتاب ہیئت) (دیکھو صفحہ ۴۰)

[۱] بیضاوی جلد اول صفحہ ۹۴۴۔ جلد ۲ صفحہ ۱۱ و ۳۱۰۔ ابن ہشام مطبوعہ یورپ کے صفحہ ۴۲ و ۴۳ کے نوٹ کو ملاحظہ کرو جس میں استراق السمع پر پوری بحث کی گئی ہے۔

مدینہ کے قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے درمیان ایک بھی ایسا گھر باقی نہ رہا جس میں مسلمان مرد اور عورتیں موجود نہ ہوں۔ سوائے ایک شاخ قبیلہ "اوس اللہ" کے جو محاصرۂ مدینہ کے بعد تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت مکہ، مدینہ اور ابی سینیا میں بہت سے مسلمان تھے۔ اور اُن میں سے کسی ایک کی نسبت بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اسی زمانہ کی کتاب (یعنے قرآن مجید) میں اغلباً انہی ستاروں کا ذکر ہے۔ سورہ طارق ۸۶۔ آیت ۱ میں دُمدار ستارے کو طارق یعنے "رات کا آنے والا" کہا گیا ہے اور نجم الثاقب (روشن ستارہ) بھی کہا گیا ہے۔ (دیکھو سورۂ طارق ۸۶۔ آیت ۳)

کاہن لوگ شہابوں اور دُمدار ستاروں کے اس عظیم الشان ظہور کو دیکھ کر ڈر گئے اور انہوں نے اپنی کہانت اور اخبار بالغیب کو چھوڑ دیا تھا۔ جب کبھی وہ رات کے وقت سماعت، تسخیر یا علم غیب حاصل کرنے کے مقامات پر بیٹھ کر آسمانوں کو دیکھتے تھے تو ٹوٹتے ہوئے شہابوں اور چمکتے ہوئے دُمدار ستاروں کی بوچھاڑ اُن کی آنکھوں کے سامنے پڑتی ہوئی نظر آتی تھی جس سے وہ سخت پریشان ہو جاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جن لوگوں کی توجہ ان غیر معمولی شہابوں کی طرف مبذول ہوئی وہ بنی ثقیف کا ایک خاندان تھا جو طائف میں رہتا تھا (ابن ہشام صفحہ ۱۳۱) جب یہ جن طائف کے قریب بمقام نخلہ مسلمان ہوئے تو انہوں نے شہابوں کی اس غیر معمولی بوچھاڑ اور بے شمار دُمدار ستاروں کے نظر آنے پر اپنی خاص زبان میں پریشانی کا اظہار کیا:

وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۙ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۔ (الجن ۷۲۔ آیات ۸ و ۹ و ۱۰)

"اور ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو پایا کہ وہ مضبوط نگہبانوں اور شہابوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور ہم سننے کے لئے اسکے بعض مقامات پر بیٹھ جایا کرتے تھے مگر اب جو کوئی سُننا چاہے تو اپنے لئے ایک شہاب تاک میں لگا ہوا پائیگا۔ ہم نہیں جانتے کہ زمین کے رہنے والوں کو کچھ نقصان پہنچانا منظور ہے یا ان کے پروردگار نے اُن کے لئے کسی ہدایت کا ارادہ کیا ہے"۔ (الجن ۷۲۔ آیات ۸ و ۹ و ۱۰)۔

الغرض ان لوگوں نے جو سکان سماوی کی گفتگو سننے کا دعوٰے کرتے تھے شہابوں کی عجیب و غریب بوچھاڑ اور بے شمار دُمدار ستاروں کے ظہور سے بالکل حیران ہو کر اپنی فال گوئی چھوڑ دی۔ اس امر کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے:-

لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ

"وہ اپنے اوپر کے لوگوں (فرشتوں) کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور ہر طرف سے ان پر شہاب کے تیر پڑتے ہیں، وہ نکالے جاتے ہیں اور اُن کے لئے ہمیشہ کا عذاب ہے۔ مگر کوئی

وہ زبردستی مسلمان کیا گیا ہو۔ ہاں برعکس اس کے کہ ترک اسلام پر مسلمان البتہ مجبور کیے جاتے تھے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

فَاَتْبَعَہٗ شِہَابٌ ثَاقِبٌ ۝ (والصّٰفّٰت ۳۷ آیات ۸ تا ۱۰)۔

یکایک سُن پانے کی کوشش کرے تو چمکتا ہوا شہاب اس کے پیچھے ہو لیتا ہے۔ (والصّٰفّٰت ۳۷۔ آیات ۸ تا ۱۰)۔

۱۸۔ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَہٗ شِہَابٌ مُّبِیْنٌ ۝ (الحجر ۱۵۔ آیت ۱۸)

۱۸۔ مگر جو کوئی چوری سے کوئی بات سُنے شہاب روشن اس کے پیچھے ہو لیتا ہے۔ (الحجر ۱۵۔ آیت ۱۸)۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِہِ الشَّیٰطِیْنُ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَھُمْ وَمَا یَسْتَطِیْعُوْنَ اِنَّھُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝ (الشعرا ۲۶۔ آیات ۲۱۰ تا ۲۱۲)

اور اس (قرآن) کو شیطان لیکر نہیں اُترے اور یہ کام اُنکے کرنے کا نہیں اور نہ وہ اس کو کر سکتے ہیں۔ وہ تو (وحی کے) سننے سے دور رکھے گئے ہیں۔ (الشعراء ۲۶۔ آیات ۲۱۰ تا ۲۱۲)۔

ضعیف الاعتقاد لوگوں میں شہابوں اور ستاروں کے ٹوٹنے سے جو خوف اور پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ اُس کی ایک مثال ذیل میں نقل کرتا ہوں :-

دسویں صدی کے وسط کے قریب دنیا کے خاتمہ کا ایک عالم گیر خوف مسیحی ممالک پر چھایا ہوا تھا۔ عرصہ محشر کے نظارہ کی توقع اور شلیم کی جاتی تھی ۔

۹۹۹ء میں زائرین کی تعداد جو اس شہر میں خدا اور (یسوع مسیح) کی آمد کا انتظار کرنے کے لئے مشرق کی طرف روانہ ہوئے اس قدر زیادہ تھی کہ ان کو ایک غارت گر لشکر سے تشبیہ دی گئی تھی۔ سنہ ۱۰۰۰ء کے درمیان یہ تعداد زیادہ ہو گئی۔ ہر ایک قدرتی ظہور سے اُن کے دلوں پر خوف چھایا جاتا تھا۔ ایک کڑک اور گرج کا طوفان ان کو (نماز کے لئے) گھٹنوں کے بل جھکا دیتا تھا۔ ہر ایک شہابہ جو اورشلیم میں آسمان پر نظر آتا تھا تمام مسیحی آبادی کو بازاروں میں رونے اور دُعا مانگنے کے لئے باہر نکال دیتا تھا۔ جو زائرین سفر میں تھے اُن پر بھی یہی ہیبت طاری تھی۔ ہر ایک ستارہ کا ٹوٹنا ایک وعظ کا موقع دیتا تھا۔ جس کا خاص موضوع اس عنقریب پیش آنے والے فیصلہ (قیامت) کی عظمت کا اظہار ہوتا تھا۔ (دیکھو چارلس میکی ایل۔ ایل۔ ڈی کی کتاب موسوم بہ **"غیر معمولی انسانی توہمات"** مطبوعہ لندن صفحہ ۲۲۲ و ۲۲۳)۔

اس امر کا دعوےٰ کہ شیاطین کی رسائی آسمانوں کی حدود تک ہے اور وہ کوشش کر کے چپکے سے کان لگا کر عالم بالا کے بعض اسرار سُن پاتے ہیں اور اس دُنیا کے فال گوؤں اور غیب کی خبریں دینے والوں کو اُن کی اطلاع دیدیتے ہیں"۔ **کاہنوں** کا اکبر یا فریب تھا۔ یہودیوں کو بھی شیاطین کی بابت ایسا ہی اعتقاد تھا کہ وہ پردے کے پیچھے سے سُن کر زمانہ آیندہ کے بھید معلوم کر لیتے ہیں۔ قرآن مجید نے اِن دعووں میں اُن کی تکذیب کی۔ قرآن ارشاد فرماتا ہے کہ آسمان (یا ستارے) محفوظ ہیں۔ اور فال گوؤں کے استراق سمع (یا تسخیرات) سے مصئون ہیں۔

(ملاحظہ ہو صفحہ ۴۲)

۲۱- قریش کی سخت ایذا رسانیوں کی بدولت جب مسلمان مکّہ سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے تو پیغمبر (صلعم) کے تمام پیرو اُن لوگوں کے سوا جو قریش کی قید میں تھے۔ یا غلامی سے نکل کر بھاگ نہیں سکتے تھے۔

ہجرت کے بعد مکہ میں مسلمانوں کی تعداد میں ترقی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ (الحجر ۱۵- آیات ۱۶ و ۱۷)

"اور ہم نے آسمان میں بروج بنائے اور دیکھنے والوں کے لئے اس کو (ستاروں سے) زینت بخشی اور ہر شیطان رانده سے اس کو محفوظ کیا"۔ (الحجر ۱۵- آیات ۱۶ و ۱۷)-

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۔ (والصّٰفّٰت ۳۷- آیات ۶-۷)-

"اور ہم نے آسمان دنیا (نیچے کے آسمان) کو ایک زینت یعنے ستاروں سے آراستہ کیا- اور ہر شیطان سرکش سے اس کو محفوظ کردیا ہے"۔ (والصّٰفّٰت ۳۷- آیات ۷-۸)

وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَحِفْظًا (حٰم سجدہ ۴۱- آیت ۱۱)-

"اور ہم نے نیچے کے آسمان کو (ستاروں کے) چراغوں سے آراستہ کیا اور حفاظت کے لئے۔ (حٰم سجدہ ۴۱- آیت ۱۱)-

اس کے علاوہ قرآن مجید یہ بھی کہتا ہے کہ **کاہن** اپنے معتقدوں یعنے ان لوگوں کو جو اُن سے مشورہ کرنے جاتے ہیں، دوسروں سے سُنی سنائی باتیں بتا دیتے ہیں اور وہ جھوٹے ہیں:-

يُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ۔ (الشعراء ۲۶- آیت ۲۲۳)

"وہ سُنی سنائی باتیں القا کرتے ہیں اور اکثر ان میں سے جھوٹے ہیں"۔ (الشعراء ۲۶- آیت ۲۲۳)-

قرآن مجید میں یہ کسی جگہ نہیں ہے کہ ستارے شیاطین پر پھینکے یا مارے جاتے ہیں۔ سورۂ ملک ۶۷ کی پانچویں آیت اصل مع لفظی ترجمہ کے ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

۵- وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ (الملک ۶۷- آیت ۵)-

"یقیناً ہم نے نیچے کے آسمان کو (ستاروں کے) چراغوں سے زینت دی اور ان کو شیاطین (یعنے منجموں) کے لئے "رجوم" (یعنی قیاس اور اٹکل کا ذریعہ) بنایا"۔ (الملک ۶۷- آیت ۵)-

رَجم کے ابتدائی معنے ہیں "ایسی چیز جو پتھر کی طرح ڈالی یا پھینکی جائے"۔ اس کی جمع **رُجُوم** ہے مگر عام طور پر اس کے معنے ہوتے ہیں "ایسی بات کہنا جو پوشیدہ اور نامعلوم ہو- یا قیاس لگانا- یعنے اٹکل پچو کوئی بات کہہ دینا"۔ جیسا کہ سورۂ کہف ۸- آیت ۲۱ میں (رجماً بالغیب) آیا ہے- سورۂ مریم ۱۹- آیت ۴۷ میں لفظ "لارجمنّک" کی تشریح دو طرح سے کی گئی ہے- یعنے (۱) "میں یقیناً تجھ پر پتھر برساؤں گا" اور (۲) "میں یقیناً تیری نسبت ایسی بات کہوں گا گو مجھے اس کا علم نہ ہو- مگر تجھے ناپسند اور ناگوار خاطر ہو" (یعنی ایسی اٹکل پچو باتیں اُڑاؤں گا جن سے تجھ کو تکلیف اور صدمہ پہنچے گا)-

دیکھو عربک انگلش لیکسکان (عربی سے انگریزی کا لغت) یعنی مدّ القاموس مصنفہ لین صفحہ ۴۸- ا- کشاف جلد ا صفحہ ۹۵ طبع کلکتہ بیضاوی جلد ا صفحہ ۵۵۶ طبع یورپ علامہ سید مرتضےٰ نے تاج العروس میں لفظ "رجم" پر پوری بحث کی ہے- ملاحظہ ہو تاج العروس جلد ۹ صفحہ ۴ ۲۰ مطبوعہ مصر لسان العرب جلد ۱۵ صفحہ ۱۲۰ لغت "رجم" شرح اشعار حماسہ صفحہ ۴۹۴ مطبوعہ بن ۱۸۲۸ء-

اپنے بال بچوں سمیت نقل مکان کر کے مدینہ کو چلے آئے مگر مکّہ میں مسلمانوں کے نکالے جانے کے بعد بھی اور بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ ایسے لوگوں کی تعداد جو غضبناک قریش کے ظلم و ستم[۱] کی وجہ سے مکّہ سے بھاگ نہیں سکتے تھے بڑھتی جاتی تھی (سورۃ النساء ۴۔ آیات ۷۹[۲]-۹۹-۱۰۰) ہجرت کے چھ[۶] سال بعد جب مسلمان حجاج مکّہ کے قریب مقام حدیبیہ میں تھے اُس وقت اُن مظلوموں نے اُن سے اپنی رہائی اور مدد کی درخواست کی اور سورۂ فتح ۴۸۔ آیت ۲۵[۳] میں مسلمانان مکّہ کی اس بڑی تعداد کی

(حاشیہ متعلق صفحہ ۳۹) [۱] عیسائیوں کے پانچ صدیوں تک انجیل کا وعظ سنانے کے بعد ہم صرف اسقدر نشان دہی کر سکتے ہیں کہ کہیں کہیں خال خال آدمیوں نے دین مسیحی کو قبول کیا۔ یعنے نجران کے بنی حارث یمن کے بنی حنیفہ۔ بنی طے کے بعض اشخاص جو بمقام تیماء رہتے تھے اِن کے سوا شاید ہی کسی نے دین عیسوی اختیار کیا ہو۔ یہودی مذہب نے جو بہت زیادہ قوی تھا بسر کردگی ذونواس لوگوں کو جبراً یہودی بنانے کے لئے ایک ناگہانی سعی بے ثمر کی تھی لیکن ایک علمی اور تبلیغی ذریعہ ہونے کی حیثیت سے یہودی عقیدہ اب مؤثر نہ رہا تھا۔" (سیرت محمدی از میور جلد اول صفحہ ۲۳۹ مقدمہ معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۵۵ ، مطبوعہ یورپ۔ ابن اثیر جلد اول صفحہ ۳۰۷ مطبوعہ یورپ۔ بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۳۹۵ طبع یورپ)۔

(حاشیہ متعلق صفحہ ۴۰) [۱] اَوس و خزرج۔ یمن کے قبائل بنی ازد کی دو شاخیں تھیں جو کہلان کی نسل سے تھیں۔ شمال کی طرف نقل مکان کر کے چلے آنے کے بعد وہ بنی غسّان سے جُدا ہو کر مدینہ چلے آئے تھے۔ اور یہیں انہوں نے سکونت اختیار کر لی تھی + (معارف ابن قتیبہ صفحہ ۴ ۵ طبع یورپ)۔

[۱] رسائل اخوان الصفا میں اُن مظلوم مسلمانوں کی حمایت میں عقلی و نقلی دلائل بیان کئے گئے ہیں جو بعد ہجرت بسبب بعض مجبوریوں کے مکّہ میں رہ گئے تھے اور ہجرت نہیں کر سکتے تھے اور جن پر قریش مکّہ بسبب مخالفت مذہب طرح طرح کے ظلم و ستم کرتے تھے اور مظلوموں کی حمایت میں جبکہ ظالم اور جابر اُن کی فطرتی آزادی چھین لیں جنگ کی ضرورت کو ثابت کیا ہے۔ رسائل اخوان الصفاء میں وہی دلائل بیان کئے گئے ہیں جن کو مسٹر کینیٹ نے بیان کیا ہے اور جو کتاب ہذا کے فقرہ (۱۶) میں نقل ہو چکے ہیں۔ نیز رسائل مذکورہ میں اُن آیات قرآنی کو نقل کیا ہے جن کی طرف علامہ مصنف نے اشارہ کیا ہے۔ (دیکھو رسائل اخوان الصفا مطبوعہ یورپ سنہ ۱۸۸۳ء صفحہ ۵۹۷)

[۲] بیضاوی جلد ا صفحہ ۲۱۸ تا ۲۲۶۔ [۳] بیضاوی جلد دوم صفحہ ۲۶۹ - کشاف جلد دوم صفحہ ۱۳۷۸۔ معالم التنزیل جلد ۴۔ صفحہ ۷۹ +

طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اُس وقت مکّہ میں مقیم تھی۔

بد امنی کی حالت ان قبائل کے درمیان جو نواح مدینہ میں آباد تھے۔ مہلک اور خونریز جنگوں کا اشاعت اسلام میں سدِّ راہ ہونا

۲۲۔ **قریش** نے جنوب کی طرف سے **مدینہ** پہنچ کر جو لڑائیاں آنحضرت ؐ کے ساتھ کی تھیں اور گرد و نواح کے **قبائل** کی طرف سے **مدینہ** پر حملہ اور چڑھائی کرنے کا جو دائمی خطرہ لگا رہتا تھا (اور یہ حالت اشاعت اسلام میں بڑی سدِّ راہ تھی، جس کی **اشاعت** کامیابی کے ساتھ اُسی وقت ہو سکتی تھی جبکہ فریقین کو امن و امان اور اطمینان حاصل ہو) قطع نظر ان سب باتوں کے عرب کے سب سے مشہور اور بڑے قبیلے، جو عرب کے شمال اور وسط میں رہتے تھے۔ آنحضرت صلعم کے زمانۂ حیات میں، یعنے قبل از بعثت ۵۸۳ء سے ۶۱۰ء تک اور نیز آنحضرت ؐ کے زمانۂ نبوت میں ۶۱۰ء سے ۶۳۲ء تک باہم برسرِ جنگ تھے۔ یہ آفت خیز اور خوں ریز جنگیں بیسیوں برس تک جاری رہیں۔ اور جو آفتیں لازمی طور پر زمانۂ جنگ میں پیش آئیں۔ اُن کا اثر صرف جنگ جو قوموں ہی تک محدود نہ تھا۔ آفات جنگ کے دُور کرنے اور اُن آلام و مصائب کا نقش مٹانے کے لئے جو لڑائیوں کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔ سالہا سال درکار تھے[1]۔

قبائل عرب کی ان باہمی جنگوں کا ایک خاکہ جو آنحضرت ؐ کے زمانۂ حیات میں پیش آئیں۔

۲۳۔ اس موقع پر میں اُن خونریز لڑائیوں کا ایک **مختصر سا خاکہ** کھینچوں گا جو آنحضرت ؐ کے زمانہ میں مختلف قبائل عرب کے باہم دگر پیش آئیں۔

[1] یہی کیفیت اُن جنگوں کی بابت صادق آتی ہے جو آنحضرت ؐ کے زمانۂ حیات میں۔ مگر آپ کی بعثت سے پہلے واقع ہوئیں۔ یہ واقعات عربی تاریخوں میں ایام العرب کے نام سے مشہور ہیں۔ ملاحظہ ہو ابن اثیر جلد اول صفحہ ۳۶۷ تا صفحہ ۴۱۵ مطبوعہ یورپ سنہ۔

وہ لڑائیاں جو آنحضرتؐ کے زمانہ میں اُن قبائل کے درمیان ہوئیں جو عرب کے شمال اور وسط میں آباد تھے

اوّل قبل از بعثت

(سنہ ۵۷۰ء سے سنہ ۶۱۰ء تک)

(۱) جنگ الرّح[1] رحان، بنی عامر بن صعصعہ اور بنی تمیم کے درمیان جو نجد میں رہتے تھے، سنہ ۵۷۸ء

(۲) بنی عبس بن عامر کے طرفدار اور بنی ذبیان بنی تمیم کے طرفدار، سنہ ۵۷۹ء میں بمقام شعب[2] جبلہ۔

(۳) جنگ طائف جو حرب[3] فجار کے نام سے مشہور ہے، مذہبی تبرّکات کو چُرالے جانے کی وجہ سے سنہ ۵۸۰ء سے سنہ ۵۹۰ء تک رہی۔

(۴) متعدّد لڑائیاں بنی بکر اور بنی تمیم کے درمیان جو سنہ ۶۰۴ء میں اور سالہائے مابعد میں جاری رہیں *

دوم دورانِ بعثت میں

(الف - بمقام مکّہ سنہ ۶۱۰ء سے سنہ ۶۲۲ء تک)

(۱) جنگ[4] داحس و الغبرا بنی عبس اور بنی ذبیان کے درمیان جو بنی غطفان

[1] ابن اثیر جلد اول صفحہ ۴۱۱ - مطبوعہ یورپ - [2] ابن اثیر جلد اول صفحہ ۴۳۵ مطبوعہ یورپ - [3] ابن اثیر جلد اول صفحہ ۴۳۹ ۵۰۷-۵۰۹ مطبوعہ یورپ سنہ مروج الذہب جلد ۴ صفحہ ۱۲۵ مطبوعہ پیرس - [4] ابن اثیر جلد اول صفحہ ۴۲۰ - شرح حماسہ صفحہ ۲۲۲ و ۲۲۳ مطبوعہ

کی شاخیں تھیں اور وسط عرب میں رہتی تھیں۔ یہ جنگ ۵۶۸ء سے ۶۰۹ء تک یعنی چالیس سال تک رہی تھی +

(۲) جنگ[1] ذوقار۔ بنی بکر اور اہل فارس کے درمیان ۶۱۱ء میں سلطنت حیرہ میں واقع ہوئی۔

(۳) بنی کندہ[2] اور بنی حارث نے بنی تمیم پر جبکہ وہ یمن میں سرحد میں کلاب کی طرف چلے گئے تھے، حملہ کیا اور ان کو پسپا کیا۔

(۴) بنی اوس اور بنی خزرج جو مدینہ میں رہتے تھے، باہم برسر جنگ تھے جنگ بعاث ۶۱۵ء میں ہوئی۔ بنی غسان کے دو قبیلے۔ بنی مازن اور یہودیوں کے قبائل بنی نضیر اور بنی قریظہ یہ سب بنی اوس کے مددگار تھے۔ بنی جہینہ۔ بنی اشجع اور بنی قینقاع کے یہودی۔ بنی خزرج کے حامی[3] تھے۔

(ب۔ بمقام مدینہ ۶۲۲ء سے ۶۳۲ء تک)

(۱) وہ جنگ جو ایک طرف بنی ہوازن اور دوسری طرف بنی عبس۔ بنی ذبیان اور بنی اشجع کے درمیان جو قبیلہ غطفان سے تھے، ٹھنی ہوئی تھی۔ خفیف لڑائیوں اور خونریزیوں کے ساتھ جاری رہی۔ یہاں تک کہ انہوں نے دین اسلام قبول کیا +

(۲) قریش بدر اور احد میں ۶۲۴ء اور ۶۲۵ء میں مسلمانان مدینہ کے ساتھ دو لڑائیاں لڑے۔

(۳) غطفان جو بڑا خاندان تھا۔ اس کے متعدد قبائل (بنی مرہ۔ بنی اشجع اور بنی فزارہ)۔ بنی سلیم اور بنی سعد جو قبیلۂ ہوازن کی ایک شاخ تھی۔ بنی اسد جو نجد

[1] طبری جلد اول صفحہ ۱۰۱۶ تا ۱۰۳۷ مطبوعہ یورپ۔ معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۱۰۔ التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۴۱۔
[2] معجم البلدان جلد اول صفحہ ۶۷۰۔ ابن اثیر جلد اول صفحہ ۵۰۹ مطبوعہ یورپ۔ شرح حماسہ صفحہ ۲۴۴ تا ۲۴۳ مطبوعہ یورپ۔
[3] یہ لڑائی عربی تاریخوں میں یوم بعاث کے نام سے مشہور ہے۔ ابن اثیر جلد اول صفحہ ۵۱۰۔

کے بدوی قبائل سے تھے۔ اور بنی قریظہ جو یہودی تھے۔ ان سب قبیلوں نے قریش کے ساتھ شامل ہو کر ۶۲۷ء میں مدینہ کا محاصرہ کیا۔[1] (یعنے غزوۂ خندق پیش آیا)۔

(۴) بنی تمیم اور بنی بکر نے اپنی دیرینہ عداوتوں کو پھر تازہ کیا۔ اور ۶۱۵ء سے ۶۳۰ء تک اُن کے درمیان متعدد لڑائیاں واقع ہوئیں۔ سب سے پچھلی لڑائی جو جنگ شیطین کے نام سے موسوم ہے ۶۳۰ء میں ہوئی۔ (ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۴۹۰)

اسی سال میں لڑائی کے بعد دونو قبیلے مسلمان ہو گئے۔

(۵) بنی غوث اور بنی جدیلہ جو قبیلہ بنی طے کی شاخیں اور مدینہ کے شمال میں سکونت پذیر تھے۔ انہوں نے باہمدگر جنگ و جدل کئے "جنگِ فساد"[2] پچیس سال تک جاری رہی یہاں تک کہ ان دونو قبیلوں نے ۶۳۲ء میں اسلام قبول کیا۔

مدینہ کے گرد و نواح کی قوموں میں ہجرت کے بعد اسلام کی اشاعت ۱ھ سے ۶ھ تک

۲۴۔ آنحضرتؐ کے زمانہ قیام مدینہ میں یعنے ابتدائے ہجرت سے لیکر صلح حدیبیہ تک کے چھ سال حوادث و واقعات سے پُر ہیں آپ کے مخالف دیگر قبائل عرب ہر سال آپ پر حملہ کرتے یا حملہ کی دھمکی دیتے تھے۔ اور آپ ہمیشہ مدافعت کرتے تھے۔ اس حالت میں بھی آپ نے متعدد اشخاص بلکہ قریب قریب کل کے کل قبیلوں کو جو مدینہ کے گرد رہتے تھے، مشرف باسلام کر لیا تھا۔

ان میں سے بعض قبائل حسب ذیل تھے:۔

[1] اس جنگ کو اسلامی تاریخوں میں یوم خندق یا غزوۂ احزاب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۳۶۔ تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۰۔ ابن ہشام صفحہ ۶۶۸۔

[2] یہ واقعہ عربی تاریخوں میں یوم یحامیم کے نام سے موسوم ہے۔ ملاحظہ ہو ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۴۷۶۔ تبریزی شارح حماسہ نے اس جنگ کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں۔ ملاحظہ ہو شرح حماسہ صفحہ ۱۷۷ مطبوعہ بن ۱۸۲۸ء۔

(۱) بنی اسلم[1] (۲) بنی جہینہ[2] (۳) بنی مزینہ[3] (۴) بنی غفار[4] (۵) بنی سعد بن بکر[5] (۶) بنی اشجع[6]۔

ہم کو کتب مغازی میں بھی (جن میں آنحضرت ؐ کے غزوات کے حالات درج ہوتے ہیں، گو وہ کیسے ہی غیر معتبر ہوں) ایک بھی مثال ایسی نہیں ملتی۔ جس سے آنحضرت ؐ کا ایک ہاتھ میں **تلوار** اور دوسرے میں **قرآن** لے کر کسی ایک شخص، یا کسی خاندان یا کسی قبیلے کی شاخ کو مسلمان کرنا ثابت ہو سکے +

۲۵۔ باوجودیکہ اسلام کو ایذاؤں، جلاوطنیوں، اور جنگوں سے سابقہ پڑتا تھا۔ تاہم اس وقت تک یہ دین محض **ترغیب و تحریص** کی بدولت **اہل مکہ** میں پھیلا تھا جن میں سے بعض **ابی سینیا** اور اکثر مدینہ کو ہجرت کر گئے تھے اور اسی طریقہ سے **اوس و خزرج** کی نسل کے تمام با اثر قبیلوں میں جو مدینہ میں رہتے تھے۔ مدینہ کے **یہودیوں** میں اور بعض اُن قبائل میں جو مدینہ کے **شمال اور مشرق** اور

جنوبی قبائل کے اسلام لانے میں مکّہ سدِّ راہ تھا۔

[1] بنی اسلم مدینہ کے شمال میں وادی القریٰ میں رہتے تھے وہ قبائل خزاعہ کی ایک شاخ تھی اور حمیر کی نسل سے تھے (ابن سعد ۱۰۱)
[2] بنی جہینہ۔ خزاعہ کی ایک شاخ تھی اور حمیر کی اولاد تھے۔ یہ قبیلہ ینبع کی نواح میں آباد تھا جو مدینہ کے شمال میں ہے۔ (ابن سعد ۸۱)۔
[3] بنی مزینہ۔ مکّہ کے خاندان معد کے قبیلے سے تھے۔ وہ نجد میں جو مدینہ کے گوشہ شمال و مشرق میں ہے، آباد تھے (زرقانی جلد ۴ صفحہ ۴۴۔ ابن سعد صفحہ ۴۱)۔
[4] بنی غفار ؛ لیل بن ضمرہ کے بیٹے اور کنانہ کی نسل سے تھے۔ جو منجملہ قبائل معد کے ایک قبیلہ تھا۔
[5] بنی سعد بن بکر۔ ہوازن کی ایک شاخ تھی۔ آنحضرت ؐ نے اُن میں پرورش پائی تھی۔
[6] بنی اشجع۔ غطفان کی ایک شاخ تھی جو بنی معد کے مکّی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بنی اشجع سب کے سب آنحضرت ؐ کے دشمن تھے اور محاصرہ مدینہ کے زمانہ میں آپ سے لڑے تھے اور ۴۰۰ سوار اُن کی کمک پر تھے۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں "بنی اشجع نے جو مدینہ کے محاصرہ میں شریک تھے بنی قریظہ کے قتل کے تھوڑے عرصہ بعد اطاعت قبول کر لی۔ انہوں نے محمد صلعم سے کہا کہ آپ نے ہمارے خلاف جو جنگ کی ہے ہم اس سے ایسے تنگ آ گئے ہیں کہ آیندہ آپ کے مقابلہ میں کھڑے نہیں رہ سکتے۔ کاتب واقدی صفحہ ۱۰۹۔ ابن سعد صفحہ ۵۵ (دیکھو میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۱۰۷ فٹ نوٹ)۔
یہ حصہ سراسر جھوٹا ہے۔ ہم نے کبھی نہیں سُنا کہ آنحضرت ؐ نے بنی اشجع کے خلاف جنگ کی ہو۔ بلکہ برعکس اسکے خود انہوں نے مدینہ پر حملہ کیا تھا

وسط عرب میں رہتے تھے۔ اس کی اشاعت ہوئی تھی۔ مگر چونکہ جنوب کی طرف اہل مکّہ نے اسلام کے خلاف اعلان جنگ کردیا تھا۔ اس لئے اکثر قبائل عرب جن کا کسی نہ کسی طرح اہل مکّہ سے تعلّق تھا۔ اور وہ قبائل جو عرب کے جنوبی حصے اور گوشۂ جنوب و مشرق میں رہتے تھے۔ اور اُن کے اور اہل مدینہ کے درمیان مکّہ حائل تھا۔ جنگ کی کارروائی پر غور کر رہے تھے کہ دیکھئے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ (ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۱۹)۔ اور اسلام کی قسمت کا کیا فیصلہ ہوتا ہے؟ اِن قبیلوں کو مدینہ تک پہنچنے اور اسلام قبول کرنے کا۔ یا مسلمانوں سے دوستانہ ربط و اتّحاد پیدا کرنے کا۔ یا قریش نے جو لڑائیاں اور خون خرابے ڈال رکھے تھے۔ اُن کے ہوتے محمدی مشنریوں (داعیان اسلام) کو طلب کرنے اور اُن کی خاطر و مدارات کرنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ کیونکہ وہ قریش کو محافظ کعبہ سمجھتے تھے، جو اُس وقت عرب کے بُت پرستوں کا رُوحانی یا مذہبی مرکز بنا ہوا تھا۔ آخری یعنے پانچویں سال کے اختتام پر بہت سے قبائل اعراب نے جن میں بنی اشجع۔ بنی مرّہ۔ بنی فزارہ۔ بنی سلیم۔ بنی سعد بن بکر اور بنی اسد کا شمار ہو سکتا ہے محاصرۂ مدینہ[1] کی غرض سے ہزارہا اعراب کی جمعیت قریش کے لئے بہم پہنچائی۔ جب مسلمانوں پر قریش کی لڑائیاں بند ہوئیں۔ تب کہیں جنگ کرنیوالے قبیلوں اور عرب کے وسط اور جنوب اور مشرق میں رہنے والے قبیلوں کو اتنی مہلت ملی کہ اپنی بُت پرستی اور توہمات باطلہ کے برخلاف اسلام کے معقول وعظ پر جس کا حال انہوں نے سُنا تھا کچھ غور کر سکیں ٭

۲۶۔ صلح حدیبیہ کے وقت سے سنہ ۶ھ کے اختتام تک مکّہ آمد و رفت کے لئے کُھلا ہوا تھا۔ جہاں کچھ اَور نئے لوگ داخل

چھٹے سال میں بعض قبائل کا اسلام لانا

[1] پوری بحث کے لئے ملاحظہ ہو (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۷ مطبوعہ یورپ سنہ) ٭

اسلام ہوئے۔ بنی خزاعہ جو ازد کی اولاد تھی، صلح حدیبیہ ہی کے وقت مسلمان ہوگئے تھے۔ اگلے سال حج کے موقع پر مکہ کے بعض با اثر لوگوں نے اسلام اختیار کیا۔ یہ تحریک اِن سربرآوردہ اشخاص ہی تک محدود نہ تھی۔ بلکہ عام اور وسیع تھی۔ ساتویں سال قبائل مندرجہ ذیل نے اسلام قبول کیا اور اُن کے وفد خیبر میں آنحضرت ؐ کے ساتھ آکر شامل ہوئے:۔

(۱) بنی اشعر[1] (۲) بنی خشینہ[2] (۳) بنی دوس[3]۔ اسی سال میں آنحضرتؐ نے بعض دیگر قبائل کو مسلمان بنایا، جو عرب کے شمال اور گوشہ شمال و مشرق میں رہتے تھے منجملہ اُن کے قبائل ذیل تھے:۔

(۱) بنی عبس۔ بنی ذبیان (۳) بنی مرّہ (۴) بنی فزارہ[4] (۵) بنی سُلیم[5] (۶) بنی عذرہ (۷) بنی بلی (۸) بنی جذام[6] (۹) بنی ثعلبہ[5] (۱۰) بنی عبد القیس[8] (۱۱) بنی تمیم[9] (۱۲) بنی اسد[10]۔

[1] بنی اشعر جدّہ میں رہتے تھے۔ خاندان کہلان سے تھے اور ازد کی اولاد تھے۔ (ابن سعد ۹۶)

[2] بنی خشینہ۔ قضاعہ کا ایک خاندان تھا جو حمیری نسل سے تھے۔

[3] بنی دوس۔ ازدی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں جو قحطان کی نسل سے ہیں۔ وہ مکّہ کے جنوب کی طرف کچھ فاصلہ پر رہتے تھے۔ یہ لوگ خیبر میں آنحضرتؐ سے آملے تھے۔ (زرقانی جلد ۲ صفحہ ۲۴۴۔ ابن سعد صفحہ ۱۰۰)۔

[4] یہ چاروں قبیلے غطفان کی شاخیں ہیں جو مُلّی النسل تھے۔ غطفان کے بڑے بڑے خاندان:۔ بنی اشجع بنی ذبیان۔ اور بنی عبس"۔ بنی مرّہ اور بنی فزارہ۔ بنی ذبیان کی شاخیں تھیں۔ یہ سب نجد میں رہتے تھے۔ بنی فزارہ کے سردار عیینہ بن حصن نے ۶ھ میں مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ اُسی سال بنی فزارہ نے ایک مدینہ کے قافلہ پر حملہ کرکے اُس کو تاخت و تاراج کیا تھا۔

[5] بنی سلیم، جو بنی حصفہ کی ایک شاخ اور بنی ہوازن کے ہم جدّ ہی تھے، مدینہ کے قریب رہتے تھے۔ آنحضرتؐ کو جب آپ بچے ہی تھے پرورش کے لئے اس قبیلہ کے سپرد کیا گیا تھا۔ وہ مُلّی النسل بھی تھے اور حصفہ کی وساطت سے مضر اور معد کی نسل سے تھے۔ بنی مرّہ اور بنی فزارہ کی طرح جو غطفان کی شاخیں تھیں۔ بنی سلیم بھی مدت تک حملوں کی دھمکی دیتے رہے تھے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۵۱)

۲۷۔ ۶ھ کی صلح کے وقت سے مکّہ میں اسلام کی حیثیت اور وقعت کو بڑی قوت حاصل ہوگئی۔ کیونکہ اس وقت سے مسلمانان مکّہ کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ جن میں بااثر اور سربرآوردہ اشخاص اور ایسے لوگ بھی شامل تھے جو شہرت و وقعت کے لحاظ سے کم درجے کے تھے۔ اسی وجہ سے اسلام یعنے امن و امان اور صلح و آشتی کے حامیوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی اور اُن پر زیادہ اعتماد ہوتا جاتا تھا۔ بُت پرست قریش کے درمیان کوئی سردار ممتاز قابلیت یا حکومت و اقتدار والا مکّہ میں باقی نہ رہا۔ **قریب قریب کُل دین اسلام میں داخل ہوگئے**۔ اسی اثناء میں بنی بکر اور قریش نے شرائط صلح کو توڑ دیا جس کا

تفویض مکّہ ۸ھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بنی سلیم نے عامر بن طفیل یعنی سردار بنی عامر کے ساتھ جو ہوازن کا ایک قبیلہ تھا مع اپنے قبائل عُصَیَّہ۔ رعل اور ذکوان کے۔ داعیان اسلام کی ایک جماعت کو جن کی تعداد ۴۰ تھی بمقام بیر معونہ قتل کر دیا تھا۔ اس جماعت کو ابو براء عمر بن مالک نے طلب کیا تھا جو بنی عامر کا سردار تھا۔ اور جس نے اُن کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا۔ محاصرہ مدینہ کے موقع پر قریش کی فوج بھی بنی سلیم کے ساتھ شامل ہوگئی تھی۔ (ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۱) +

ساتویں سال میں انہوں نے داعیان اسلام کی ایک اَور جماعت کو بھی جو اُنکی طرف بھیجی گئی تھی بمقام رجیع تہ تیغ کر ڈالا تھا۔ (ابن ہشام صفحہ ۶۴۸۔ اور ۶۳۸۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۸)+

ھ بنی عذرہ مثل بنی جہینہ کے بنی خزاعہ کا ایک قبیلہ تھے۔ وہ مع بنی بلی اور بنی جذام کے عرب کے شمال میں اس علاقہ میں جو غسّان کی ملکیّت تھا آباد تھے۔ قبیلۂ حمیر جو یمن کے بنی قحطان کی اولاد تھا۔ بنی قضاعہ۔ بنی عذرہ۔ بنی جہینہ اور دیگر مشہور قبائل جزیرہ نمائے عرب کے شمال کی طرف ملک شام کی سرحد پر آباد تھے۔

سر ولیم میور کاتب واقدی کے حوالے سے لکھتا ہے کہ بنی جذام کا سردار رفاعہ بن زید جناب محمدؐ (صلعم) کا ایک خط اُن کے پاس لے کر گیا تھا، جس کا مضمون یہ تھا:۔

"جو شخص اسلام قبول کرے وہ حزب اللہ (خدا کے گروہ) میں داخل ہے۔ اور جو کوئی انکار کرے اُس کو غور کرنے کے لئے دو ماہ کی مُہلت دی جاتی ہے"۔ (میور صاحب کی سیرت محمدی جلد ۴ صفحہ ۱۰۷ فٹ نوٹ) "غور کرنے کے لئے" یہ الفاظ اصل عربی میں نہیں ہیں (دیکھو ابن ہشام صفحہ ۹۶۲) اگر یہ روایت جس کی صحت کی کوئی سند نہیں ہے، صحیح ہو، تو یہ بات صاف طور پر معلوم (دیکھو صفحہ ۵۲)

نتیجہ یہ ہوا کہ مکّہ بغیر خون ریزی کے فتح ہو گیا۔ اور مسلمانوں کے حوالہ کر دیا گیا +

۲۸۔ اگرچہ مکّہ مغلوب ہو کر مطیع ہو گیا تھا۔ مگر اب تک اس کے تمام باشندوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ آنحضرت ؐ نے لوگوں کو مسلمان بنانے کے لئے جبر و اکراہ کا کوئی ذریعہ اختیار نہیں کیا۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں :-

اہل مکّہ اسلام لانے پر مجبور نہیں کئے گئے تھے۔

"اگرچہ اس شہر (مکّہ) کے تمام باشندوں نے آپ کی فوقیت کو تسلیم کر لیا تھا۔ مگر
"سب نے یہ نیا مذہب اختیار نہیں کیا تھا۔ یعنی آپ کے دعویٰ پیغمبری کو باضابطہ
"طور پر تسلیم نہیں کیا تھا۔ شاید آپ نے اب بھی اس طریقہ پر کاربند ہونے کا ارادہ کیا
"جو پہلے مدینہ میں اختیار کیا تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ لوگوں کو اسلام لانے کی بابت آزادی دی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نہیں ہوتی کہ دو ماہ کی مہلت سے کیا مُراد تھی۔ جس کی صلاح جنگ شروع کرنے سے پہلے مصالحت کرنے کے لئے ان کو دی گئی تھی۔ اس امر کو اُن کی زبردستی مسلمان بنانے سے کوئی واسطہ نہیں +

۷ بنی ثعلبہ۔ ذبیان کی ایک شاخ تھی +

۸ بنی عبد القیس۔ ایک معدی قبیلہ ہے جو ربیعہ کی اولاد ہیں۔ یہ لوگ بحرین میں آباد تھے۔ جو خلیج فارس پر واقع ہے +

۹ بنی تمیم طابخہ کی شاخ تھی جو مکّہ کے معدی خاندان کا ایک قبیلہ تھا اور مزینہ کا ہم جدی تھا۔ یہ لوگ نجد کی تاریخ میں مشہور ہیں۔ نجد ایک صوبہ ہے جو مدینہ کے شمال و مشرق کی طرف شام کی سرحد سے یمن تک پھیلا ہوا ہے۔ ان میں سے بعض شاخیں مکّہ اور حنین کی مہم کے موقع پر آنحضرت ؐ کے ساتھ تھیں۔ ان قبائل کی تمام شاخوں نے جو اَب تک مسلمان نہیں ہوئی تھیں۔ اب اسلام قبول کر لیا +

۱۰ بنی اسد بن خزیمہ ایک طاقتور قبیلہ تھا جو نجد میں قطن نام ایک پہاڑی کے قریب رہتے تھے وہ مکّی خاندان کے قبیلۂ معد سے تھے۔ ان کے سردار طلیحہ و سلمہ نے ۴ھ میں مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے سوار اور تیز رفتار شتربانوں کی ایک فوج جمع کی جس کو مسلمانوں نے پراگندہ کر دیا۔ طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۳۵۔ زرقانی جلد ۲ صفحہ ۷۴۔ اگلے سال یہ لوگ محاصرۂ مدینہ میں قریش کے ساتھ شامل ہو گئے تھے +

"جائے کہ وہ رفتہ رفتہ بغیر جبر و اکراہ کے اسلام قبول کر لیں[1]"*

۲۹- اب مکہ کے اردگرد کے قبائل اعراب کو تہواروں اور میلوں[2] کے موقعوں پر اور سالانہ حج کے مجموع[3] میں آنحضرتؐ کو بہ نفس نفیس اور خاص خاص واعیان اسلام کی وساطت سے جو مدینہ سے روانہ کئے جاتے تھے۔ نیز مسافروں اور تاجروں کی خبروں کے ذریعہ سے جو مکّہ اور مدینہ سے عرب کے تمام حصوں میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ قرآن مجید کا وعظ سناتے ہوئے بیس سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا تھا۔ دور و دراز کے مختلف قبیلوں۔ قوموں اور شاخوں نے اسلام کی خبر ملک میں پھیلا دی تھی۔ اکثر قبیلوں میں بعض اشخاص فرداً فرداً مسلمان ہو گئے تھے۔ جو قبیلے ابھی داخل اسلام نہیں ہوئے تھے وہ بھی ایسی حالتوں میں جیسی کہ اُوپر بیان کی گئیں قبول اسلام کے لئے آمادہ تھے۔ بُت پرستی۔ ساوی اور نفرت انگیز دونو قسم کی اُن معقول حملوں کی جو قرآنی تعلیم میں اُس پر کئے گئے ہیں تاب نہ لا سکی۔ مگر بُت پرست قریش آزار رسانی اور تلوار کے ذریعہ سے اسلام پر حملہ اور اس کا مقابلہ کرتے تھے

سنہ ۹ ھ اور سنہ ۱۰ ھ میں باقیماندہ کل کے کل قبائل کا اسلام لانا۔

---

[1] دیکھو سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد چہارم صفحہ ۲۳۶ مطبوعہ سنہ جو لوگ بنی ہوازن کی دھمکی دینے والی جمیعت کو دفعہ کرنے کے لئے حال میں بمقام مکّہ لشکر گاہ اسلام میں جمع ہوئے تھے اور جنہوں نے آنحضرتؐ کے زیر حکومت رہنے کو ترجیح دی تھی ایسے لوگوں کو سر ولیم میور نے "نو مسلّم" قرار دیا ہے۔ (ج ۴ صفحہ ۱۴۹)۔ مگر درحقیقت یہ لوگ مسلمان نہیں کہلاتے تھے اُن کو قرآن مجید میں صرف "اَلْمُؤَلَّفَۃِ قُلُوْبُھُمْ" کہا گیا ہے (سورہ توبہ ۹- آیۃ ۶۰) جس کے معنے ہیں "وہ لوگ جن کی تالیف قلوب مقصود تھی اور جن کو اسلام کی طرف آمادہ کرنا منظور تھا۔ بیضاوی جلد ا صفحہ ۳۹ مطبوعہ یورپ۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۹۹۔ ابن ہشام صفحہ ۸۴۰۔ عینی جلد ۸ صفحہ ۳۶*

[2] عکاظ۔ طائف اور نخلہ کے درمیان ہے۔ مجنہ مرالظہران کے قرب و جوار میں اور ذوالمجاز عرفات کے پیچھے ہے یہ دونو مقام مکہ کے نزدیک ہیں (ان مقامات پر میلے لگا کرتے تھے اور تہوار منائے جاتے تھے۔ (مترجم))۔

[3] "نہایت ہی قدیم زمانہ سے جو زمانہ تاریخ سے بہت پہلے ہے، مذہبی روایت کی بنا پر مکّہ سالانہ حج کا مقام قرار دیا گیا ہے جہاں عرب کے تمام تمام اطراف و جوانب سے یعنی یمن۔ حضرموت اور خلیج فارس کی سواحل سے ملک شام کی صحراؤں سے۔ اور حیرہ اور عراق عرب کی نواح بعیدہ سے لوگ حج کے لئے آتے تھے"۔ (میور جلد ا۔ صفحہ ۲۱۱ مقدمہ)۔

اور مادّی ہتھیاروں سے بُت پرستی کو قوت دیتے تھے۔ دور و دراز کے رہنے والے بُت پرست قبائل جو قریش کی طرف رہتے تھے۔ خواہ بہ سبب بعد مسافت کے یا قریش کے ساتھ اتحاد نسبی کی وجہ سے نئے دین کے قبول کرنے سے باز رہے۔ جوُں ہی صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کی لڑائیاں بند ہوئیں۔ اعراب نے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، اسلام قبول کرنا شروع کیا اور جونہی وہ مطیع ہوئے اور کعبہ[۱] بتوں سے خالی کیا گیا۔ اور بُت پرستی اور اسلام کے مابین مذہبی فوقیت کی بابت جو کشمکش چلی

[۱] سر ولیم میور کا خیال یہ ہے :۔

"مکہ پر قابض ہو جانے سے اب آنحضرت ؐ کے دعووں پر اصلیت کا ایک رنگ چڑھ گیا۔ "کیونکہ مکّہ ملک عرب کا رُوحانی مرکز تھا اور ہر حصّہ ملک کے قبائل اس کا ادب کرتے تھے۔ سالانہ "حج کا انتظام بیت مقدس (خانہ کعبہ) کی تولیت۔ تقویم سالانہ میں دنوں کا اضافہ یعنی متبرک "مہینوں میں حسب مرضی خود ردّو بدل کر دینا یہ وہ آئین تھے جن کا اثر تمام عرب میں پڑتا تھا اور "جن کا حق قدیم الایام سے قریش کو حاصل تھا۔ اب یہ سب کام محمد (صلعم) کے ہاتھ میں آ گئے "تھے۔ علاوہ بریں محمد (صلعم) کو اس بات کا خاص خیال تھا کہ اس قدیم رسم کی تمام ضروری "باتیں اصلاح شدہ مذہب میں ملا دی جائیں۔ ایک کو دوسرے کے ساتھ اس طرح ملا دیا تھا "کہ وہ جدا نہیں ہو سکتے تھے"۔ (سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۱۶۹)۔

مگر باقیماندہ قبائل نے جواب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور جنوبی و مشرقی عرب کے سرداروں نے اس وجہ سے اسلام اختیار نہیں کیا کہ آنحضرت ؐ کا تسلّط مکّہ پر تھا اور اس میں کوئی پولٹیکل فوقیت نہیں تھی۔ تمام جزیرہ نمائے عرب میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ جو سردار مکّہ پر قابض ہو اُسی کو تمام ملک میں اقتدار مطلق حاصل ہو۔ آنحضرت ؐ نے تمام بُت پرستی کی رسموں کو جو قبول اسلام کی غرض سے بُت پرست عربوں کے لئے ملکی یا تمدّنی ترغیب کا کام دے سکتی تھیں۔ مکّہ کے فتح ہوتے ہی موقوف کر دیا تھا۔ سال میں دنوں کا اضافہ، اور اشہر الحرم (متبرّک مہینوں) کا تغیّر و تبدّل قرآن مجید کے ان صاف لفظوں میں ہمیشہ کے لئے منسوخ کر دیا گیا۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۥ — جس دن سے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں مہینوں کی شمار کتاب اللہ میں بارہ مہینے چلی آتی ہے۔ ان میں سے چار متبرّک ہیں دین کا سیدھا راستہ یہی ہے ۹ برءۃ

آتی تھی اُس کا عملی طور پر فیصلہ ہوگیا۔ تمام باقی ماندہ قبائل جو جنوب اور مشرق کی طرف رہتے تھے۔ اور اب تک اسلام نہیں لائے تھے۔ ہجرت کے نویں ۹ اور دسویں ۱۰ سال میں جلد جلد جوق جوق داخل اسلام ہونے لگے۔

۳۰۔ ان دونو سال میں جزیرہ نمائے عرب کے نہایت ہی بعید مقامات سے یمن اور حضرموت سے مہرہ، عمان اور بحرین سے جو جنوب میں واقع ہیں شام اور فارس کی سرحد سے قبول اسلام کی غرض سے مختلف قبیلوں کے وفد آنحضرت ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یمن اور مہرہ کے عمان، بحرین اور یمامہ کے بہت سے سرداروں اور شہزادوں نے جن میں عیسائی بھی تھے اور بُت پرست بھی، خط یا وفد کے ذریعہ سے اپنے مسلمان ہوجانے کی اطلاع دی۔ آنحضرت ؐ ان

۹ھ اور ۱۰ھ میں مختلف سفارتوں اور وفدوں کا آنحضرت ؐ کی خدمت میں حاضر ہونا۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝

(التوبہ ۹۔ آیات ۳۶۔ ۳۷)۔

مہینوں کا سرکا دینا ایک زائد کفر ہے جس کی وجہ سے کافر گمراہ ہوتے ہیں اس (مہینے) کو ایک سال حلال سمجھ لیتے ہیں اور اسی کو دوسرے سال حرام تاکہ جو مہینے اللہ نے حرام کئے ہیں اُن کی گنتی کو مطابق کرکے اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینوں کو حلال کرلیں اُن کی بداعمالیاں اُن کی نظروں میں زینت دی گئی ہیں اور اللہ اُن لوگوں کو جو کفر کرتے ہیں توفیق ہدایت نہیں دیتا۔

(التوبہ ۹۔ آیات ۳۶۔ ۳۷)۔

خانہ کعبہ کی تولیت اب کوئی عزت کا عہدہ یا حق نہ تھا۔ حج کی قدیم رسم اصلاح شدہ دین (مذہب اسلام) کے ساتھ ملا کر گڈمڈ نہیں کی گئی۔ کعبہ میں جو رسوم ادا ہوتی تھیں اُن میں بُت پرستی کے میلان کو نکال کر دفع کردیا گیا تھا اور حج کے باقیماندہ اور ضروری جزو (قربانی وغیرہ رسوم) کی عظمت کم کردی گئی:۔

لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ (حج ۲۲۔ آیۃ ۳۸)

نہ تو ان کے گوشت اللہ تعالیٰ تک پہنچتے ہیں اور نہ اُن کے خون بلکہ تمہاری پرہیزگاری اُس تک پہنچتی ہے۔ (حج ۲۲۔ آیت ۳۸)

علاوہ بریں بُت پرستوں کو کعبہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔

(بقیہ حاشیہ ملاحظہ ہو صفحہ ۵۶ پر)

وفدوں اور سفارتوں کے ہمراہ معلّموں کو ایسے مقامات پر بھیج دیا کرتے تھے جہاں وہ پہلے نہ بھیجے گئے ہوں۔ تاکہ وہ ان حدیث الاسلام اشخاص کو فرائض اسلام کی تعلیم دیں۔ اور بُت پرستی کا جو کچھ اثر باقی رہ گیا ہو، وہ محو ہو جائے۔

فہرست اُن وفدوں کی جو قبول اسلام کی غرض سے ۹ھ اور ۱۰ھ میں آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۱۳۱- ذیل میں ایک فہرست اُن مشہور و معروف وفدوں اور سفارتوں کی نیز اُن نامی گرامی اسلام لانے والے اشخاص کی درج کی جاتی ہے جو ان دو سالوں کے اندر آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ فہرست (انگریزی) حروف تہجّی کے لحاظ سے ترتیب دی گئی ہے۔ اشخاص و قبائل کی سکونت اور نسب کے متعلّق نوٹ بھی دئے گئے ہیں[1]۔ سر ولیم میور حالانکہ ہر نا معتبر روایت کو (اپنی کتاب سیرت محمدی میں) درج کر لینے کا خیال رکھتے ہیں اور تمام جھوٹی اور مصنوعی داستانوں کو جو اسلام کے حق میں مضر ہوں، ذوق و شوق کے ساتھ تناول فرماتے ہیں۔ مگر اُن کی رائے میں ان تمام سفارتوں کا شمار کرنا "طولِ مُمِل اور فعل عبث ہے"[2]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۵) مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰہِ شَاہِدِیْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ بِالْکُفْرِ (توبہ ۹- آیت ۱۷۰)۔ مشرکوں کو یہ حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد رکھیں (یعنی اُن میں داخل ہوں) حالانکہ وہ اپنے کفر کے آپ گواہ ہیں۔ (التوبہ ۹- آیت ۱۷۰)۔

خود سر ولیم میور نے آنحضرت صلعم کی بابت لکھا ہے:-

"کعبہ کی رسمیں باقی رکھی گئیں۔ مگر آنحضرت صلعم نے بُت پرستی کے ہر ایک میلان کو اُن سے بالکل دور کر دیا اور وہ اب تک ایک عجیب بے معنی کفن کے طور پر اسلام کی زندہ توحید کے گرد لپٹی ہوئی ہیں۔" (جلد اول مقدمہ صفحہ ۲۱۸)

[1] ان وفدوں کا حال معلوم کرنیکے لئے دیکھو ابن اسحاق (المتوفّی ۱۵۱ھ) ہشامی (المتوفّی ۲۱۳ھ)۔ ابن سعد (المتوفّی ۲۱۳ھ) سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد چہارم باب ۳۰ ام۔ سیرۃ شامی (المتوفّی ۹۴۲ھ) اور حلبی (المتوفّی ۱۰۴۴ھ) ان قبائل کے نسب ناموں کے لئے قلقشندی کا "لغت قبائل عرب" اور تاریخ ابن خلدون۔ ان قبائل کے مقامات سکونت کی بابت ناظرین کو عرب کے اس نہایت قابل قدر نقشہ کا حوالہ دیا جاتا ہے جو سر ولیم کی تاریخ خلفاء ابتدائی ار لی خلافت" مطبوعہ لندن ۱۸۸۲ء کے ساتھ شامل ہے۔ نیز دیکھو زرقانی جلد ۴۔ ابن ہشام صفحہ ۹۳۳۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۳۔

[2] سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد چہارم صفحہ ۱۸۱ و ۲۲۶ مطبوعہ ۔۔۔۔

(فاعتبروا یا اُولی الالباب ان ہذالشئی عجاب - مترجم) -

۱- بنی عامر - ۲ - بنی عبدالقیس - ۳ - بنی احمس - ۴ - بنی عنزہ -
۵- بنی اسد - ۶ - بنی ازد (شنوءہ) - ۷ - بنی ازد (عمّان) - ۸ - بنی باہلہ -
۹ - بنی بہراء - ۱۰ - بنی بجلہ - ۱۱ - بنی بکاء - ۱۲ - بنی بکر بن وائل -
۱۳ - بنی بلی - ۱۴ - بنی بارق - ۱۵ - بنی داری - ۱۶ - فروہ بن عمرو الجذامی -
۱۷ - بنی فزارہ - ۱۸ - بنی غافق - ۱۹ - بنی غامد - ۲۰ - بنی غسّان - ۲۱ - بنی ہمدان
۲۲ - بنی حنیفہ - ۲۳ - بنی حارث سکنہ نجران - ۲۴ - بنی ہلال بن عامر بن
صعصعہ - ۲۵ - بنی حمیر - ۲۶ - بنی جعد - ۲۷ - بنی جعفر بن کلاب بن ربیعہ -
۲۸ جیفر بن الجلندی - ۲۹ - بنی جہینہ - ۳۰ - بنی جعفی - ۳۱ - بنی کلب - ۳۲ - بنی
خثعم بن انمار - ۳۳ - بنی خولان - ۳۴ - بنی کلاب - ۳۵ - بنی کنانہ - ۳۶ - بنی
کندہ - ۳۷ - بنی مہرہ - ۳۸ - بنی محارب - ۳۹ - بنی مراد - ۴۰ - بنی منتفق -
۴۱ - بنی مرّہ - ۴۲ - بنی نخع - ۴۳ - بنی نہد - ۴۴ - بنی عذرہ - ۴۵ - بنی رہاء -
۴۶ بنی رواس - ۴۷ - بنی سعد ہذیم - ۴۸ - بنی صدف - ۴۹ - بنی سدوس
۵۰ - بنی سہم - ۵۱ - بنی ثقیف - ۵۲ - بنی سلامان - ۵۳ - بنی شیبان -
۵۴ بنی صداء - ۵۵ - بنی تغلب - ۵۶ - بنی تجیب - ۵۷ - بنی تمیم - ۵۸ - بنی
طے - ۵۹ - بنی زبید ؎

لے یہ بنی ہوازن کی ایک شاخ اور قبیلہ ثقیف کے ہم جدّی تھے - صوبہ نجد میں رہتے تھے اور معدّی نسل سے تھے - ۸ ہجری میں اس قبیلہ نے مسلمانوں کے برخلاف جنگ حنین میں باقی ماندہ بنی ہوازن کا کچھ زیادہ ساتھ نہیں دیا تھا مشہور شاعر لبید جو سبعہ معلقہ میں سے ایک قصیدہ کا مصنّف ہے اسی قبیلہ سے تھا - (دیکھو تذکرہ لبید از کتاب الاغانی جو مسٹر سی - جے لائل سی - ایس نے لبید کے قصیدہ پر ایک مضمون میں لکھا ہے - یہ مضمون ایشیاٹک سوسائیٹی بنگال کے رسالہ نمبر ۱ بابت ۱۸۷۷ء مطبوعہ کلکتہ کے صفحات ۶۲ لغایت ۶۶ پر درج ہے - معارف صفحہ ۱۶۹) -

۳۲- الغرض- ان تمام قبائل کے اسلام لانے اور تمام عرب میں سرعت کے ساتھ اسلام کے پھیل جانے کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ نہ تو ہتھیاروں کا استعمال کیا گیا- نہ جبر کیا گیا- نہ دھمکی دی گئی- اور نہ "ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار" لیکر اس کی اشاعت کی گئی- بُت پرست اعراب اور نصارٰے

تمام اشخاص اور قبائل بغیر کسی جبر و اکراہ کے مسلمان ہوئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵۷) ۲ے بنی عبد القیس بحرین کے رہنے والے تھے- اس قبیلہ کا حال فقرہ (۲۶) میں بیان ہو چکا ہے- اس سفارت میں بہت سے اشخاص شامل تھے- یہ لوگ اسلام قبول کرنے سے پہلے عیسائی تھے۔

۳ے یہ لوگ انمار کی اولاد میں تھے جو یمن کی قحطانی نسل سے تھا۔

۴ے بنی اسد کی ایک شاخ تھی- ربیعہ کی اولاد تھے جو معدی نسل سے تھا- یہ وہ لوگ ہیں جن کو برخارٹ (ایک یورپین سیاح نامی برکھارٹ) نے عنزی لکھا ہے۔

۵ے ان کا حال پہلے فقرہ (۲۶) میں بیان ہو چکا ہے- اس قبیلہ کے باقی ماندہ لوگوں نے اب اسلام قبول کر لیا- بیان کیا جاتا ہے کہ سورۂ حجرات ۴۹- آیت ۱۷- اسی قبیلہ سے متعلق ہے۔

۶ے بنی ازد (شنوءۃ) یمن کے رہنے والے تھے- یہ قبیلہ اُس ازدی قبیلہ کا ایک حصہ تھا جو اسوقت جب کہ ازد نے شمال کی طرف نقل مکان کیا، یمن میں رہ گیا تھا- وہ قحطان کی ایک شاخ اور قحطانی نسل سے تھے- یمن سے جانب شمال کوچ کرنے کے اثناء میں وہ عرصہ تک حجاز میں بمقام بطن مر جو مکّہ کے قریب ہے سکونت پذیر رہے- جب وہ ملک شام کے شمال کی طرف اور آگے بڑھے تو انہوں نے اپنا نام قضاعہ کو چھوڑ کر غسّان رکھ لیا- کیونکہ وہ راہ میں مدت تک اسی نام کے ایک چشمہ کے قریب مُقیم رہے تھے- بعد ازاں اوس اور خزرج دونو قبیلے ان غسّانیوں سے جدا ہو کر یثرب میں جو بعد میں مدینہ کے نام سے مشہور ہوا- جاکر آباد ہو گئے تھے- ازد کی سفارت جو یمن سے آنحضرت صلعم کی خدمت میں مدینہ میں حاضر ہوئی تھی اُس کا سردار صرد بن عبد اللہ ازدی نامی ایک شخص تھا- سر ولیم میور لکھتے ہیں :-

"محمد (صلعم) نے اس شخص کو اس قوم کا حاکم تسلیم کر لیا تھا اور قرب و جوار کے بُت پرست "قبیلوں سے جنگ کرنے کے لئے اس کو حکم دے دیا تھا" (سیرت محمد جلد چہارم صفحہ ۲۱۹) اصلی تذکروں میں عربی لفظ "یجاھد" (ابن ہشام صفحہ ۹۵۴- ابن سعد ۸۶) ہے جس کے معنے صرف "کوشش کرنا" ہیں اس کے معنے "جنگ کرنا" نہیں ہیں- جیسا کہ سر ولیم میور نے سمجھا ہے انہوں نے خود بھی اس لفظ کا ترجمہ جلد سوم صفحہ ۳۲ "کوشش کرنا" کیا ہے- اور اُسی جلد کے

(دیکھو صفحہ ۵۹)

ویہود جس کسی نے اسلام قبول کیا خوشی سے بطوع و رغبت اختیار کیا۔ اسلام
نے سالہا سال تک پیغمبر اسلام (صلعم) کی بعثت کے تیسرے[۵] سال سے ہجرت کے چھٹے[۶]
سال تک جو سولہ سال کی مدت ہوتی ہے نہایت سخت اذیتیں برداشت
کی تھیں مگر جس طرح مسلمانوں کے امن و اطمینان کے زمانہ میں اسلام نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵۷) صفحہ ۲۶۵ پر اُسی کا ترجمہ "سعی بلیغ کرنا" کیا ہے۔ میں نے اس کتاب کے ضمیمہ الف میں اس مضمون پر مفصل بحث کی ہے۔

۷؎ بنی ازد کی ایک اَور شاخ ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

۸؎ بنی باہلہ۔ جن کو "سعد مناۃ" بھی کہتے ہیں غطفان کی اولاد ہیں۔ جو معدی نسل سے تھا۔

۹؎ بنی بہراء (ابن عمرو بن الحاف بن قضاعہ جو حمیری نسل سے بنی قضاعہ کی ایک شاخ تھے۔ شمال کی طرف نقل مکان کر کے چلے گئے تھے۔ اور غسانی علاقہ میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ زرقانی جلد ۴ صفحہ ۶۶۔

۱۰؎ بنی بجلہ، خثعم کے ہم جدی اور انمار بن نزار کی اولاد میں تھے جو قحطانی نسل سے تھا یہ لوگ یمن میں رہتے تھے۔ بنی بجلہ نے قبول اسلام کے بعد مشہور بت "خلصہ" کو توڑ دیا تھا۔

۱۱؎ یہ لوگ بنی عامر بن صعصعہ کی ایک شاخ تھے۔ اور وسط عرب میں رہتے تھے۔

۱۲؎ یمامہ اور خلیج فارس کے ساحل کے قریب رہتے تھے۔ یہ ایک معدی قبیلہ تھا۔ جنگ بسوس بنی بکر اور اُن کے ہم جدی قبیلہ بنی تغلب کے درمیان چالیس سال تک جاری رہی۔ قبیلہ بنی بکر میں مشہور شعراء گزرے ہیں۔ منجملہ اُن کے طرفہ، حارث بن حلزہ اور میمون الاعشیٰ ہیں۔ بنی بکر اور تمیم باہم برسر جنگ تھے جو اسلام کی برکت سے اس وقت موقوف ہوئی جب کہ دونوں فریق نے آنحضرت صلعم کے زمانہ حیات میں اسلام قبول کر لیا۔

۱۳؎ بنی خزاعہ کی ایک شاخ، اور حمیری خاندان سے تھے جو قحطان کی نسل سے تھا۔ یہ لوگ عرب کے شمال میں مُلک شام کی سرحد پر غسانی علاقہ میں جا بسے تھے۔

۱۴؎ قبیلہ بنی قضاعہ کی ایک شاخ تھی۔ (ابن سعد ۹۹)

۱۵؎ قبیلۂ لخم کی ایک شاخ تھی۔

۱۶؎ یہ شخص فروہ بن عمرو الجذامی قبیلہ بنی جذام کا (زرقانی جلد ۴ صفحہ ۵۲) جو عرب کے شمال میں آباد تھا، ایک عرب تھا۔ اور غسانی علاقہ میں مُعان کا (رومیوں کی طرف سے) عامل تھا۔ اس نے ۸ھ میں ایک وفد کے ذریعہ سے اپنے اسلام لانے کا اظہار کیا۔ (ملاحظہ ہو ابن ہشام صفحہ ۹۵۸۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۶۔ ابن سعد ۱۰۱)۔ (باقی بر صفحہ ۶۸)

ترقی کی۔ اسی طرح اذیتوں اور مخالفتوں کے درمیان اس نے کامیابی حاصل کی۔ آنحضرت ؐ نے مکہ میں ظلم وستم کے جو مصائب کمال استقلال وثابت قدمی سے برداشت کئے۔ اور مدینہ میں بھی قریش وغیرہ کے جنگی حملوں کے خطرے صبرو استقامت سے جھیلے۔ اور جملہ باشندگان عرب بُت پرست اور یہود و نصاریٰ کو بطوع و رغبت

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵۹) ۱۷ اس قبیلہ کا حال پہلے فقرہ (۲۶) میں بیان ہو چکا ہے۔ ان کا وفد آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا جبکہ آپ تبوک سے واپس تشریف لائے تھے۔ زرقانی جلد ۴ صفحہ ۶۱۔

۱۸ یہ لوگ قحطانی نسل سے اور انمار کی اولاد تھے۔ ابن سعد ۹۹۔

۱۹ بنی ازد کی ایک شاخ تھی جو یمن میں رہتے تھے۔

۲۰ بنی ازد کے حال میں ان کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔

۲۱ بنی ہمدان قحطان کی اولاد میں تھے۔ یمن کے مشرق میں یہ ایک مشہور قبیلہ تھا۔

۲۲ قبیلہ بنی بکر کی ایک مسیحی شاخ تھی جو یمامہ میں رہتے تھے۔ سر ولیم میور سیرت محمدی جلد دوم صفحات ۳۰۳ و ۳۰۴ کے فٹ نوٹ میں یہ لکھتے ہیں:۔

"بنی حنیفہ کی سفارت کا حال یقیناً مذہب عیسوی کے زیادہ تر خلاف ہے مگر اس کے تفصیلی حالات "کی سند مشکوک اور مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ مسیلمہ نبی کاذب ان میں شامل تھا۔ اور اُس کے بے دینی "کے آیندہ دعاوی کی بابت کچھ خلاف قیاس اشارات پائے جاتے ہیں۔

"جب سفارت رخصت ہونے لگی تو محمدؐ (صلعم) نے اُن کو ایک برتن دیا جس میں اُس پانی کا "بچا ہوا کچھ حصّہ تھا۔ جس سے اُن کو پاک کیا گیا تھا، اور آپ نے اُن سے یہ کہا "جب تم اپنے ملک "میں پہنچو تو اپنے گرجاگھر کو توڑ کر یہ پانی اُس میں چھڑک دینا اور اس کی جگہ مسجد بنا دینا"۔ . .

" . . یہ کہانی مجھے خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ اَور کہیں ایسا بیان نہیں کیا گیا کہ محمد (صلعم) "نے عیسائیوں اور اُن کے گرجوں سے ایسی مخالفت ظاہر کی ہو۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ "وہ آپ کے مطیع بھی ہو گئے ہوں"۔

مصنف موصوف اپنی کتاب کی چوتھی جلد میں اس رائے کو بدل کر یہ لکھتا ہے:۔

"میں نے وہاں (جلد دوم) میں اس حکایت کو خلاف قیاس بیان کیا ہے مگر اب میں اس خیال کی طرف "مائل ہوں کہ محمد (صلعم) کی زندگی کے آخری ایک دو سال میں مسیحیت کے خلاف بہت کچھ مخالفانہ "جوش موجود تھا۔ جیسا کہ شامی اور عربی قبائل کے اقرار سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس سے اس قصہ کی تائید "ہوتی ہے"۔ (دیکھو سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد چہارم صفحہ ۲۱۸ فٹ نوٹ مطبوعہ سنہ ۶ء)۔ (باقی بر صفحہ ۶۱)

اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی *
یہ سب کچھ اس بات کا نتیجہ تھا کہ آپ اپنے مستحکم اصول کی بناء پر نہایت سختی اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۶۰) یہ مصنف کا خیال ہی خیال ہے اور آنحضرت ؐ کی طرف سے دین مسیحی کی مخالفت آپ کی زندگی میں کسی زمانہ میں بھی ثابت نہیں ہوتی۔ سوائے ان لوگوں کے جو آپ سے جنگ کرتے تھے۔ قرآن مجید کی آیہ مندرجہ ذیل سے ثابت ہوگا کہ میرا بیان کہاں تک صحیح ہے :۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ (البقرہ ۲۔ آیت ۵۹)

"بے شک جو لوگ ایمان لائے ہیں (مسلمان) اور جو لوگ یہودی اور عیسائی اور صابی ہیں۔ اُن میں سے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے اور اچھے کام بھی کرتے رہے۔ اُن کو اُن کا اجر اُن کے پروردگار کے پاس ملیگا اور اُن پر نہ خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے"۔ (البقرہ ۲۔ آیت ۵۹)

۲۳ یہ بھی یمن کا ایک عیسائی قبیلہ تھا جو بنی مذحج کی قحطانی نسل سے اور اسی لئے بنی کندہ کے حلیف تھے۔ اس سفارت کے دو شخصوں نے اسلام قبول کیا۔ جن میں سے ایک وفد کا سردار تھا جس کا نام عاقب یا عبدالمسیح تھا۔ باقی ماندہ اشخاص آنحضرت ؐ کی طرف سے اپنی تمدنی اور مذہبی آزادی کی حفاظت کی بابت پورا اطمینان حاصل کرکے واپس آگئے۔ (زرقانی جلد ۴ صفحہ ۴۹۔ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۹۰)۔ بنی حارث سکنہ نجران کی نسبت مزید اطلاع اصل کتاب (تحقیق الجہاد) کے فقرہ (۳۰) اور فقرہ (۳۸) کے فٹ نوٹوں میں ملے گی۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں :۔

"کاتب الواقدی صفحہ ۶۹۔ نصارائے نجران کے حالات مابعد وہاں درج کئے گئے ہیں وہ محمد (صلعم) کے
"باقی ماندہ زمانہ حیات اور حضرت ابوبکر رض کے تمام زمانۂ خلافت میں، عہدنامہ کے بموجب، اپنی زمینوں
"اور حقوق پر قابض رہے۔ پھر اُن پر رباخواری کا الزام لگایا گیا۔ اور حضرت عمر رض نے اُن کو ملک
"سے خارج کیا اور یہ لکھا :۔ (ملاحظہ ہو ابن سعد صفحہ ۱۰۳ جس میں اس مضمون پر پوری بحث کی
"گئی ہے"۔

"امیر المومنین عمر رض کا مراسلہ سکنہ نجران کے نام۔ ان میں سے جو شخص نقل مکان
"کرکے چلا جائے وہ اللہ تعالیٰ کی ضمانت میں ہے۔ کوئی مسلمان اُن کو ستانے نہیں پائیگا۔ اس
"عہدنامہ کے پورا کرنے کے لئے جو محمد (صلعم) اور ابوبکر رض نے اُن کو لکھا تھا۔
"اب شام اور عراق کے خواہ کسی سردار کے پاس وہ جائیں۔ ایسے سرداروں کو چاہیئے کہ اُن کو زمینیں دیں
"اور جو کچھ ان زمینوں میں کاشت کریں وہ اُن ہی کا مال ہوگا۔ یہ اُن کی اپنی زمینوں کا معاوضہ ہے کوئی
"اُن کو تکلیف دینے یا اُن سے بدسلوکی کرنے نہیں پائے گا۔ حملہ آوروں کے مقابلہ میں مسلمان اُن کی

کامل وفاداری سے الٰہی صداقت کا وعظ فرماتے تھے۔ اور بصدق دل اپنی رسالت کا یقین رکھتے تھے۔ [۱]

(۱ بر صفحہ ۶۴)

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵۷) " مدد کریں گے۔ اُن کا خراج دو سال کے لئے معاف کیا جاتا ہے۔ اُنکو بد اعمالیوں
" کے سوا کسی وجہ سے تکلیف نہیں دی جائیگی۔ ان میں بعض عراق میں اُترے اور کوفہ کے قریب
" بمقام نجرانیہ آباد ہوئے۔ چونکہ اس کارروائی کو جائز قرار دینے کے لئے اُن پر سودخواری کا الزام
" بیان کیا جاتا ہے۔ لہذا وہ عام روایت بالکل باطل معلوم ہوتی ہے۔ جس میں یہ بیان کیا گیا ہے
" کہ محمد (صلعم) نے اپنی وفات کے وقت یہ حکم دیا تھا کہ جزیرہ نمائے عرب کو اسلام کے سوا تمام دیگر
" مذاہب سے صاف کر دیا جائے۔" (سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد دوم صفحات ۳۰۱ و ۳۰۲ مطبوعہ ...)

۲۴ یہ لوگ اس بڑے قبیلہ غطفان کی اولاد میں تھے۔ جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

۲۵ بنی حمیر یمن کے رہنے والے تھے۔ حمیری اس قدر مشہور ہیں کہ اُن کا حال بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ رویان، معافر، ہمدان اور یزن کے حمیری شہزادوں نے جو سب یمن کے باشندے اور دین عیسوی کے پیرو تھے اسلام قبول کیا۔ اور اپنے اسلام لانے کا اعلان خطوط کے ذریعہ سے کیا۔ جو آنحضرت ؐ کی خدمت میں سفارتوں کی معرفت روانہ کئے گئے تھے۔ یہ سفارتیں آپ کی خدمت میں تبوک سے واپس آنے کے بعد پہنچی تھیں۔

۲۶ یا تو لخم کا ایک قبیلہ تھا اور یا بنی عامر کی ایک شاخ تھی۔

۲۷ قبیلہ بنی عامر بن صعصعہ جس کا بیان پہلے آچکا ہے۔ یہ اُسی قبیلہ کی ایک شاخ تھی۔

۲۸ جیفر بن الجلندی بادشاہ عمان تھا۔ اس نے ۸ یا ۹ ہجری میں مع باشندگان عمان کے اسلام قبول کیا۔ عمان کے لوگ ازدی نسل سے تھے۔ (ملاحظہ ہو ابن ہشام صفحہ ۹۷۱)۔

۲۹ ان کا حال فقرہ (۲۴) کے فٹ نوٹ میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔

۳۰ سعد العشیرہ کی ایک شاخ اور قحطانی نسل سے تھے۔ یہ قبیلہ یمن میں رہتا تھا۔ ابن سعد ۴۷۔ ان لوگوں میں ایک خاص تعصب تھا کہ وہ کسی جانور کا دل نہیں کھاتے تھے۔ آنحضرت ؐ نے اُن کے سردار کا یہ وہم اس طرح توڑا کہ ایک جانور کے دل کے کباب بنا کر اس کو کھلائے۔ (ابن سعد ۴۷ فارسی) مگر جب یہ کہا گیا کہ اس سردار کی ماں جو جرم دختر کشی کی مرتکب ہوئی تھی۔ دوزخ میں ڈالی گئی ہے۔ تو وہ لوگ نفرت کر کے چلے گئے۔ تاہم اُنہوں نے دوبارہ ایک اور وفد بھیجا اور آخر کار اسلام قبول کر لیا۔ (ابن سعد صفحہ ۷۵، فارسی)۔

۳۱ یہ لوگ دومۃ الجندل میں آباد تھے۔ جو آجکل جبل الجوف کہلاتا ہے اور عرب کے شمال میں واقع ہے۔ قبیلۂ بنی قضاعہ سے تھے جو حمیری نسل سے ہے۔

۳۲ یمن کی قحطانی نسل کا ایک قبیلہ تھا۔ وہ یمن میں اسی نام کے ایک پہاڑی علاقہ میں رہتے تھے۔

۳۳۔ اہل عرب کو اُن کی قومی بُت پرستی سے نکال کر ایک ایسے مذہب میں لانا جس میں خالص اور صحیح توحید تھی، آنحضرتؐ کے لئے کوئی آسان کام نہ تھا۔ عرب کی حالت یہ تھی

تلقین اسلام کے لئے آنحضرتؐ کے گردوپیش کے حالات مساعد نہ تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵۷) ۳۳؎ قحطانی نسل کا ایک قبیلہ اور ساحل یمن پر آباد تھا۔ ابن سعد ۷۴۔
۳۴؎ بنی عامر بن صعصعہ کا ایک خاندان تھا جو قبیلہ ہوازن سے تھا اور جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔
۳۵؎ خزیمہ کی اولاد میں تھے۔ جو معدی نسل سے تھا۔
۳۶؎ بنی کندہ کے شاہزادے، وائل بن حجر اور اشعث بن قیس تھے۔ پہلا شخص ساحل کا سردار تھا اور دوسرا حضر موت کا۔ جو عرب کے جنوب میں ہے۔ اُنہوں نے مع اپنے تمام قبائل کے اسلام قبول کر لیا۔ بنی کندہ کہلان کی نسل سے ایک طاقتور قبیلہ تھا (ابن ہشام صفحہ ۹۵۳۔ ابن سعد ۷۷)۔
۳۷؎ بنی عذرہ کا ایک خاندان تھا جو قبیلہ بنی قضاعہ سے تھے۔ جن کا حال فقرہ (۲۶) میں بیان ہو چکا ہے۔
۳۸؎ غطفان کی اولاد اور معدی نسل سے تھے۔ (زرقانی جلد ۴ صفحہ ۵۸۔ ابن سعد ۱۰۲)۔
۳۹؎ یہ لوگ ساحل یمن پر آباد تھے۔ اور قبیلہ مزی اور قحطانی نسل سے تھے۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۵۰ ابن سعد ۷۶)۔
۴۰؎ بنی عامر بن صعصعہ کے قبیلہ کی ایک شاخ تھی۔
۴۱؎ بنی ذبیان کی ایک شاخ تھی۔
۴۲؎ قحطانی نسل کا ایک قبیلہ تھا اور یمن میں سکونت پذیر تھا۔ اُن کے وفد میں دو۲ سو آدمی تھے کہتے ہیں کہ آخری وفد جو آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہی تھا۔ اس سے کچھ عرصہ پہلے حضرت علی (علیہ السلام) کو بنی نخع اور دیگر قبائل بنی مذحج کی طرف بغرض دعوت اسلام یمن بھیجا گیا تھا۔ (ابن سعد ۹۳)۔
۴۳؎ بنی قضاعہ کا ایک قبیلہ تھا اور یمن کی حمیری نسل سے تھا۔
۴۴؎ قبیلہ بنی قضاعہ کی ایک شاخ ہے جو ملک شام میں آباد تھی۔ جس کا حال فقرہ (۲۶) میں بیان ہو چکا ہے
۴۵؎ بنی مذحج کا ایک قبیلہ جو یمن کی قحطانی نسل سے تھا۔
۴۶؎ بنی عامر بن صعصعہ کا ایک قبیلہ تھا جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔
۴۷؎ بنی قضاعہ کا ایک قبیلہ اور معدی نسل سے تھا۔ اور بعض مورخین کے قول کے موافق ان کا نکاس یمن سے تھا۔
۴۸؎ حضر موت کی اولاد اور یمن کی قحطانی نسل سے تھے۔
۴۹؎ بنی حنیفہ کا ایک قبیلہ اور بکر بن وائل کی اولاد میں تھے۔ جس کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے۔

(باقی صفحہ ۶۴)

کہ قدامت پرستی میں بالکل ڈوبا ہوا تھا۔ اور کوئی صورت ایسی نظر نہ آتی تھی جس سے کسی مفید انقلاب کے پیدا ہونے کی توقع ہو بُت پرستی جس کا ملک میں عام رواج تھا۔ وہم پرستی جس کی جڑ قوم کے دل میں خوب جمی ہوئی تھی۔ مرئی اور مادّی معبودوں یعنے بتوں اور بغیر تراشے پتھروں کی پرستش جن کو آنکھ سے دیکھ سکتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۳)
۵۰ - بنی شیبان ؓ ایک قبیلہ اور بکر بن وائل کی اولاد میں تھے جس کا ذکر ہو چکا ہے۔
۵۱ - بنی ثقیف، معدی نسل کے قبائل مضر کی ایک شاخ تھے۔ وہ بنی ہوازن کی ایک شاخ اور بنی عدوان، غطفان اور سلیم کے ہم جدّی تھے۔ بنی ثقیف طائف میں رہتے تھے اور لات یا طاغیہ نام بُت کی پُوجا کرتے تھے۔ طائف کا ایک سردار مسمّی عُروہ بن مسعود قبول اسلام کی غرض سے مدینہ گیا تھا اس شخص کی عالی حوصلگی کا پہلا میلان یہ تھا کہ طائف واپس جاکر اس نے اپنے ہموطنوں کو اُن برکتوں میں حصہ لینے کے لئے دعوت دی جو نئے دین (اسلام) نے عطا کی تھیں۔ جب اُس نے اپنے اسلام لانے کا حال علی الاعلان بیان کیا تو ایک جماعت نے اس کو زخمی کیا اور وہ درجہ شہادت پر فائز ہوا۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۱۴ - زرقانی جلد ۴ صفحہ ۸)۔ مگر اس نے اہل طائف پر اسلام کا ایک عمدہ اور مفید اثر چھوڑا۔ ان لوگوں کے وفد میں چھ سردار اور اُن کے پندرہ بیس ہمراہی تھے۔ جناب پیغمبر (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خوشی سے اُن کو خیر مقدم کہا۔ اور اپنی مسجد کے صحن میں اُن کے آرام کے لئے ایک خیمہ نصب کیا۔ ہر روز شام کو کھانا کھانے کے بعد آنحضرت ؐ وہیں اُن سے ملاقات کرتے اور دین اسلام کی تعلیم دیتے تھے یہاں تک کہ اندھیرا ہو جاتا تھا۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۱۶) — سر ولیم میور لکھتے ہیں :—

”عُروہ کی شہادت سے باشندگان طائف پر الزام عائد ہوا اور وہ اُس مخالفانہ روش کے جاری
”رکھنے پر مجبور ہوئے جو انہوں نے پہلے سے اختیار کر رکھی تھی۔ مگر بنی ہوازن نے بسرکردگی مالک
”بن عوف النّصری لوٹ مار کے جو حملے اُن لوگوں پر کئے اُن سے اُن کو سخت تکلیف ہونے لگی۔ اس
”سردار (مالک) نے اپنے عہد و پیمان کے بموجب اہل طائف کے برخلاف روز افزوں غارتگری
”کی جنگ قائم رکھی“۔ (سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۲۰۴)۔

صفحہ ۱۵۵ پر مالک کی نسبت صاحب موصوف یہ لکھتے ہیں :—
”اپنی سرداری پر مستقل ہو کر، اُس نے اہل طائف کے ساتھ دائمی جنگ جاری رکھنے کا عہد و
”پیمان کر لیا“۔

مگر مالک کے ساتھ اس قسم کا کوئی عہد و پیمان نہیں ہوا تھا۔ وہ سند (ہشامی) جس کا حوالہ سر ولیم میور نے دیا ہے اُس میں اس ادّعائی عہد و پیمان کا کچھ ذکر نہیں (باقی بر صفحہ ۶۵)

اور ہاتھ سے چھو سکتے ہیں۔ اور غیر مرئی جنّات اور دیگر ارواح خبیثہ کا خوف ان سب باتوں نے اہل عرب کے دلوں کو ایک سخت اور صریح غلامی میں جکڑ بند کر رکھا تھا۔ عرب بُت پرستی کے عقیدہ پر جما ہوا اور اُس پر نہایت مصر تھا اور چونکہ اس جزیرہ نماء کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵۷) (دیکھو ہشامی صفحہ ۸۷۹) ہشامی میں صرف اس قدر ہے کہ آنحضرت ؐ نے مالک کو اس کے قبیلہ کے اُن لوگوں کا سردار بنایا تھا۔ جو مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ خاندان ثمالہ۔ سلمہ اور فہم تھے۔ اور مالک اُن کی ہمراہی میں بنی ثقیف کے ساتھ لڑا کرتا تھا۔

سر ولیم میور آگے چلکر یہ بھی لکھتے ہیں کہ اہل طائف نے آپس میں یہ بات کہی تھی کہ "ہم کو ارد گرد کے اُن قبائل عرب سے لڑنے کی تاب نہیں ہے جو محمد (صلعم) سے بیعت کر چکے ہیں (یعنے اسلام لا چکے ہیں)۔ اور آپ کی حمایت میں جنگ کرنے کا قول و قرار کر چکے ہیں۔ (جلد چہارم صفحہ ۲۰۵ - ابن ہشام صفحہ ۹۱۵)۔

جن الفاظ پر میں نے خط کھینچا ہے۔ وہ اصل اسناد (کتابوں) میں پائے نہیں جاتے ہشامی صفحہ ۹۱۴ پر یہ الفاظ ہیں۔ "بایعوا و اسلموا" یعنے انہوں نے بیعت کی اور اطاعت کی یا اسلام قبول کیا۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۱۴ تا ۹۱۹ - زرقانی جلد ۴ صفحہ ۸)۔

۵۲ بنی قضاعہ کی اولاد تھی اسی نام کی ایک پہاڑی (سلامان) پر رہتی تھی۔ زرقانی جلد ۴ صفحہ ۷۔

۵۳ بکر بن وائل کی شاخ اور اس کی نسل سے تھے۔ ابن سعد ۸۰۔

۵۴ یمن کی قحطانی نسل کا ایک قبیلہ تھا۔ ابن سعد ۷۶۔

۵۵ بنی تغلب بن وائل معدی نسل کا ایک قبیلہ تھا۔ یہ لوگ مکی الاصل اور بنی بکر بن وائل کے ہم جدی تھے اُن کی جنگیں تواریخ عرب میں مشہور ہیں۔ بنی بکر کے حال میں جنگ بسوس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے یہ ہم جدی قبیلے یعنے بنی بکر اور بنی تغلب، یمامہ، بحرین، نجد اور تہامہ میں رہتے تھے۔ مگر آخر کار بنی تغلب نقل مکان کر کے عراق عرب میں چلے گئے۔ اور انہوں نے دین مسیحی اختیار کر لیا۔ اُن کے وفد کے لوگ جو آنحضرت ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، طلائی صلیبیں پہنے ہوئے تھے۔ جب اُن سے اسلام لانے کے لئے کہا گیا تو اُنہوں نے اس کو قبول نہیں کیا۔ مگر یہ وعدہ کیا کہ ہم اپنی اولاد کو مسلمان ہونے کی اجازت دیتے ہیں۔ آنحضرت ؐ نے اُن کو بدستور دین مسیحی پر قائم رہنے دیا۔ اُن کی مسیحیت محض برائے نام تھی۔ حضرت علی ؑ خلیفہ چہارم نے اُن کی بابت یہ الفاظ کہے تھے۔ "بنی تغلب مسیحی نہیں ہیں۔ اُنہوں نے مسیحیت سے صرف شراب خواری کی رسم مستعار لی ہے" (دوزی ہسٹری اسپین جلد ا صفحہ ۲ فرنچ اڈیشن)

۵۶ بنی کندہ کا ایک قبیلہ جو یمن کے قبیلہ سکون کی ایک شاخ تھا۔ (زرقانی جلد ۴ صفحہ ۵۹ - ابن سعد ۷۲)

۵۷ بنی تمیم طابخہ بن الیاس کی اولاد سے تھے جو معدی نسل سے تھا۔ یہ لوگ نجد کی تاریخ میں مشہور ہیں اور نجد کے شمال مشرقی صحرا میں سرحد شام سے یمامہ تک آباد تھے۔ وہ بنی بکر بن (باقی بر صفحہ ۷۴)

آبادی کثرت سے دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور ملک میں ایک باضابطہ نظام تھا۔اس لئے اول تو قومی اعزاز کے خیال نے اور بعد ازاں تلوار نے بُت پرستی کی حمایت کی۔

ڈاکٹر مارکس ڈاڈس لکھتے ہیں :۔

دو درحقیقت یہ کام جو محمد (صلعم) نے اختیار کیا تھا اُمید دلانے والا کام نہ تھا۔جبکہ آپ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵۷) عبد مناۃ کے ساتھ جو معدی نسل اور کنانہ کی اولاد سے تھے ۶۱۵ء سے ۶۳۰ء تک برابر لڑتے رہے۔ اس قبیلہ کی تمام شاخیں جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئی تھیں۔اب ۹ھ میں مسلمان ہو گئیں۔

۵۸ بنی طے یمن کی قحطانی نسل کا ایک بڑا قبیلہ تھا۔اور شمال کی طرف حرکت کر کے کوہ اجا اور کوہ سلمےٰ میں جو نجد اور حجاز کے شمال کی طرف واقع ہیں اور قصبۂ تیما میں جا بسے تھے۔ انہوں نے دین مسیحی اختیار کر لیا تھا۔مگر بعض یہودی اور بُت پرست تھے۔ اُن کی خانہ جنگی کا حوالہ فقرہ (۲۶) میں دیا گیا ہے یہ قبیلہ اب کل کا کل مسلمان ہو گیا۔سر ولیم میور لکھتے ہیں :۔

"بنی طے کا ایک وفد بسرکردگی اپنے سردار مسمی زید الخیل کے۔حضرت علیؑ کی مہم کے تھوڑے عرصہ بعد قیدیوں "کو فدیہ دے کر چھڑانے کے لئے مدینہ میں آیا۔ آنحضرتؐ زید سے مل کر خوش ہوئے جس کی شہرت "بحیثیت ایک سُورما اور ایک شاعر کے آپ عرصہ سے سُنتے رہے تھے۔ آپ نے اس کا نام تبدیل "کر کے زید الخیر (یعنی صاحب خیر) رکھا۔ اس کو مفصلات کا ایک بڑا قطعہ عطا فرمایا۔ اور بہت "سے تحائف دے کر رخصت کیا۔" (سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد چہارم صفحہ ۱۷۸۔ یا ابن "ہشام صفحہ ۹۴۷۔ زرقانی جلد ۴ صفحہ ۲۹)۔

۵۹ یہ قبیلہ سعد العشیرہ کی ایک شاخ تھا۔ جو قبیلہ مذحج اور نسل قحطان سے تھا۔یہ لوگ یمن کے ساحل پر آباد تھے۔ ابن ہشام صفحہ ۹۰۱ ۔ ابن سعد ۷۷۔

حاشیہ صفحہ (۶۲)

۱ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد تقریباً تمام عرب کی بغاوت جس کو غلطی سے ارتداد (مذہبی انحراف) کہتے ہیں۔ وہ خاص کر حضرت ابو بکرؓ کی سلطنت کے خلاف تھی۔ جو اسلام کی جمہوری سلطنت کے پہلے خلیفہ ہوئے۔ مکّے کے سرداروں کو تمام عرب پر اس قسم کا اقتدار مطلق کبھی حاصل نہیں ہوا تھا۔ اور عرب اس نئی قسم کی سلطنت کے عادی نہ تھے۔ وہ نہ تو اسلام کے خلاف باغی ہوئے اور نہ اپنے مذہب سے منحرف اور مُرتد ہوئے۔ باستثنائے معدودے چند جو کچھ عرصہ کے لئے مسیلمہ کذاب کے پیرو ہو گئے تھے۔

"یہ تجویز کی کہ اُن قبائل کو جن پر کسی مذہب کا گہرا رنگ چڑھ نہیں سکتا تھا اور جن میں باہم
"دگر ایسا اختلاف تھا کہ کسی طرح مٹ نہیں سکتا تھا۔ مذہب کے ذریعہ سے ملا جُلا کر ایک
"قوم بنا دیا جائے، اُن رسموں کو جو نہایت ہی قدیم ہونے کی وجہ سے جائز اور پسندیدہ
"ہوگئی تھیں، مٹا دیا جائے۔ اور اُس بُت پرستی کو جڑ بنیاد سے اُکھیڑ کر پھینک دیا جائے
"جس کا اہل عرب کی رُوحانی فطرت پر اگر کوئی گہرا اثر نہ پڑا تھا تو کم از کم قدیم خاندانی روایات
" اور متعارف قومی اغراض سے وابستہ تھی۔[1]

وہ **قُربانیاں** (یعنے ضبط نفس کی عادات) جو اسلام اختیار کرنے کی صورت میں عمل میں لائی جاتی ہیں۔ وہ ضروریات جن پر اسلام کا دارومدار ہے۔ اس کے بے شمار نواہی۔ قدیم **تعصّبات** سے فی الفور رُوگردانی، تمام قسم کی بُت پرستی اور وہم پرستی کا ترک کرنا، منظور نظر بُتوں کو اُٹھا کر پھینک دینا۔ **اوارگی واوباشی** کی رسموں اور عادتوں کو چھوڑ دینا۔ نفسانی لذّتوں کے عیوب سے قطعی اجتناب کرنا عملی نتیجہ پیدا کرنے کی غرض سے قوّت ارادی اور خصلت پر دباؤ ڈالنا۔ اور پاک اور مذہبی زندگی بسر کر کے مادّی (دُنیوی) منافع حاصل کرنا۔ **یہ تمام امور اسلام کی سریع السّیر ترقّی کے لئے ایسی سخت رکاوٹیں تھیں جن سے گُزر جانا محال تھا۔**

باوجود ان مزاحمتوں کے آنحضرت ؐ کو اپنے مذہب کی قوّت کی بدولت اس بات میں کامیابی حاصل ہوئی۔ کہ آپ نے وحشی اور آزاد قبیلوں کو ملا جُلا کر ایک قوم بنا دیا۔ اُن کے باہمی جنگ و جدل کا خاتمہ کر دیا۔ اُن عادتوں کو جو نہایت قدیم ہونے کی وجہ سے جائز و پسندیدہ قرار پا چکی تھیں ترک کرا دیا اور قومی بُت پرستی کے درخت کو جس نے دیسی پودے کی طرح اپنی مناسب حال سرزمین (عرب) میں نشوونما

---

[1] "محمد۔ بُدھ اور مسیح" از مارکس ڈاڈس ڈی ڈی۔ صفحہ ۸۳

پایا تھا جڑ سے اُکھاڑ پھینکا۔ بغیر اس کے کہ آپ کی راستی، صداقت اور دیانت کے مستحکم اصول میں کسی نوع کا خلل واقع ہو۔ اور بغیر اس کے کہ قوم کی بُرائیوں اور بیہودہ توہّمات کو اختیار کیا جائے۔

ڈاکٹر موشیم کی رائے یہ ہے :۔

"اس نئے مذہب کی سُبک سَیر ترقی کے اسباب کا پتہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ محمد (صلعم)
"کا قانون انسان کے قدرتی میلان طبع کے لئے اور بالخصوص اُن اطوار و خیالات وعیوب کے
"لئے جو اہل مشرق کے درمیان رائج تھے نہایت عمدہ طور پر موزون تھا۔ کیونکہ وہ نہایت ہی
"سادہ تھا۔ اس نے چند گنتی ہی کے عقائد پیش کئے ہیں اور ایسے فرائض پر زور نہیں دیا
"جو تعداد میں زیادہ ہوں اور جن کا بجالانا دشوار ہو یا جن کی وجہ سے نفسانی خواہشوں
"کے پورے ہونے میں سخت مزاحمت ہو۔"[1]

تواریخ مذاہب کے مطالعہ سے یہ امر عیاں ہے کہ لوگ بالعموم اس بات کی نہایت ہی کوشش کرتے ہیں کہ ہم میں جو بُرائیاں پائی جاتی ہیں، اُن کے لئے کسی طرح مذہبی منظوری کا پروانہ مل جائے۔ مگر اس بات میں کچھ شک نہیں۔ کہ آنحضرت ؐ نے عرب کی طرح طرح کی بُت پرستیوں اور مذہبی توہّمات کی ہرگز منظوری نہیں دی۔ اور نہ آپ نے لوگوں کے مذاق اور خیالات کے موافق اپنے مذہبی مسائل کو وضع کیا۔ آپ نے قوم میں جن جن باتوں کو قابل الزام پایا اُن کے خلاف زور و شور کے ساتھ وعظ فرمایا۔ آپ نے نہ تو اُن کے پیارے بُتوں اور عزیز دیوتاؤں کو چھوڑا اور نہ اُن جنّات ہی کو جن سے وہ ڈرتے تھے اور نہ اپنے وعظ و نصیحت اور اصلاح و ہدایت میں کوئی ایسی تبدیلی کی جس سے اُن لوگوں کو اپنی بداطواریوں میں منہمک رہنے کا موقع مل سکے۔ اور نہ اُن عیوب میں سے جو قوم میں رائج تھے

[1] تاریخ کلیسا، از موشیم۔ کتاب دوم۔ باب سوم صفحہ ۷۳، مطبوعہ سنہ ۔

کسی عیب کو اپنی تعلیم و تلقین میں داخل کیا۔
آنحضرت ؐ نے نفس امّارہ کی خواہشوں کے روکنے پر یقیناً زور دیا ہے۔ اور قلب کے افعال کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ قرار دیا ہے اور اندرونی پاکی کو ظاہری مراسم پر ترجیح دی ہے (جیساکہ آیات ذیل سے ثابت ہوتا ہے):۔

۵۳۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ (یوسف ۱۲۔ آیت ۵۳)۔	۵۳۔ نفس تو البتہ بدی کی طرف مائل کرتا رہتا ہے۔ (یوسف ۱۲۔ آیت ۵۳)۔
۳۸۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ○ (بنی اسرائیل ۱۷۔ آیت ۳۸)	۳۸۔ کان، آنکھ اور دل ان سب سے سوال کیا جائے گا۔ (بنی اسرائیل ۱۷۔ آیت ۳۸)
۲۲۵۔ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (البقرہ ۲۔ آیت ۲۲۵)	۲۲۵۔ تمہاری قسموں میں جو لایعنی ہیں (بلاقصد صادر ہوں) اُن پر اللہ تعالیٰ تم سے کوئی مواخذہ نہیں کرتا، مگر ان قسموں پر ضرور مواخذہ کریگا جو تم نے اپنے دل کے ارادہ سے کی ہیں۔ اور اللہ غفور و حلیم ہے۔
۲۸۴۔ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ۔ (البقرہ ۲۔ آیت ۲۸۴)۔	۲۸۴۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے۔ جو کچھ تمہارے دل میں ہے اگر تم اس کو ظاہر کرو یا اس کو چھپاؤ اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لیگا۔ پھر جس کو وہ چاہے بخشے اور جس کو چاہے عذاب دے۔ اور اللہ تعالےٰ ہر شے پر قادر ہے۔ (البقرہ ۲۔ آیت ۲۸۴)
۵۔ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ۔ (الاحزاب ۳۳۔ آیت ۵)	۵۔ اور تم سے اس معاملہ میں غلطی ہوجائے تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ مگر دل کے ارادہ سے ایسا کرو تو البتہ گناہ ہے)۔ (الاحزاب ۳۳۔ آیت ۵)

قرآن مجید کی تعلیم ہمارے طبعی میلان کو ضابطہ کا پابند رکھتی ہے۔ وہ لوگوں کے دلوں پر زور ڈالتی ہے۔ **اندرونی پاکیزگی** کی بابت احکام مندرجہ ذیل پر غور کرو:-

۱۲۰۔ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ (الانعام ۶ - آیت ۱۲۰)۔	۱۲۰۔ اور ظاہری گناہ اور باطنی گناہ (دونو) سے بچتے رہو۔ (الانعام ۶ - آیت ۱۲۰)
۱۵۲۔ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ (الانعام ۶ - آیت ۱۵۲)	۱۵۲۔ اور بے حیائی کی باتیں جو ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ اُن کے پاس بھی نہ جانا (الانعام ۶۔ آیت ۱۵۲)
۳۱۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ (الاعراف ۷ - آیت ۳۱)	۳۱۔ (اے پیغمبر!) کہو کہ میرے پروردگار نے تو بیحیائی کے کاموں کو خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ۔ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ (الاعراف ۷۔ آیت ۳۱)

ڈاکٹر موشیم کے اسباب اشاعت اسلام کا ذکر کرنے کے بعد میں اسلام کے اسباب کامیابی کی بابت ہنری ہیلم کی رائے نقل کروں گا۔

ہنری ہیلم نے اسلام کی کامیابی کے **تین** بڑے بڑے سبب بیان کئے ہیں جن میں سے **پہلا سبب** یہ لکھا ہے کہ "خدا کی ذات اور اخلاقی فرائض کی بابت وہ صحیح اور اعلےٰ خیالات یعنی قرآن کی زرّیں تعلیم جو اس طرح چھائی ہوئی ہے جیسے سونے کی دھات میل مٹی میں[1] ملی ہوئی۔ اور قیاس کیا جاتا ہے کہ ان خیالات نے

[1] قرآن مجید کی تعلیم خالص کُندن کی مانند ہے۔ اس میں میل مٹی یا کثافت کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ خدا کی ذات وصفات اور رُوحانی اور اخلاقی اصول وغیرہ امور کو جیسا مکمّل اور مدلّل قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ آج تک دُنیا کی کسی الہامی اور غیر الہامی کتاب نے بیان نہیں کیا۔ بائبل میں تو خدا کی بابت ادنےٰ درجہ کے خیالات پائے جاتے ہیں اور انبیاء (علیہم السّلام) جو دُنیا کے لئے نمونہ ہوسکتے ہیں اُن کی اخلاقی حالت ایسی پست دکھائی گئی ہے کہ ایک معمولی انسان کا اخلاق بھی اس سے بدرجہا بہتر ہوتا ہے۔ برخلاف قرآن مجید کے کہ وہ ہر ایک اعتبار سے اکمل و افضل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن اللہ تعالےٰ کی آخری اور خالص وحی ہے اور بائبل میں خدا اور انسان دونو کا کلام مخلوط ہوگیا ہے۔ جیسا کہ خود عیسائیوں کو اقرار ہے۔ ان امور کی تفصیل اپنے محل پر موجود ہے۔ یہاں اس قدر اشارہ کافی ہے۔ (مترجم)

ایک سنجیدہ اور غور و فکر کرنے والی قوم کے دل پر اثر کیا۔" پھر باقی ماندہ دو سبب بیان کر کے جو ہمارے خلاف نہیں ہیں، یہ لکھتے ہیں :-

"شاید توقع کی جائے کہ میں اس پر اُس سبب کا بھی اضافہ کروں جو عموماً دین محمدی
"کا امتیازی نشان سمجھا جاتا ہے۔ یعنے اس کا انہماک ہوا و ہوس اور عیش پرستی
"میں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بڑا مبالغہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ پیغمبر اسلام کی خصلت پر
"ہوا پرستی بمعنی خونخواری کا عیب لگایا جا سکتا ہو۔ مگر میں خیال نہیں کرتا کہ آپ نے
"اپنے دین کی اشاعت کے لئے پہلی قسم کی ترغیبوں پر بھروسا کیا ہو۔ ہم کو مسیحی پاکیزگی یا
"یوروپین طرز عمل کی رُو سے اُس پر رائے زنی نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر کثرت ازدواج کا
"عرب میں عام رواج تھا جس میں کسی کو کلام نہیں۔ تو اس فعل کی اجازت نے محمد (صلعم)
"کے پیروؤں کو کوئی مزید آزادی نہیں دی۔ بلکہ یہ بات پائی جاتی ہے کہ آنحضرت ؐ نے
"اس بارہ میں مشرقی اطوار کی غیر محدود آزادی کو محدود کر دیا تھا۔ اور جس حالت میں
"آپ نے عام زناکاری اور خویش و اقارب کے ساتھ ناجائز تعلّقات کو جن کا رواج
"وحشی قوموں میں بہ کثرت ہوتا ہے، قطعی طور پر قابل سزا قرار دیا ہو تو یہ اس امر کی
"دلیل نہیں ہے کہ آپ کا قانون اخلاق بہت ڈھیلا اور وحشی قوموں کے مناسب
"حال ہے۔ ایک پکّا مسلمان بہ نسبت شکم پروری کے زیادہ تر پارسائی کی عادت ظاہر
"کرتا ہے۔ اور جو شخص قرآن کو پڑھتا ہے ممکن نہیں کہ اُس کو اس بات کا احساس پیدا
"نہ ہو کہ قرآن زہد۔ اتّقا اور احتیاط کی رُوح پھونکتا ہے۔ درحقیقت ایک جدید مذہب
"یا فرقہ کے بانی کو عام نوع انسان کی بدیوں یا عیش پرستیوں میں مستغرق رہ کر مستقل
"کامیابی حاصل کرنے کی بہت کم توقع ہوتی ہے۔ میرا میلان تو زیادہ تر اس امر کی
"طرف ہونا چاہیئے۔ محمد (صلعم) کی تعلیم کی سختی کو اس کے اثر کے اسباب میں محسوب کروں
"چونکہ مذہبی رسوم کی پابندی کے احکام ہمیشہ قطعی صاف اور غیر مشتبہ ہوتے ہیں۔ اس لئے

"جب اُن کی فرضیت مسلّم ہو چکی، تو بہ نسبت اخلاقی نیکیوں کے اُن سے غافل ہونے کا
"احتمال بہت کم ہے۔ لہٰذا مدّت تک روزے رکھنا، حج کرنا، باقاعدہ نمازیں پڑھنا
"وضو اور غسل کرنا، ہمیشہ زکوٰۃ ادا کرنا، مسکرات سے پرہیز کرنا، جن کی تاکید
"قرآن میں ہے۔ اِن تمام احکام نے پیروانِ اسلام کے درمیان ایک نمایاں معیار
"عمل پیدا کر دیا تھا۔ اور وہ اپنے قانون کو ہمیشہ یاد رکھتے تھے۔

"مگر اسلام کی اشاعت پیغمبر اسلام کے زمانۂ حیات میں اور اسلام کی زندگی کے
"ابتدائی قرنوں میں زیادہ تر مادّی قوتوں کے اُس جوش کی بدولت ہوئی جو آنحضرتؐ
"نے اُس کے اندر ڈال دیا تھا۔ محمد (صلعم) کا مذہب ایسا ہی خالص جنگی نظام ہے
"جیسا کہ یوروپ کے مغرب میں شولری (شجاعت) کا آئین۔ اہل عرب جو قوی جذبات
"رکھتے تھے، خونخوار طبیعت والے اور قتل و غارت کی عادتوں کے خوگر تھے۔ انہوں نے
"دیکھا کہ ہمارے ملکی پیغمبر کے قانون میں، دنیا کو تباہ اور ویران کرنے کے لئے اجازت
"نہیں بلکہ حکم موجود ہے اور اُن کے روشن تخیّل فردوس کی بابت جن چیزوں کی توقّع
"رکھ سکتے تھے، اُن کے ملنے کا وعدہ۔ اور مزید براں اُن اشیاء کے حصول کا بھی وعدہ
"کیا گیا ہے جن سے وہ متمتّع ہوتے تھے"۔[1]

ڈاکٹر موسہیم کی رائے کی تردید کے لئے یہی (ڈاکٹر ہیلم کی) رائے کافی ہے۔ مگر پیغمبر (صلعم) کے زمانہ حیات میں اور اسلام کی زندگی کے ابتدائی قرنوں میں اشاعت اسلام کی بابت جو کچھ ہیلم نے کہا ہے کہ "اہل عرب جو قوی جذبات رکھتے تھے، خونخوار طبیعت والے اور قتل و غارت کی عادتوں کے خوگر تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ہمارے ملکی پیغمبر کے قانون میں دُنیا کو تباہ اور ویران کرنے کے لئے اجازت نہیں بلکہ حکم موجود ہے"۔ یہ بات بے بُنیاد اور ناقابل اعتبار ہے۔ دنیا کے

[1] "قرون متوسط" از ہیلم، جلد دوم صفحہ ۱۱۸ و ۱۱۹ مطبوعہ ۔

تباہ اور برباد کرنے کے لئے کوئی اجازت یا حکم نہ تھا، اور نہ اس غرض کو مدّنظر رکھکر کسی شخص یا قبیلے کو مسلمان کیا گیا۔ قرآن مجید کی تمام تعلیم اور اسلام کی ابتدائی اشاعت کی تاریخ اس خیال کو غلط ثابت کرتی ہے۔

۳۴۔ میں یہاں لحہ بھر کے لئے توقّف کرتا ہوں۔ اور ناظرین کتاب کی اتنی عنایت کا طالب ہوں کہ وہ ان واقعات پر غور کریں کہ آنحضرت صلعم اور آپ کے ابتدائی پیروؤں نے کیسے کیسے دُکھ اُٹھائے اور کیسی کیسی ذلتیں سہیں کیسے کیسے ظلم و ضرر برداشت کیے۔ وطن سے بیوطن کئے گئے، اُن پر حملے کئے گئے[۱]

آنحضرت صلعم کا مستحکم یقین اپنی نبوّت پر اور آپ کی کامیابی آپ کو سچّا پیغمبر ثابت کرتی ہے۔

[۱] آنحضرت صلعم کے ابتدائی پیروؤں نے صبر و استقلال سے ظلم و ستم اور جلاوطنی کی برداشت کی اور ہرگز اسلام سے برگشتہ نہ ہوئے۔ غور کرو ان ابتدائی مسلمانوں کی تعداد میں کبھی روزافزوں ترقی ہوئی اُنہوں نے کیا جوانمردانہ تحمل کیا۔ اپنے عزیزوطنوں اور رشتہ داروں کو خود بخود چھوڑ دیا۔ اور اپنا خون بہاکر پیغمبر (صلعم) کی حفاظت کی۔ حضرت عیسےٰ ع کی تمام زندگی میں دین عیسوی قبول کرنے والوں کی تعداد ایک سو بیس سے زیادہ نہ تھی (اعمال ۱۔ ۱۵) اُن کا خیال تھا کہ حضرت مسیح ع دنیوی سلطنت کے مالک ہوں گے۔ اور وہ خطرہ کی پہلی ہی آواز سُن کر کافور ہوگئے۔ آپ کے دو شاگردوں (حواریوں) نے مقام اِماؤس کی طرف جاتے ہوئے یہ کہا تھا "ہم کو یہ اُمید تھی کہ یہی بنی اسرائیل کو نجات دلانے والے ہوں گے"۔ اور حسب عقیدہ عیسائیان حضرت عیسےٰ کے دوبارہ جی اُٹھنے کے بعد ایک حواری نے آپ سے پوچھا "اے خداوند! کیا آپ اس وقت بنی اسرائیل کی سلطنت کو دوبارہ قائم کریں گے"۔

سرولیم میور لکھتے ہیں:۔

"اسلام اور مسیحیت کے ابتدائی زمانہ میں جب کہ ان دونو مذہبوں کا باہمی مقابلہ کیا جانا ممکن ہے تکلیفیں "اُٹھانا اور محرومیاں برداشت کرنا دونو مذہبوں کی قسمت میں تھا۔ مگر محمد (صلعم) کی تیرہ سال کی رسالت "نے ظاہر بین نظر میں حضرت عیسےٰ ع کے مدت العمر کے کام کی بہ نسبت بہت زیادہ انقلاب پیدا کیا ہے۔ "حواریان مسیح ع تو خطرہ کی آواز سُنتے ہی بھاگ گئے تھے۔ اور جن پانسو آدمیوں نے ہمارے "خداوند (مسیح) کو دیکھا تھا۔ اُن میں اندرونی کام (رُوحانی اثر) خواہ کیسا ہی گہرا ہو مگر اس نے اب "تک بیرونی عمل پیدا نہیں کیا تھا۔ اُن میں خود بخود ترک وطن کرنے اور سینکڑوں آدمیوں کے ہجرت "کرجانے کا وہ خیال نہیں ہوا تھا جو ابتدائی مسلمانوں کا مابہ الامتیاز تھا۔ اور جیساکہ ایک اجنبی شہر "(مدینہ) کے مسلمانوں نے اپنا خون بہاکر اپنے پیغمبر کی حفاظت کا پُرجوش عزم کیا تھا۔ ویسا عزم بھی حواریان "مسیح میں موجود نہ تھا"۔ (سرولیم میور سیرت محمدی جلد دوم صفحہ ۲۷۴)۔

پھر بھی آپ اپنی قوم کی مکروہ بُت پرستی اور بد اخلاقی کے خلاف وعظ و نصیحت فرماتے رہے۔ اور آپ کے پائے ثبات کو ذرا لغزش نہ ہوئی۔ یہ تمام باتیں ثابت کرتی ہیں کہ آپ کو اپنی نبوّت کا سچّا یقین تھا، اور توحید باری اور دیگر اخلاقی اصلاحوں کے متعلّق وحی الٰہی کی صداقت کی اشاعت کے لئے آپ کے قلب میں کیسی قدرتی تحریک تھی جو کسی کے روکے رُک نہیں سکتی تھی۔ آپ کے مواعظ متعلق بہ توحید اور آپ کی راستبازی کی تاکید اور افعال بد کی ممانعت پر سالہا سال تک توجہ نہیں کی گئی، اور کوئی بڑی کامیابی ظہور میں نہیں آئی۔ جوں جوں آپ نے اپنی قوم کی مکروہ بُت پرستی اور توہمات کے برخلاف وعظ فرمایا، آپ کی تحقیر کی گئی ہنسی اُڑائی گئی۔ اور آخر کار نہایت سخت اذیّت پہنچائی گئی جس نے آپ کی اور آپ کے پیروؤں کی کامیابی کو نقصان پہنچایا۔ مگر آپ راہ حق پر قائم رہے اور اُس سے نہ ٹلے۔ کسی تہدید اور کسی تکلیف نے آپ کو اُن بیدین لوگوں کی ہدایت سے اب بھی باز نہ رکھا۔ جن کو آپ نے الٰہیّات اور اخلاق کی ایسی عمدہ اور اعلےٰ درجہ کی تعلیم دی جو پہلے اُن کے سامنے کبھی پیش نہیں کی گئی تھی۔ آپ نے کسی دُنیوی اقتدار اور رُوحانی فوقیت کا دعوےٰ نہیں کیا۔ آپ تو صرف مذہبی آزادی کے خواہاں تھے۔ یعنی یہ چاہتے تھے کہ ترغیب و تحریص کے ذریعہ سے آپ کو لوگوں کو راہ حق پر لانے کے لئے بلامزاحمت آزادی مل جائے۔ آپ نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں نہ تو اس غرض سے بھیجا گیا ہوں کہ معجزات کے ذریعہ سے لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کیا جائے اور نہ اس لئے کہ تلوار کے ذریعہ سے اُن پر محض اقرار باللسان کا دباؤ ڈالا جائے[1]

[1] آؤ ذرا۔ پیچھے ہٹ کر اُس زمانہ پر نظر ڈالیں جبکہ مکّہ میں اُن تمام باشندوں کے خلاف جو خواہ مُسلمان ہو گئے تھے یا مسلمان نو نہ تھے۔ مگر آنحضرت ؐ کے حامی و مددگار تھے ایک اعلان (دیکھو صفحہ ۸۳)

کیا ان واقعات کے ہوتے آنحضرت صلعم کے اُس کامل یقین کی بابت جو آپ کے دل میں تھا، اور نیز آپ کے صدق دعوٰے کے متعلق کوئی شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ آپ وہی شخص تھے جس کو خدا تعالےٰ نے ذات خداوندی کے کمال کا وعظ بیان کرنے اور نوع انسان کو نیکی کے صراط مستقیم کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا؟ آپ نے دیانت اور صداقت سے وہ پیغام پہنچایا جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچا تھا۔ یا بالفاظ دیگر، جس کی نسبت آپ کو راستبازی سے اور الہام الٰہی کے ذریعہ سے یقین تھا کہ وہ خدا کی طرف سے ہے اور جس کے اندر راستی کے تمام نشانات اور علامات موجود تھے۔ سچّے پیغمبر اور سچّے الہام کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) شائع کیا گیا تھا جبکہ وہ شعب ابو طالب میں محصور تھے اور وہاں آرام و آسائش کی توقع کے بغیر تین سال تک محتاجگی اور مصائب شاقہ کی زحمتیں برداشت کی تھیں۔ وہ بالضرور قوی اور مستحکم محرکات (اسباب و مقاصد) ہونے چاہئیں جنہوں نے اس تمام مخالفت اور کامیابی کی صریح مایوسی کے درمیان آپ کو اپنے اصول پر قائم و مستقل رکھا اور اُن میں کسی طرح کا تزلزل پیدا نہ ہوا۔ قید سے رہائی پاتے ہی اپنے ہم وطنوں سے مایوس ہو کر آپ بمقام طائف تشریف لے گئے۔ اور وہاں کے حکام اور باشندگان کو توبہ کرنے کی دعوت دی، آپ تنہا اور بے یار و مددگار تھے۔ مگر آپ نے کہا کہ میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک پیغام لایا ہوں۔ تیسرے روز آپ بدنامی اور بے آبروئی کے ساتھ نکالے گئے۔ ایسے حال میں کہ اُن زخموں سے جو لوگوں نے آپ کو پہنچائے تھے خون بہ رہا تھا۔ آپ وہاں سے ہٹ کر تھوڑی دور چلے گئے اور اُس جگہ اپنی تکالیف کا شکوہ اور مناجات اللہ تعالیٰ کی جناب میں کی۔ پھر آپ مکّہ واپس تشریف لے گئے تاکہ اُسی ہدایت کے کام کو جس میں بظاہر کوئی اُمید نہ تھی اسی کامل وثوق کے ساتھ کہ اُس میں آخرالامر ضرور کامیابی ہوگی، دوبارہ شروع کریں۔ باوجود ایسے اسباب کے جو حوصلہ کو پست کر دیتے ہیں اور مخالفین کی تخویف و تہدید، انذار سافی اور کفر و انکار کے پیغمبر عرب نے تیرہ سال تک جس کشمکش میں اپنے ایمان اور اعتقاد کو قائم و مستحکم رکھا توبہ کا وعظ بیان کیا اور اپنے مشرک ہموطنوں کو خدا کے غضب سے ڈرایا۔ اس کی نظیر غیر مقدس تواریخ کے صفحات میں تلاش کرنا عبث ہے جبکہ مسلمان مردوں اور عورتوں کی ایک قلیل جماعت آپ کے گرد تھی اُس وقت آپ نے آیندہ کی کامیابی کی بابت اعلیٰ اور صابرانہ اعتماد کے ساتھ توہین تہدید اور خوف و خطر کی برداشت کی اور بالآخر جب ایک بعید مقام (مدینہ) سے حفاظت کا وعدہ کیا گیا تو جب تک آپ کے تمام پیرو ہجرت کر کے چلے نہ گئے۔ اُس وقت تک آپ باطمینان ٹھیرے رہے اور بعد ازاں اپنی ناشکر اور باغی قوم میں سے نکل کر چلے گئے۔" (میور جلد چہارم صفحات ۳۱۴ و ۳۱۵)

جو کچھ مفہوم ہے وہ اس سے زیادہ نہیں جو آنحضرت ؐ کی ذات مقدس میں پایا جاتا ہے[1]
پیغمبر کا عام منصب اور بڑا کام یہی ہے کہ اس ذات کامل (خدا تعالے) کا
اعلان لوگوں کے سامنے کر دے۔ خالص اور صحیح مسائل الٰہیات اور اعلےٰ درجہ
کے اخلاق کی علے الاعلان تعلیم دے، حق اور انصاف کی تاکید لوگوں پر کرے
باطل اور بدی سے اُن کو منع کرے۔ آیندہ واقعات کی پیشین گوئی کرنا۔ یا
فوق العادت معجزات کا دکھانا بھی پیغمبر کا کام نہیں ہے۔ علاوہ بریں پیغمبر نہ تو
بے عیب ہوتا ہے اور نہ معصوم[2]۔ وحی و الہام قوائے انسانی کا قدرتی نتیجہ ہیں۔

[1] " یہ بات کہ آنحضرت ؐ (معاذ اللہ) دغاباز تھے جیسا کہ بعض مصنفوں نے بیان کیا ہے اس کی تکذیب آپ کے اُس مستحکم یقین سے ہوتی ہے جو آپ کو اپنی رسالت کی صداقت کی بابت تھا نیز آپ کے رفقا کی وفاداری اور اُن کے غیر متزلزل وثوق سے جن کو آپ کی صداقت کی بابت صحیح اندازہ کرنے کا کافی موقع ملتا تھا۔ اور بالآخر آپ کے کام کی عظمت اور اہمیت سے بھی جس کو آپ نے ایسی اعلےٰ درجہ کی کامیابی سے انجام کو پہنچایا۔ اس خیال کی تردید ہو جاتی ہے۔ یہ بات بے کھٹکے کہی جا سکتی ہے کہ کوئی دغاباز آدمی ایسا عظیم الشان کام پورا نہیں کر سکتا تھا جس شخص کے دل میں اپنے کار مفوضہ کی واقعیت اور اپنی دُھن کے نیک ہونے کی بابت "زندہ ایمان" موجود نہ ہو وہ سالہا سال کی بدقسمتی اور مصیبت کے زمانہ میں جو فتح و شکست کی حالت میں اور کثرت اقتدار اور موت کے وقت میں بھی برابر موجود ہو ایسی مستحکم اور معقول روش قائم نہیں رکھ سکتا (جیسی کہ نبی عربی نے قائم رکھی)"۔
(اسلام اور اس کا بانی۔ از جے۔ ڈبلیو۔ ایچ۔ سٹابرٹ۔ ایم۔ اے صفحہ ۲۳)
اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلعم کو اپنی رسالت کا سچا یقین تھا۔ یہ آپ کی بڑی خوبی ہے کہ آپ ایک ایسی قوم کے درمیان جو بُت پرستی میں منہمک تھی توحید الٰہی کے صاف اور روشن اور اک تک پہنچ گئے۔ اور استقلال و ثابت قدمی سے باوجود کفار کی ایذا دہی اور تمسخر و استہزاء کے اس مسئلہ اعظم کی تلقین کی۔ مگر مجھ کو معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر ؐ کی تعریف یہیں ختم ہو جانی چاہیئے"۔ (اسلام زیر حکومت عرب از۔ آر۔ ڈی۔ اوسبورن مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء صفحہ ۹۰)

[2] اس میں کچھ شک نہیں کہ نبوت کا اصل مقصد توحید باری کا اعلان کرنا اور رُوحانیت کی تعلیم دینا ہے جو لوگوں کو وحشی سے انسان، انسان سے با اخلاق انسان، اور با اخلاق انسان سے باخدا انسان بنا دے۔ معجزات وغیرہ مقصود بالذات نہیں ہیں۔ البتہ خاص حالتوں میں منکروں، مغروروں اور سرکشوں

پیغمبر کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کے نفس کو اللہ تعالیٰ نے منوّر کر دیا ہے اور جو خیالات وہ ظاہر کرتا ہے اور جن کو اس اثر سے متاثر ہو کر تقریر یا تحریر میں لاتا ہے، وہ "خدا کے الفاظ" سمجھے جاتے ہیں۔ یہ "نور" جو پیغمبر کے نفس کو روشن کرتا ہے یعنی "فیضان الٰہی" کا اثر متاثر ہونے والی کی حیثیت کے لحاظ سے یا اُن جسمانی، و اخلاقی و مذہبی حالات کے اعتبار سے جو اس کے گرد و پیش ہوتے ہیں، مختلف ہوتا ہے۔

آنحضرت ؐ کی اصلاحوں کا حیرت انگیز اثر۔

۳۵- اگرچہ آنحضرت ؐ کا منصب نبوت صرف یہ تھا کہ بندوں کو خدا کا پیغام پہنچا دیں۔ جو امور بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہوں۔ سب کو اُن کا وعظ سُنا دیں۔ آپ اس بات کے ذمّہ وار نہ تھے کہ مشرکین بیدین کو الٰہیات کے خالص اور صحیح مسائل اور اعلےٰ اخلاقی اصول منوا دیں یا بالفاظ دیگر اُن کو دین اسلام میں داخل کر کے چھوڑ دیں، تاہم الٰہیات و اخلاق کے دائرہ میں جو کچھ کامیابی ہوئی۔ اور مفید نتائج برآمد ہوئے اور تمدّنی معاملات میں آپ نے جو اصلاحیں فرمائیں، وہ اس بات کا قوی ثبوت ہیں کہ آپکی رسالت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کی حجت کے قطع کرنے کے لئے انبیاء نے معجزات دکھائے ہیں۔ معجزہ کو انبیا کا فعل صرف اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ پر یا بالفاظ دیگر اُن کی وساطت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ورنہ درحقیقت وہ فعل اللہ تعالیٰ کا ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے، پیغمبروں نے بعض اوقات معجزے دکھانے سے انکار کیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی آیا ہے اِنَّمَا الْاٰیَاتُ عِنْدَ اللّٰہِ یعنے معجزات اللہ تعالیٰ کے پاس اور اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ یہ بھی بات یاد رکھنے کے قابل ہے جسقدر معجزات دیگر انبیاء علیہم السّلام کو عطا کئے گئے تھے وہ سب آنحضرت ؐ کو عطا کئے گئے، مگر چونکہ وہ معجزات فانی تھے اور آنحضرت ؐ پر سلسلہ نبوّت کا ختم کرنا مشیئت الٰہی میں تھا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے آپ کو علاوہ ان معجزات کے ایک معجزہ دائمی عطا فرمایا جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ میری مراد قرآن مجید سے ہے۔ جس کا معارضہ آج تک نہ کوئی کر سکا اور نہ آئیندہ کر سکے گا۔

عصمت انبیاء کی بابت مصنف نے جو خیال ظاہر کیا ہے وہ حسب مذاق عیسائیان ہے اور دلیل کی خاطر بطور تنزل اسکو تسلیم کر کے جواب دیا ہے کیونکہ اہل اسلام کے نزدیک کل انبیاء یقیناً معصوم ہیں۔ اور عیسائی انکو غیر معصوم اور ہر قسم کے فسق و فجور اور گناہان کبیرہ کا مرتکب مانتے ہیں۔ (مترجم)

منجانب اللہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رسول اللہ (صلعم) کی ذات مقدس کی بدولت، موافق اس نور کے جو آپ کے دل میں تھا ملکِ عرب میں عظیم الشان اصلاح عمل میں آئی۔ "ہر ایک اچھا درخت اچھا پھل لاتا ہے"۔ (انجیل متی باب ۷۔ ۱۷) واقعات اٹل اور بے لاگ ہوتے ہیں اور واقعات ہی ایسے معاملات میں قطعی فیصلہ کرتے ہیں ؛

آنحضرت صلعم کے مواعظ سے جو نتائج پیدا ہوئے اور اُن کے ذریعہ مشرکوں۔ بُت پرستوں اور نہایت ہی وہم پرست عربوں کی حالت میں ایک قلیل عرصہ کے اندر جس کا زیادہ تر حصّہ مکّہ میں تو مخالفوں کے ظلم وستم اٹھانے میں اور مدینہ میں اُن کے ساتھ کشمکش کرنے میں بسر ہوا تھا۔ جو جو مذہبی، تمدّنی اور ملکی انقلاب ظہور میں آئے وہ نہایت تعجّب خیز ہیں۔ آپنے اُن کو شرک اور بیہودہ وہم پرستی کے طوفان بے تمیزی سے یعنے دیوتاؤں، جنوں، خدا کے بیٹوں اور بیٹیوں کے باطل عقیدوں سے نکال کر خالص توحید کا عقیدہ عطا فرمایا۔ جس میں بجز خدائے قادر مطلق کے کوئی اعلےٰ قوت تسلیم نہیں کی جاتی۔ آپ نے اپنے اہل وطن کے اخلاقی معیار کو بلند کیا۔ عورتوں کی حالت میں اصلاح کی کثرت ازدواج کو محدود اور غلامی کی تکالیف کو دور کیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان دو نو رسموں اور نیز رسم دختر کشی کو معدوم کیا۔ آپ نے قوم عرب کی بہت سی سنگین بُرائیوں کو نہایت سختی سے قابل الزام ٹھیرایا اور اُن کی قطعی ممانعت کی۔ آپ نے وحشی اور آزاد قبائل کو ملا کر ایک قوم بنا دیا۔ اور اُن کی باہمی جنگوں کو موقوف کر دیا۔

سر ولیم میور لکھتے ہیں :۔

"محمد (صلعم) کے احکام گو اس وقت تک سیدھے سادے اور تھوڑے معلوم ہوتے "ہیں، تاہم انہوں نے ایک عجیب وغریب اور قوی الاثر کام کیا جب سے ابتدائی

"مسیحیت نے دنیا کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا، اور بُت پرستی کے ساتھ سخت
"لڑائی لڑی۔ اُس وقت سے رُوحانی زندگی کی ایسی بیداری لوگوں
"نے کبھی نہیں دیکھی تھی، اور نہ ایسا عقیدہ دیکھنے میں آیا تھا،
"جس نے قربانی (تکالیف و مصائب) برداشت کر کے اپنا مال
"متاع لُٹ جانا ایمان کی خاطر بخوشی گوارا کیا ہو۔

"مکّہ اور کل جزیرہ نمائے عرب نہایت ہی قدیم زمانہ سے رُوحانی غفلت میں ڈوبا
"ہوا تھا۔ اہل عرب کے دل پر یہودیت، مسیحیت یا فلسفہ کا خفیف اور عارضی اثر ایسا
"تھا جیسے ایک ساکن جھیل کی سطح پر کہیں کہیں لہریں نظر آجاتی ہیں، اور اس کا تمام پانی
"نیچے کی طرف بدستور ساکن اور غیر متحرک رہتا ہے۔ لوگ وہم پرستی، بیرحمی اور بدی میں
"ڈوبے ہوئے تھے۔ یہ ایک عام رواج تھا کہ سب سے بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیواؤں
"سے شادی کر لیتا تھا اور جس طرح اَور جائیداد ورثہ میں پاتا تھا اسی طرح اُن کا بھی
"وارث ہوتا تھا۔ تکبّر اور افلاس نے اُن میں دُختر کشی کا جُرم پیدا کر دیا تھا۔ جیسا
"کہ آج کل ہندوؤں میں ہے۔ اُن کا مذہب غلیظ بُت پرستی پر مشتمل تھا اور اُن کا
"ایمان ایک حاکمِ مطلق خدا کی بہ نسبت اس تیرہ و تاریک وہم پرستی پر بہت
"زیادہ تھا یعنے اَن دیکھی ہستیوں (جن۔ بھوت پریت وغیرہ) پر جن کی خوشنودی
"حاصل کرنے اور جن کی ناراضی سے بچنے کے وہ خواہاں رہتے تھے۔ حیات
"بعد الممات اور جزائے نیک و بد کا خیال جو محرک عمل ہے اس سے عملی طور پر
"ناواقف تھے"۔

"ہجرت سے تیرہ سال پہلے مکّہ اس ذلیل حالت میں مُردہ پڑا ہوا تھا۔ ان تیرہ
"برسوں نے اب کیا کچھ انقلاب پیدا کر دیا! سینکڑوں آدمیوں نے بت پرستی ترک
"کر کے ایک خدا کی پرستش اختیار کی، اور جس تعلیم کو انہوں نے الہامی یقین کر لیا

"تھا اُس کی ہدایت پر سر تسلیم خم کیا، خدائے قادر مطلق کی حضور میں بار بار اور جوش
"دل سے نمازیں پڑھنے لگے، اُس کے فضل و کرم کے بھروسہ پر عفو تقصیر کی توقع رکھنے
"لگے۔ اور **اعمال نیک، زکوٰۃ، عفت** اور **انصاف** کی پیروی کی
"کوشش کرنے لگے۔ اب وہ ایسی زندگی بسر کرنے لگے کہ اُن کو خدا کی قدرت مطلقہ
"کا اور نیز اس امر کا ہمیشہ احساس ہونے لگا کہ وہ ہمارے ذرا ذرا سے کاموں کا
"نگران اور نگہبان ہے۔ قدرت کی تمام بخششوں میں، زندگی کے ہر ایک تعلق میں اپنے
"تمام شخصی یا قومی معاملات میں اُن کو خدا کا ہاتھ نظر آتا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ
"کہ نئی روحانی زندگی جس میں وہ خوش تھے اور جس پر فخر کرتے تھے اُس کو خدا کی خاص
"عنایت کا نشان سمجھتے تھے۔ اور اُن کے اندھے ہم وطنوں کی بد اعتقادی اُن کے
"نزدیک خدا کی ازلی ناراضی کی سخت علامت تھی۔ محمد (صلعم) اُن کو زندگی بخشنے
"والے تھے یعنے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ اُن کی نئی نئی اُمیدوں کا سرچشمہ تھے
" اور وہ آپ کی مناسب اور کامل اطاعت کرتے تھے۔

"اس تھوڑے سے عرصہ میں اس عجیب و غریب تحریک (اسلام) کی بدولت مکّہ
"میں دو فریق پیدا ہو گئے تھے۔ جو اپنے قبیلہ اور خاندان کے نشانات کو ملحوظ خاطر نہ
"رکھ کر باہم دگر سخت مخالفت کر رہے تھے۔ مسلمانوں نے صبر و تحمل سے تکالیف برداشت
"کیں۔ اور اگرچہ ایسا کرنا اُن کی عقلمندی تھی تاہم دلیرانہ استقلال کی عزت اُنکو
"دی جا سکتی ہے۔ سو مردوں اور عورتوں نے اپنے قابل قدر دین سے انحراف
"کرنے کی بجائے اپنے گھروں کو چھوڑنا گوارا کر لیا اور جب تک قریش کا شور و شر
"دفع ہو اس وقت تک ملک ابی سینیا میں جا کر پناہ گزین ہوئے۔ اب اور بھی زیادہ
"لوگ خود پیغمبر (صلعم) کے ساتھ اپنے وطن مالوف سے، جس میں خانہ کعبہ تھا اور
"جو اُن کے نزدیک دُنیا میں سب سے زیادہ مقدس مقام تھا، ہجرت کر کے مدینہ چلے

"گئے۔ یہاں بھی اسی **تعجب انگیز** ظلم نے اُن کے لئے ایک **رشتہ اخوّت** قائم
"کر دیا اور اہل مدینہ پیغمبر (صلعم) اور آپ کے پیروؤں کی حفاظت کے لئے اپنی جان دینے
"پر آمادہ ہو گئے۔ **یہودی صدا اُفت** کی آواز عرصہ سے اہل مدینہ کے کانوں
"میں گونج رہی تھی۔ مگر جب تک پیغمبر عرب کی دل ہلا دینے والی صدا اُن کے کانوں
"میں نہ پہنچی اُس وقت تک وہ بھی اپنی خواب غفلت سے بیدار نہ ہوئے اور اُسی وقت
"انہوں نے ایک نئی اور پُر جوش زندگی میں یکایک قدم رکھا۔"[1]

آگے چل کر سر ولیم میور لکھتے ہیں:-

"اور یہ مذہب جو اس ذریعہ سے قائم کیا گیا تھا۔ اُس کے کیا کیا نتائج محمد (صلعم)
"نے اپنے بعد چھوڑے؟ ہم آزادانہ طور پر یہ بات تسلیم کر سکتے ہیں کہ اس مذہب نے
"وہم پرستی کے بہت سے تاریک عنصروں کو جو قرنوں سے اس جزیرہ نما پر چھائے
"ہوئے تھے۔ ہمیشہ کے لئے دفع کر دیا۔ اسلام کی صدائے جنگ کے آگے بُت پرستی
"مفقود ہو گئی۔ خدا کی توحید۔ اُس کی غیر محدود صفات کاملہ اور بالخصوص اس کے ہر
"جگہ حاضر و ناظر ہونے کا مسئلہ جیسا کہ محمد (صلعم) کے جان و دل میں موجود تھا اُسی طرح
"آپ کے پیروؤں کے جان و دل میں بھی ایک زندہ دستورالعمل بن گیا۔ اس مذہب کے
"قبول کرنے کی سب سے **پہلی شرط** یہ قرار دی گئی تھی کہ انسان کامل طور پر تابع
"مرضی الٰہی ہو جائے (لفظ "اسلام" کا یہی مفہوم ہے) جن نیکیوں کا تعلّق حسن معاشرت
"سے ہے وہ بھی موجود ہیں۔ اسلامی دائرہ کے اندر برادرانہ محبّت کی تاکید کی گئی ہے[2]
"یتیموں کی حفاظت و حمایت کا اور غلاموں کے ساتھ رعایت اور پاسداری کے سلوک
"کا حکم دیا گیا ہے۔ مسکرات کی ممانعت کی گئی ہے۔ اور دین محمدی اس اعلےٰ درجہ کی
"پرہیزگاری (ترک شراب خواری) کا فخر کر سکتا ہے **جو کسی دوسرے مذہب**

[1] سیرت محمدی از سر ولیم میور۔ ایل۔ ایل۔ ڈی جلد دوم صفحہ ۲۶۹-۲۷۱-
[2] (ملاحظہ ہو صفحہ ۹۰ کتاب ہذا)۔

"میں موجود نہیں[1]"

ڈاکٹر مارکس ڈاڈس لکھتے ہیں :-

"مگر کیا محمد (صلعم) کسی معنی میں پیغمبر نہیں ہیں؟ درحقیقت آپ میں مرتبہ نبوت کے نہایت
"ہی ضروری خصائل میں سے دو خصلتیں پائی جاتی تھیں۔ آپ نے ذات باری کی
"بابت اس حقیقت کو دیکھ لیا جس کو آپ کے بنی نوع بشر نے نہیں دیکھا تھا[2] اور
"آپ کے دل میں اس حقیقت کی اشاعت کا ایسا قدرتی میلان تھا جو کسی کے روکے رک
"نہیں سکتا تھا۔ اس پچھلی صفت کے اعتبار سے بنی اسرائیل کے دلیر پیغمبروں میں سب سے
"زیادہ دلاور پیغمبروں کے ساتھ آپ کو تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ آپ نے راستی کی خاطر
"اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالا۔ سالہا سال تک روز بروز دکھ اٹھائے اور آخر کار
"جلاوطنی، نقصان مال، اہل وطن کی بد اندیشی اور دوستوں کی بے اعتباری
"کی تکلیفیں برداشت کیں، قصہ مختصر موت کے سوا اور جس قدر مصیبتیں کوئی شخص جھیل
"سکتا ہے، وہ سب آپ نے جھیلیں۔ اور موت سے بھی صرف اس لئے نجات پائی کہ
"اپنی جان بچا کر نکل گئے تھے۔ بااین ہمہ آپ نے استقلال کے ساتھ اپنے پیغام
"کی منادی کی۔ کوئی رشوت۔ کوئی دھمکی، کوئی ترغیب آپ کو خاموش نہیں کر
"سکتی تھی۔ (آپ کا قول ہے کہ) "اگرچہ یہ لوگ میرے مقابلہ میں سورج کو دائیں ہاتھ اور

(نوٹ صفحہ ۸۹) اہل اسلام کو باہم گہرا برادرانہ محبت رکھنے کی بے شک تاکید کی گئی ہے۔ مگر غیر مسلموں کے ساتھ عدل و انصاف اور احسان و مروت کے برتاؤ کا بھی صاف طور پر حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ
وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ
قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا
عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (ممتحنہ ۶۰- آیات ۸-۹)

جو لوگ تم سے دین کی بابت نہیں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اُن کے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا۔ بیشک اللہ منصفانہ برتاؤ کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ تم کو انہی لوگوں سے دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جو تم سے دین کی بابت لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں مدد دی اور جو شخص ان سے دوستی رکھے پس وہی لوگ ظلم کرنیوالے ہیں" (ممتحنہ ۶۰- آیات ۸-۹) (مترجم)

[1] سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد چہارم صفحہ ۳۲۰- ۳۲۱-

"چاند کو بائیں ہاتھ میں لا کر رکھ دیں تو بھی میں اپنے مقصد کو ترک نہ کروں گا"۔ توحید الٰہی کی
"منادی کے لئے آنحضرتؐ کا یہی استقلال اور اپنی دعوت پر یہی وثوق تھا جس پر اسلام
"کی بنیاد تھی۔ بت پرستوں میں اور لوگ بھی مؤحد ہوئے ہیں مگر کسی نے ایک قوی اور
"پائدار مذہب توحید کی بنیاد نہیں ڈالی۔ آپ کا **شرف و امتیاز** بمقابلہ دیگر اشخاص
"کے یہ تھا کہ آپ نے لوگوں سے اس عقیدہ کے تسلیم کرانے کا عزم مصمّم کر لیا تھا۔ . . .
". . . اول تو آپ کا یہ دعوےٰ کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ نہ صرف سچّے دل سے تھا
"بلکہ جس معنی میں آپ خود اس کو سمجھتے تھے، غالباً اس معنے میں بھی صحیح تھا۔ آپ نے محسوس
"کیا کہ میرے دل میں خدا کی بابت ایسے خیالات ہیں جن کا قبول کرنا میرے گرد و پیش کے
"لوگوں کے لئے نہایت ضروری ہے اور آپ کو یقین تھا کہ یہ خیالات منجانب اللہ ہیں۔
"اگرچہ ٹھیک طور پر ان کو الہام سے تعبیر نہ کر سکیں جیسا کہ ہم آئندہ بیان کرینگے۔ آپ کی
"غلطی ہرگز اس بات میں نہ تھی کہ آپ نے یہ خیال کیا کہ مجھے خدا نے اپنا کلام سنانے اور
"ایک بہتر مذہب کے رائج کرنے کے لئے مامور فرمایا ہے۔ بلکہ وہ غلطی (نعوذ باللہ) یہ تھی کہ
"لوگوں سے رفتہ رفتہ اپنے آپ کو پیغمبر منوانے کے لئے آپ نے بالکل اُسی قدر زور
"دینا شروع کیا جس قدر کہ اُس حقیقت اعظم (توحید) کے قبول کرانے پر زور دیا تھا
"آپ اپنے اہل ملک کے لئے صرف اس معنی میں پیغمبر تھے کہ آپ نے **توحید الٰہی**
"کی منادی کی۔ مگر یہ اس امر کی کافی وجہ نہ تھی کہ آپ کل مذہبی معاملات میں اُن کے
"ہادی و رہنما ہونے کا دعوےٰ کریں۔ اور جملہ امور میں، یہاں تک کہ **رسول** (یعنی
"ملکی و جمہوری) معاملات میں اُن پر حکومت کے دعوےٰ کی اتنی بھی وجہ نہیں تھی"۔[1]

---

[1] ڈاکٹر مارکس ڈاڈس کی تحریر میں چند امور قابل غور ہیں:۔
(اوّل) آنحضرتؐ صرف اس معنی میں پیغمبر ہیں کہ آپ نے توحید الٰہی کی منادی کی اور حیرت انگیز استقلال سے سخت سے سخت مصیبتیں جو ممکن ہیں برداشت کیں۔
(دوم) آپ کا دعوےٰ پیغمبری سچّے دل سے تھا۔ اور پیغمبری کا جو مفہوم آپ سمجھتے تھے۔ (دیکھو صفحہ ۹۲)

. . . وہی فاضل ڈاکٹر آگے چل کر اپنی کتاب "محمد۔ بدھ اور مسیح میں لکھتا ہے :۔

"مگر جب ہم اسلام کی خوبی اور برائی کا اندازہ کرتے ہیں تو رفتہ رفتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاص
"امر جس پر ہم کو توجہ کرنی لازم ہے۔ وہ اس بات کی تمیز کرنا ہے کہ ساتویں صدی میں عرب کو
"اور بالعموم تمام دنیا کو اسلام سے کیا فائدہ پہنچا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ کوئی شخص اس بات
"سے انکار نہ کرے گا کہ محمد (صلعم) کے ہم عصروں کے لیئے آپ کا مذہب اُن تمام مذاہب پر
"جن کو وہ پہلے سے مانتے تھے بہت زیادہ فوقیت رکھتا تھا۔ اس مذہب نے اُن قبائل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اُس لحاظ سے وہ دعویٰ صحیح تھا۔

(سوم) بُت پرستوں میں جو لوگ موحّد گزرے ہیں اُن پر آنحضرتؐ کو فوقیت یہ تھی کہ آپ نے ایک قوی اور پائدار مذہب توحید کی بنیاد ڈالی، اور اُن لوگوں کو یہ بات نصیب نہ ہوئی۔

(چہارم) اشاعت توحید کا جو فطرتی میلان آپ کے دل میں تھا اس کے اعتبار سے بنی اسرائیل کے دلیر ترین پیغمبروں میں آپ کا شمار ہو سکتا ہے۔ مگر آپ کے خیالات کو الہام نہیں کہہ سکتے۔

(پنجم) جتنا اصرار آنحضرت نے توحید کے منوانے پر کیا تھا اُتنا ہی اصرار اپنی نبوّت کے منوانے کے لیئے کرنے لگے۔ تمام مذہبی اور دنیوی معاملات میں اُن کے حاکم بن گئے اور یہی (بقول ڈاکٹر صاحب) آپ کی غلطی تھی۔

امر اول و دوم و سوم سے ہم کو اتفاق ہے، امر چہارم کا پہلا حصہ بھی مسلّم ہے بلکہ واقعات کے لحاظ سے یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ بنی اسرائیل کے دلیر ترین پیغمبروں سے بھی آنحضرتؐ کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ مگر ڈاکٹر صاحب کا یہ قول کہ "ان خیالات کو الہام کہنا صحیح نہیں ہے"، اُن کے پہلے بیان کے بالکل تناقض اور سراسر خلاف ہے۔ صاحب موصوف کا آنحضرتؐ کے درجہ کو بنی اسرائیل کے بہترین انبیاء کے برابر تسلیم کرنا اور پھر یہ کہہ دینا کہ "آپ ملہم من اللہ نہ تھے"۔ صاف لفظوں میں انبیاے بنی اسرائیل کی نبوّت کا انکار بلکہ مطلق نبوت کی تکذیب ہے جو سراسر بیدینی ہے۔ ڈاکٹر مارکس ڈاڈس اور اُن کے ہمخیالوں پر افسوس ہے کہ حضرتِ ختمی مرتبت کے درجہ کو گھٹانے کے خیال میں دین و مذہب تک کو خیر باد کہہ دینے میں تامل نہیں کرتے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

امر پنجم کا مطلب ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا آنحضرتؐ لوگوں سے یہ کہتے کہ میری تعلیم تو الہی تعلیم ہے۔ اور تمام پیغمبر یہی تعلیم دیتے چلے آئے ہیں۔ مگر میں نبی نہیں ہوں میری تعلیم کو مانو مگر میری نبوّت کو نہ مانو؟ افسوس کہ ڈاکٹر صاحب اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ رسالت اور وحدانیت لازم و ملزوم ہیں۔ ایکدوسرے سے کسی حالت میں جدا نہیں ہو سکتیں اور توحید۔ نبوّت۔ معاد ہر سہ ارکانِ مذہب (دیکھو صفحہ ۹۳)

"کو جن میں نا اتفاقی چلی آتی تھی۔ باہم ملا دیا۔ اور قوم کی حالت کو ترقی دیکر دنیا کی مشہور
"طاقتوں میں سب سے مقدّم طاقت بنا دیا۔ اُس نے وہ کام کیا جس کے پورا
"کرنے سے مذہب عیسوی اور مذہب یہود بھی قاصر رہے تھے۔
"یعنے بُت پرستی کو ہمیشہ کے لئے مٹا دیا۔ اور ایک معبود حقیقی کا خیال قائم کر دیا[1]
"اس مذہب کا جو اثر عرب پر ہوا۔ اس کو ابی سینا کے مسلمان مہاجرین نے
"صحیح صحیح اور درد انگیز طریقہ میں بیان کیا تھا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ تم کو کیوں نہ مکّہ
"واپس بھیج دیا جائے۔ تو انہوں نے (جعفر بن ابی طالب) اپنے مذہب کا حال اور اُن
"فوائد کا جو اس کی بدولت اُن کو حاصل ہوئے تھے۔ حسب ذیل بیان کیا تھا:۔
"اے بادشاہ! ہم جہالت و وحشت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ہم بتوں کو پوجتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یکساں ضروری ہیں۔
علیٰ ہٰذا القیاس یہ اعتراض کہ آنحضرت صلعم نے کل مذہبی معاملات میں قوم کے ہادی ہونے کا کیوں دعویٰ کیا؟ ڈاکٹر مارکس ڈاڈس جیسے فاضل شخص کی طرف سے نہایت حیرت انگیز اور تعجّب خیز ہے۔ کیا ڈاکٹر صاحب یہ چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم صرف توحید کا وعظ فرماتے اور دیگر مذہبی اصول و فروع سے جن کا توحید الٰہی سے نہایت گہرا تعلّق ہے قطع نظر کرتے مثلاً "خدا ایک ہے" اتنا کہہ کر خاموش ہو جاتے۔ اور معاد کا ذکر زبان پر نہ لاتے۔ لفظ "توحید" لوگوں کو سکھا دیتے، مگر دُعا، مناجات حمد و ثنا اور عبادت الٰہی وغیرہ لوازمات توحید کو لوگوں کی رائے پر چھوڑ دیتے؟ الغرض یہ اعتراض اس قدر رکیک ہے کہ اُس کے ردّ کرنے کی ضرورت نہیں۔
اسی طرح اخلاق تمدّن۔ سیاست وغیرہ دنیوی معاملات میں آنحضرت صلعم کا لوگوں کو ہدایت کرنا بھی بالکل حق بجانب تھا کیونکہ دین و دنیا دو جدا جدا چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی قانون کے دو مختلف شعبے ہیں۔ اس لئے یہ بات کسی طرح ممکن نہ تھی کہ آنحضرت صلعم ہدایت کے صرف مذہبی پہلو کو لیتے تھے دنیوی پہلو کو جو اُسی قدر ضروری ہے نظر انداز کرتے۔ قصّہ مختصر معترض کے یہ اعتراضات نہایت رکیک۔ لُچر اور بے وقعت ہیں۔ (مترجم)

[1] یہ بات فضیلت اسلام کی ایک زبردست شہادت اور بدیہی دلیل ہے جس کا ڈاکٹر ڈاڈس کو چار و ناچار اقرار کرنا پڑا۔ اسلام کی اس خوبی کو تسلیم کرنے کے بعد اسی مُنہ سے اُس پر اعتراض کرنا۔ یا مسیحیت اور یہودیت کو اُس پر ترجیح دینا نہایت عجیب بات ہے۔ (مترجم)

"تھے۔ ہم مُردار کھاتے تھے، زناکاری کے مرتکب ہوتے تھے، صلہ رحم اور حقوق ہمسایہ
"اور مہمانداری کے فرائض کا لحاظ نہ رکھتے تھے، ہم کوئی قانون اس کے سوا نہیں جانتے
"تھے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ جب کہ خدا نے ہم لوگوں میں ایک پیغمبر بھیجا جس
"کی راست بازی، دیانت داری اور عفّت سے ہم لوگ واقف تھے اور
"اس نے ہم کو توحید کی طرف دعوت کی اور یہ تعلیم دی کہ اُس کے ساتھ کسی خدا
"کو شریک نہ کریں۔ اُس نے ہم کو بُت پرستی سے منع کیا۔ اور سچ بولنے۔ امانتوں
"کا لحاظ رکھنے۔ رحم کرنے۔ دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنے۔ اپنے رشتہ داروں سے
"محبّت رکھنے۔ کمزوروں کی حفاظت کرنے۔ بدی سے باز رہنے اور تمام شرارتوں سے
"بچنے کی تاکید ہے۔ اس نے ہم کو نماز پڑھنے۔ زکوٰۃ دینے اور روزے رکھنے
"کی تعلیم دی۔ اور چونکہ ہم نے اس کی تصدیق کی اور اس کا حکم مانا اس لئے ہم پر
"ظلم کیا گیا۔ ہم کو وطن سے بے وطن کیا گیا۔ یہاں تک کہ ہم آپ کی حفاظت میں
"آئے ہیں۔[1] (ابن ہشام صفحہ ۲۱۹)۔

مگر ڈاکٹر مارکس ڈاڈس اور سر ولیم میور کی رایوں کا حال معلوم کرنے کے بعد اب ہم کو اس طرف توجہ کرنی چاہیئے کہ ریویرنڈ سٹیفنز محمد (صلعم) کی نسبت کیا رائے رکھتے ہیں :۔

"محمد (صلعم) کا مقصد یہ تھا کہ اپنے ہموطنوں یعنے عربوں میں اُس خالص عقیدہ کو زندہ کیا
"جائے، جو اُن کے جد اعلےٰ ابراہیمؑ کا تھا۔ جس طرح موسےٰؑ نے اپنے ہموطنوں
"یعنے یہودیوں میں اس کو زندہ کیا تھا۔ اس مقصد میں آپ کو بہت بڑی حد تک کامیابی
"ہوئی۔ آپ نے بُت پرستی کے ایک منتشر انبار کے عوض میں خالص توحید کا عقیدہ
"قائم کیا۔ اپنے ہموطنوں کی بعض نہایت ہی بدعادتوں کو موقوف کرایا۔ اور بعض کو تبدیل

[1] "محمد۔ بدھ اور مسیح" از مارکس ڈاڈس ڈی۔ڈی صفحہ ۱۷-۱۹-۱۱۹۔

"کیا۔ آپ نے لوگوں کے اخلاقی معیار کو بالعموم بلند کیا اور اُن کی تمدّنی
"حالت کو ترقی دی۔ اور ایک سنجیدہ اور معقول طریقِ عبادت جاری کیا
"آخرکار آپ نے اس ذریعہ سے بہت سے وحشی اور آزاد قبیلوں کو جو محض ذرّوں
"کی طرح اِدھر اُدھر اُڑتے پھرتے تھے باہم ملاکر ایک ٹھوس مُلکی جماعت کی شکل میں
"متشکّل کیا۔ جو دنیا کی سلطنتوں کو اپنی حکومت اور عقیدہ کا تابع فرمان بنانے کے لئے
"ایسی ہی آمادہ و سرگرم تھی جیسے کہ بنی اسرائیل ملک کنعان کے فتح کرنیکے لئے تھے۔
"قرآن بکرّات و مرّات اور بڑے پُرزور الفاظ میں ان فرائض کی بھی تاکید کرتا ہے
"کہ ابن السبیل اور یتیم پر مہربانی کریں اور غلاموں کے ساتھ اگر وہ
"مسلمان ہوجائیں۔ اُسی عزّت اور لحاظ کا برتاؤ کریں جو مسلمانوں کے لئے سزاوار
"ہے۔ اونیٰ حیوانات پر رحم کرنے کا فرض بھی فراموش نہیں کیا گیا۔ اور یہ
"بات شُکر گزاری سے قبول کرنی چاہیئے کہ دین محمّدی اور بدھ مذہب بھی بیماروں
"اور دیوانوں کے دارالشفا اور دارالمجانین قائم کرنے کی عزّت میں مذہب عیسوی
"کے ساتھ شریک ہے۔

"محمد (صلعم) کے زمانہ میں جو بُرائیاں عرب میں نہایت ہی کثرت سے پھیلی ہوئی
"تھیں اور جن کو قرآن مجید نے نہایت ہی سختی سے قابل ملامت قرار دے کر اُن
"کی قطعی ممانعت کی ہے۔ وہ یہ تھیں۔ شراب خواری۔ بے تعداد حرمین
"گھر میں ڈال لینا، اور کثرت ازدواج۔ دختر کشی۔ بیباکانہ قمار بازی
"ظالمانہ سُود خواری، سحر و کہانت کے فنون باطلہ، ان میں سے بعض
"بدرسموں کی موقوفی اور بعض کے اثر کی کمی، عربوں کے اخلاق میں ایک بڑی ترقی
"تھی۔ اور مصلح (آنحضرت ؐ) کے جوش اور اثر کی ایک معزز و مفتخر شہادت ہے۔
"دختر کشی اور شراب خواری کا کُلّی انسداد آپ کے کام کی سب سے

"زیادہ نمایاں فتح ہے[1]"

یہی معزز مصنف جس کی عبارت سے اوپر اقتباس کیا گیا ہے۔ آگے چل کر یہ بھی لکھتا ہے۔

"سب سے پہلے یہ بات آزادی کے ساتھ ضرور تسلیم کرنی چاہیئے کہ محمد (صلعم) اپنی "قوم کے بڑے محسن تھے۔ آپ ایسے ملک میں پیدا ہوئے تھے جہاں ملکی "نظام، معقول اعتقاد اور خالص اخلاق سے لوگ ناواقف "تھے۔ آپ نے ان تینوں باتوں کا وہاں رواج دیا۔ اور اپنی عقل کامل کی "ایک ہی کوشش سے اپنے ہموطنوں کی ملکی حالت، مذہبی اعتقاد اور "اخلاقی عادت کی اصلاح کر دی۔ بہت سے آزاد قبیلوں کی جگہ آپ "نے ایک قوم چھوڑی۔ بہت سے معبودوں اور بہت سے خداوندوں کے باطل "عقیدہ کی بجائے آپ نے ایک قادر مطلق مگر رحمان و رحیم خدا کا معقول عقیدہ "قائم کیا۔ لوگوں کو تعلیم دی کہ وہ اس خیال کے ساتھ زندگی بسر کریں کہ وہ وجود مطلق "ہر دم ہمارا حافظ و نگہبان ہے۔ اُسی کو نیکوں کا جزا دینے والا سمجھیں اور اُسی کو "بدوں کا سزا دینے والا سمجھ کر اس سے ڈریں۔ بہت سی قابل نفرت اور وحشت انگیز "رسمیں جو آپ کے زمانہ تک عرب میں رائج تھیں اُن پر آپ نے زبردست حملہ کیا۔ "اُن کو تبدیل کیا اور اُن کا انسداد کیا۔ اوباشانہ بدکاری کی بجائے تعدّد "ازدواج کا ایک با احتیاط اور باضابطہ اصول منضبط کیا "گیا۔ اور دختر کشی کی رسم کا کما ینبغی انسداد کیا گیا۔ جب اسلام "نے عرب کی حدود سے پرے رفتہ رفتہ اپنی فتوحات کو پھیلانا شروع کیا تو بہت سی وحشی

---

[1] مسیحیت اور اسلام، بائیبل اور قرآن" از ریورنڈ ڈبلیو۔ آر۔ ڈبلیو سٹیفنز صفحات ۹۴۔۱۰۴۔ ۱۱۲۔ مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء۔

"قومیں بھی جن کو اسلام نے جذب کر لیا تھا اُسی طرح اُس کی برکتوں میں شریک ہو گئیں۔
"ترک۔ انڈین۔ حبشی اور مور (افریقہ کے شمالی ساحل کے باشندے) اس
"بات پر مجبور ہوئے۔ کہ اپنے بتوں کو اُٹھا کر پھینک دیں اپنے رندانہ رسم ورواج
"کو خیر باد کہیں۔ خدائے واحد کی پرستش۔ شایستہ طرز عبادت اور ایک
"باقاعدہ طرز معاشرت کی طرف رجوع کریں۔ اہل فارس جو زیادہ تر مہذّب و
"شایستہ تھے اُن کا عقیدہ بھی صاف اور خالص ہو گیا۔ اور انہوں نے اسلام سے
"یہ بات سیکھ لی کہ نیکی و بدی (یزدان و اہرمن) دو ہمسر قوّتیں نہیں ہیں۔ بلکہ حق اور
"ناحق دونو اُسی ایک حکیم اور قدوس حاکم کے یکساں زیر فرمان ہیں جو آسمان و
"زمین کی تمام چیزوں پر حکمرانی کرتا ہے۔
"پس وحشی قوموں کے لئے خاصتہً یعنے وہ قومیں جو کم و بیش ایسی حالت میں تھیں۔
"جیسی محمد (صلعم) کے زمانہ میں خود عرب کی حالت تھی، ایسی قومیں جو آجکل افریقی قوموں
"کی سی حالت رکھتی ہیں، جن میں یا تو تمدّن بالکل نہیں یا برائے نام ہے، اور جو
"معقول مذہب سے بے بہرہ ہیں۔ ہاں بیشک ایسی قوموں کے لئے اسلام ایک
"برکت ہے جو اُن کو ظلمت سے نور کی طرف اور طاغوت کی طاقت سے خدا
"کی طرف لاتا ہے"۔[1]

۳۶۔ آنحضرت ؐ کے مخالف آپ کی رسالت کے خلاف جو کچھ کہہ سکتے ہیں وہ یہ

آنحضرت ؐ کی نسبت جھوٹے اتہّامات

دعویٰ ہے کہ مدینہ میں پہنچ کر آپ کی حالت میں اخلاقی زوال آگیا تھا[2]۔ جب آپ کی عمر کا زمانہ پچپن ۵۵ سال سے

---

[1] مسیحیت اور اسلام۔ بائیبل اور قرآن" از ریورنڈ ڈبلیو۔ آر۔ ڈبلیو سٹیفنز صفحات ۱۲۹-۱۳۰- مطبوعہ لنڈن ۱۸۷۷ء۔

[2] ہم فوراً تسلیم کر سکتے ہیں کہ اوّل اوّل محمد (صلعم) کو اس امر کا یقین تھا یا آپ نے اس یقین کی طرف اپنے تئیں مائل کیا تھا کہ آپ کے الہامات من اللہ ہیں۔ آپکی زندگی کے (دیکھو صفحہ ۹۰)

زیادہ گزر چکا۔ اور آپ پندرہ سال سے زیادہ عرصہ تک داعی اسلام کی حیثیت سے ایک مقدس زندگی بسر کر چکے جس پر کوئی الزام نہیں لگایا جا سکتا تو اس کے بعد آپ کے مخالف قیام مدینہ کے زمانہ میں آپ پر بیرحمی[1] اور ہوا پرستی[2] کا الزام لگاتے ہیں۔ یہ اخلاقی داغ (بر تقدیر تسلیم) پیغمبر یا ریفارمر (مصلح) کے منصب کے منافی نہیں ہیں۔ اگر کوئی پیغمبر پچپن ۵۵ سال سے بھی زیادہ عرصہ تک اعلیٰ ترین

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) زمانہ قیام مکہ میں ذاتی اغراض یا ناواجب مقاصد کا درحقیقت کوئی نشان نہیں مل سکتا، جس سے اس نتیجہ کو غلط قرار دیا جا سکے۔ مکہ میں پیغمبر (صلعم) کی وہی حیثیت تھی جس کے وہ مدعی تھے، یعنے محض ناصح یا بشیر و نذیر۔ وہاں آپ ایک ایسی قوم کے معلم تھے جو آپ کو نفرت و حقارت سے دیکھتی تھی، آپ کی تعلیم کو قبول نہیں کرتی تھی، اور آپ کی مخالفت کرتی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی اصلاح کے سوا آپ کا کوئی اور مقصد نہ تھا۔ ممکن ہے کہ (محمد صلعم) نے اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے صحیح وسائل بہم پہنچانے میں (معاذ اللہ) غلطی کی ہو۔ مگر اس امر میں شک و شبہ کرنے کی کافی وجہ نہیں ہے کہ آپ نے اُن وسائل کو نیک نیتی سے اور سچے مقصد کے حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا۔

مگر مدینہ میں یہ نظارہ بالکل بدل جاتا ہے۔ یہاں دنیوی حکومت و اقتدار اور ذاتی جاہ و جلال کے حاصل ہونے کا خیال پیغمبر (صلعم) کی زندگی کے مقصد اعظم (یعنی وعظ و ہدایت) کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اور یہ دنیوی مقاصد بھی بالکل اسی وسیلہ سے طلب اور حاصل کئے گئے۔ آنحضرت ؐ کے پولٹیکل (سیاسی) طرز عمل کو صحیح قرار دینے کے لئے بالکل ایسے ہی آزادانہ آسمانی پیغام آنے لگے، جیسے مذہبی احکام کے لئے آتے تھے۔ خدائے قادر مطلق کی اجازت اور منظوری کے حیلے سے جنگیں کی گئیں، کُل کے کُل آدمیوں کو قتل کیا گیا اور ممالک مفتوحہ کو اپنی قلمرو میں شامل کیا گیا نہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ حقیر کاموں کو نہ صرف قابل معافی قرار دیا گیا، بلکہ خدائے تعالیٰ کی ادعائی منظوری یا حکم کے ذریعہ سے اُن کی ترغیب دی گئی۔ ایک خاص (الہی) فرمان پیش کیا گیا جس کی رُو سے محمد (صلعم) کو دو چند تعداد ازواج کی اجازت دی گئی۔ ایک قبطی کنیز ماریہ کا قابل الزام معاملہ ایک جداگانہ صورت میں حق بجانب قرار دیا گیا۔ اور اپنے پسر متبنیٰ اور دلی دوست کی زوجہ کو اپنے نکاح میں لانے کی خواہش ایک الہامی پیغام کا مضمون تھا جس میں خدا نے پیغمبر کے تذبذب اور پس و پیش کرنے پر تنبیہ و تہدید کی ہے۔ طلاق کی اجازت دی گئی ہے اور آنحضرت ؐ کی اُن خواہشوں کے پورا کرنے کے لئے جو شان تقدس کے خلاف تھیں، نکاح کا حکم صادر ہوا ہے"۔ (ان اتہامات اور لغو اعتراضات کے مفصل اور مدلل جوابات علمائے اسلام کی تصانیف میں موجود ہیں مصنف مرحوم نے بھی مختصر جواب دیا ہے) (مترجم) (میور صاحب کی سیرت محمدی جلد ۴ صفحہ ۳۱۷ - ۳۱۸ مطبوعہ سنہ ۶-) [1] صفحہ ۹۹ - [2] برصفحہ ۱۰۱

اخلاقی اصول کے موافق زندگی بسر کرے اور پرہیزگاری اور اعلےٰ درجہ
کی معاشرت کا ایک بے مثل و بے نظیر نمونہ پیش کرے یا بعبارت دیگر جب کہ وہ
پیغام الٰہی کو وفاداری کے ساتھ پہنچائے، صداقت اور دیانت سے مذہبی
اصلاح کا وعظ سنائے اور اُس کے مواعظ کی عظمت و فوقیت الٰہی صداقت
کے نشانات اپنے اندر رکھتی ہو، تو اس بات کا مضایقہ نہیں کہ خاص حالتوں

لے (از صفحہ ۹۰) مگر ایک دیانت دار مؤرّخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی شخص کی خصلت کے تاریک پہلوؤں کی بھی ایسی تصویر کھینچے۔ جیسی کہ روشن پہلوؤں کی۔ جو دشمن بر وقت اطاعت قبول کرنے سے قاصر رہتے تھے اُن کے ساتھ آنحضرت ؐ کے برتاؤ میں عالی ہمتی یا تحمّل کا نقشہ کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ قریش جو جنگ بدر میں مقتول ہوئے تھے اُن کی لاشوں پر کھڑے ہو کر آپ نے وحشیانہ خوشی کے ساتھ بڑی مسرّت ظاہر کی (وحشیانہ خوشی نہیں بلکہ بہت کچھ رنج ظاہر کیا ملاحظہ ہو ابن ہشام صفحہ ۴۵۳) اور متعدّد قیدی جو سوائے اس جرم کے کہ آنحضرت ؐ کی نبوّت میں شک رکھتے تھے اور آپ سے ملکی مخالفت رکھتے تھے اور کسی جرم کے مجرم نہ تھے، دیدہ و دانستہ آپ کے حکم سے تہ تیغ کئے گئے۔ شاہزادہ خیبر کنانہ بن ربیع کے ساتھ اول تو اس غرض سے کہ وہ قبیلہ کے خزانوں کا پتا بتائے، سخت بیرحمی کی گئی۔ بعد ازاں اس کو مع اس کے عم زاد بھائی کے اس بہانے سے کہ انہوں نے خزانوں کو چھپا دیا ہے، قتل کیا گیا۔ اور اُس کی بیوی صفیہ کو فاتح کے خیمہ میں قید کر کے لائے۔ محمد (صلعم) نے مدینہ کے دو سالم یہودی قبیلوں (بنو نضیر اور بنو قینقاع) پر جلاوطنی کا حکم صادر فرمایا اور ایک تیسرے قبیلہ کی عورات و اطفال مثل اُس کے پڑوسیوں کے قیدی بنا کر وطن سے دور فروخت کئے گئے۔ اور اُن کے مرد (بنو قریظہ) جنکی تعداد کئی سَو تھی آنحضرت ؐ کی آنکھوں کے سامنے سخت بے رحمی سے قتل کئے گئے۔ (اس قول کی تردید کے لئے ابن ہشام صفحہ ۶۸۴ ملاحظہ ہو)۔

محمد صلعم نے زمانہ شباب میں اپنی قوم کے لوگوں میں "امین" کا معزّز لقب حاصل کیا تھا مگر بعد میں اپنے دوستوں کے حق میں خواہ کتنا ہی زیادہ راستبازی اور نیک نیتی کا برتاؤ آپ نے کیا ہو تاہم دشمنوں کے ساتھ درحقیقت دغا اور فریب کی کمی نہ تھی (كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا۔ مترجم)۔ دغابازی کا حملہ جو بمقام نخلہ کیا گیا۔ اور یہ وہ مقام ہے کہ قریش کے ساتھ باہمی جنگ میں پہلی خونریزی یہیں ہوئی ہے۔ اگرچہ اول اول آنحضرت ؐ نے اس حملہ سے اپنی بے تعلّقی ظاہر کی، کیونکہ اس میں عرب کے مقدّس دستورات کی قابل نفرت خلاف ورزی کی گئی تھی مگر آخر کار ایک ادّعائے الہام کے ذریعہ سے اس عمل کو حق بجانب قرار دیا گیا۔ پیغمبر ؐ نے (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰۰)

ہیں یا عمر کے آخری زمانہ میں اس کی خصلت اخلاقی اعتبار سے سبک یا خفیف ہو جائے۔ اگر وہ پیغمبر اپنے عیوب یا مخالف اخلاق افعال کی اپنے الہاموں کے ذریعہ سے بالکل اسی طرح حمایت کرے اور اخلاق کی صریح خلاف ورزی میں وحی آسمانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ابوبصیر قزاق (ابوبصیر قزاق نہیں بلکہ مظلوم تھا۔ ملاحظہ ہو ابن ہشام صفحہ ۴۲۳) پر ایسی نظر عنایت کی جو **صلحنامہ حدیبیہ** کے الفاظ اور نفس مضمون کے یقیناً برخلاف تھی وہ ناگہانی حملہ جو بہ آسانی فتح مکہ کا باعث ہوا، اگر ریاکاری سے نہیں تو حیلہ بازی سے کیا گیا تھا۔ جس بہانہ سے **بنی نضیر** کو محصور اور جلاوطن کیا گیا یعنی (جبریل نے بذریعہ الہام اطلاع دی تھی کہ وہ لوگ پیغمبر کی جان کے درپے ہیں) وہ کمزور تھا اور ایک راست باز انہ مقصد کی شان کے لائق نہ تھا (ابن ہشام صفحہ ۶۵۲ پر اس واقعہ کے متعلق صحیح اسباب ملاحظہ ہوں) جب افواج مشرکین نے مدینہ کا محاصرہ کیا تو محمد (صلعم) کو ایک دغاباز آدمی مسمی بہ نعیم بن مسعود (ہشامی صفحہ ۶۸۰) کی خدمات مطلوب ہوئیں اور اُس کو اس غرض سے مقرر کیا گیا کہ جھوٹی اور فریب آمیز خبروں سے دشمنوں میں نااتفاقی پیدا کرے کیونکہ آپ نے کہا تھا کہ "جنگ سوائے دھوکے کے کھیل کے اور کیا ہے (اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ)" زمانہ پیغمبری میں آپ کی پولٹیکل اور شخصی اغراض، الہامات الٰہی کے مشہور و معروف حیلے سے حاصل ہوتی تھیں اور اگر راستی سے اُن الہامات کی تنقید کی جاتی تو آنحضرت ؐ کو معلوم ہو جاتا کہ یہ آپ کی ذاتی خواہشوں کا عکس ہے و بس۔ اول اول تو یہودی اور عیسائی مذہب کو دیانت داری سے اپنے مذہب (اسلام) کی بنیاد قرار دیا گیا۔ مگر جب کہ ان دونو مذہبوں کے ذریعہ سے ایک قوی اقتدار قائم کرنے کا مقصد پُورا ہو گیا اُسی وقت اُن سے بے اعتنائی کی گئی، گو اُن سے بے تعلقی کا ظہور نہیں کیا گیا اور سب سے بدتر یہ بات ہے کہ ملکی اور مذہبی مخالفوں کا بزدلانہ قتل جس میں بے رحمی اور بیوفائی سے خود آنحضرت ؐ نے مدد دی یا اُس کا حکم دیا۔ آپ کی خصلت پر ایک سیاہ داغ ہے جو مٹ نہیں سکتا؟" (میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۳۰۷-۳۰۹)۔ (دیکھو صفحہ ۱۰۱)۔

(حاشیہ در حاشیہ) ہم نے ان ہفوات کا بفحوائے "نقل کفر کفر نہ باشد" جوں کا توں ترجمہ کر دیا ہے تاکہ مسلمانوں کو عبرت حاصل ہو۔ اس قسم کے تمام لغو اعتراضات اور جھوٹے اتہامات کا جواب مصنف مرحوم نے نہایت معقولیت، تہذیب و متانت اور تحقیق کے ساتھ دیا ہے، ناظرین مقدمہ کتاب اور اصل کتاب میں اُن مقامات کا مطالعہ کریں۔ علمائے اسلام کو لازم ہے کہ شیوۂ عزلت و رہبانیت کو ترک کر کے دنیا کی حالات سے واقفیت پیدا کریں اور جزوی اختلافات اور باہمی خانہ جنگیوں کو چھوڑ کر حمایت اسلام پر کمربستہ ہو جائیں۔
اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ (مترجم)

حاشیہ صفحہ ہٰذا لہ مصنف کا یہ بیان حسب مذاق عیسائیان ہے۔ اور آگے عقیدہ کو تسلیم کر کے جواب دیا گیا ہے (مترجم)

پیش کر کے اپنے آپ کو بالکل اسی طرح حق بجانب قرار دے۔ جس طرح وہ خالص تر مسائل الٰہیات اور اعلیٰ تر اصول اخلاق کی تعلیم کے وقت کرتا ہے۔ جس تعلیم کے لئے وہ منجانب اللہ مامور ہوتا ہے اُس وقت اور اسی وقت سے ہم اس کو ریاکار کہیں گے اور اپنی عیش پرستی کی غرض سے خدا کے نام پر جھوٹ بنانے کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) " اس کتاب کے پڑھنے والے کو معلوم ہو جائیگا کہ بُت پرستی کا چراغ گُل کرنے اور دنیا میں مذہب اور نیکی کو ترقی دینے کی سرگرم خواہش کے ساتھ ساتھ پیغمبر (صلعم) کے دل میں نفس پرستی کا انہماک پیدا ہو گیا تھا، یہاں تک کہ آخر کار اپنے آپ کو محبوب الٰہی قرار دیکر اخلاق کی صریح خلاف ورزی میں الہامات الٰہی کے ذریعہ سے اپنے تئیں حق بجانب سمجھا۔ وہ اس بات پر بھی غور کریگا کہ محمد (صلعم) کی طبیعت جہاں اس قدر مہربان اور نرم واقع ہوئی تھی کہ آپ (بوجہ رقت قلب کے) رونے والوں کے ساتھ خود رونے لگتے تھے۔ اور اپنے اصحاب کے ساتھ دوستی و محبت میں بلا تامل ایثار کو کام فرما کر آپ نے اُن کے دلوں کو تسخیر کر لیا تھا۔ وہاں بے رحمی اور دغا بازی سے مخالفوں کے قتل ہونے پر آپ خوشی کا اظہار بھی کر سکتے تھے، ایک سالم قبیلے کے قتل ہو جانے کو بنظر شوق ملاحظہ کر سکتے تھے اور بیگناہ شیر خوار بچے کو دوزخ کی آگ میں بیرحمی سے ڈال سکتے تھے" (کذب محض اور بہتان صریح (مترجم))
(میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۳۲۲ - ۳۲۳)۔

۲ے (حاشیہ صفحہ ۹۰) معاشرت خانہ داری میں بجز ایک امر اہم کے آنحضرتؐ کی روش قابل تقلید تھی بہ حیثیت ایک خاوند کے آپ کی محبت اور جاں نثاری بدرجہ کمال تھی، مگر بعض اوقات حسد کے لگ بھگ پہنچ جاتی تھی۔ بحیثیت ایک والد کے آپ محب اور شفیق تھے۔ کہا جاتا ہے کہ زمانہ شباب میں آپ نے نیکی اور پارسائی کی زندگی بسر کی۔ ۲۵ سال کی عمر میں آپ نے ایک چالیس سال کی بیوہ سے نکاح کیا۔ اور ۲۵ سال تک آپ صرف اُسی ایک زوجہ کے وفادار شوہر رہے۔ تاہم یہ عجیب بات ہے کہ قرآن مجید کی جن سورتوں میں حوریان سیہ چشم کا، جو مومنوں کے لئے فردوس میں رکھی گئی ہیں دلکش طرز سے نقشہ کھینچا گیا ہے، اُن میں اکثر اسی زمانہ میں ترتیب دی گئی ہیں۔ خدیجہؓ کے انتقال سے تھوڑے عرصہ بعد پیغمبرؐ نے دوسرا نکاح کیا، مگر جب آپ چونؐ برس کی پختہ عمر کو پہنچ گئے اُس وقت آپ نے (اُم المومنین) سودہؓ کی موجودگی میں عائشہ سے جو ابھی بچی تھی نکاح کر کے کثرت ازدواج کی خوفناک آزمائش شروع کی۔ ازدواج کی قدرتی حدود سے ایک دفعہ تجاوز کرنے کے بعد آنحضرتؐ اُس قوی جذبہ سے بہ آسانی مغلوب ہو گئے جو عورات کے لئے آپ کے دل میں تھا۔ چھپنؐ سال کی عمر میں آپ نے حفصہ سے اور اگلے سال ۲ ماہ میں یکے بعد دیگرے زینب بنت خزیمہ اور ام سلمہ سے نکاح کیا۔ مگر آپ کی (دیکھو صفحہ ۹۴)

بابت ہم اس کو بڑے کفر کا مرتکب سمجھیں گے۔

مگر اوّل تو آنحضرت صلعم کی اخیر عمر کے چھ سات سال کے زمانہ میں سے صرف تین سال کا زمانہ ایسا ہے جس میں مخالفین بعض واقعات پر اپنی غلط فہمی سے بیرحمی اور ہوا پرستی کے الزامات لگاتے ہیں۔ باقی ماندہ زمانہ کی بابت کوئی الزامات لگائے جائیں تو وہ سراسر لغو اور جھوٹے ہیں۔ دوسرے اگر بالفرض ان کا وقوع میں آنا (بزعم معترض) ثابت ہو بھی سکے تو یہ تو ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ کہ ان ادّعائی بے رحمیوں یا صریح مخالفِ اخلاق افعال کی بابت آنحضرت صلعم نے اپنے آپ کو حق بجانب قرار دیا ہو۔ اور یہ کہا ہو کہ ان پر عمل کرنے کے لئے مجھے خدا نے حکم یا منظوری دیدی ہے۔ **قتل کے الزامات اور اسیرانِ جنگ وغیرہ کے ساتھ بیرحمیاں اور مکر و دغا کے ادعائی الزامات جو سر ولیم میور نے شمار کئے ہیں، اُن کی میں نے تحقیق کی ہے، اور اصل کتاب (تحقیق الجہاد) میں اُن کا ابطال کیا ہے۔** دیکھو فقرات ۴۴-۵۴-۵۷-۷۶۔ چونکہ ماریہ قبطیہ اور زینب کے حالات براہ راست اس کتاب کے مقصد میں شامل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے میں نے ضمیمہ میں جداگانہ ان سے بحث کی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) خواہشیں ازواج کی اس تعداد سے پوری نہ ہوئیں، جو اس تعداد سے جسکی اجازت آپ کے پیروؤں کو تھی، پہلے ہی زیادہ تھی بلکہ جوں جوں آپ کی عمر بڑھتی گئی جدید اور مختلف نکاحوں کی خواہشوں میں ترقی ہوتی رہی۔ زینب اور ام سلمہ سے نکاح کرنے کے چند ماہ بعد اتفاقاً ایک اور زینب کا حُسن پیغمبر صلعم کی تعریف و تحسین کرنے والی نگاہ کے سامنے بے پردہ آشکارا ہو گیا۔ یہ عورت زید کی زوجہ تھی۔ جو آپ کا متبنّٰے بیٹا اور گہرا دوست تھا مگر آپ اُس شعلہ کو جو اس نے آپ کے سینہ میں مشتعل کر دیا تھا فرو نہ کر سکے (معاذاللہ) اور حکم الٰہی سے آپ نے اُس کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اسی سال آپ نے ایک ساتویں زوجہ اور نیز ایک کنیز سے عقد کیا۔ اور آخر کار جب آپ کی عمر پورے ساٹھ سال کی ہوئی، اس وقت سات مہینے کے عرصہ میں علاوہ کنیز ماریہ قبطیہ کے کم از کم تین جدید ازواج کا آپ کے حرم میں جو پہلے ہی اچھی طرح بھرا ہوا تھا اضافہ ہوا۔" (میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۳۰۹-۳۱۰)۔

سر ولیم میور نے تو یہ بیان نہیں کیا کہ آنحضرت صلعم نے اپنے دشمنوں کے ساتھ بیرحمیاں کرنے میں جن کا میور صاحب کو دعویٰ ہے، خدا کی طرف کسی خاص الہام یا منظوری حاصل کرکے اپنے تئیں حق بجانب قرار دیا، تاہم ریورنڈ مسٹر ہیوز جن کی کتاب کی بابت کہا گیا ہے کہ اس میں ایک بے مثل خوبی یہ ہے کہ وہ صحیح ہے[1]۔ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے قرآن میں خدا کا حکم حاصل کرکے ایسا کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں :-

"پیغمبر عرب کے سب سے بڑے حامی بھی اس امر کے تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ "زینب اور ماریہ قبطیہ کا معاملہ آپ کے نام پر ایک ایسا داغ ہے جو "مٹ نہیں سکتا، آپ ایک دو مرتبہ اپنی بہترین فطرت پر جس کا میلان عفو اور مہربانی "کی طرف تھا قائم نہ رہے۔ اپنے ذاتی دشمنوں کو سزا دینے میں ایک دو مرتبہ بیرحمی کا "اظہار کیا۔ آپ سے (نعوذ باللہ) یہ بھی غلطی ہوئی کہ کئی مرتبہ اپنے شدید دشمنوں "کے قتل پر بے پروائی ظاہر کی مگر کوئی قابل اطمینان توجیہ یا تائید اس امر کی بابت "نہیں کرسکتے کہ یہ تمام کام قرآن میں فرضی منظوری لینے کے بعد عمل میں لائے گئے تھے"[2]

یہ ہے "بے مثل صحت" مسٹر ہیوز کی کتاب کی یہاں میرے لئے اس بات کا اعادہ غیر ضروری ہے کہ ان میں سے کوئی بیان نہ تو صحیح ہے اور نہ امر واقعہ ہے، اور نہ آنحضرت صلعم نے کسی امر کی بابت یہ دعوےٰ کیا کہ قرآن میں خدائے تعالیٰ کی منظوری سے میں نے اُس پر عمل کیا ہے۔

آنحضرت صلعم کی خصلت کی بابت ریورنڈ مارکس ڈاڈس لکھتے ہیں :-

---

[1] دیکھو کتاب محمد و دین محمدی از مسٹر آر باسورتھ اسمتھ ایم۔ اے اسسٹنٹ ماسٹر ہیرو سکول"۔

[2] "دین محمدی پر نوٹ (یادداشتیں)" از ریورنڈ ٹی۔ پی۔ ہیوز مشنری افغانان پشاور طبع دوم صفحہ ۱۴ مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء۔

"یہ معاملہ آپ کی کثرت ازدواج کی وجہ سے پیچیدہ نہیں ہوا اور نہ آپ کی گاہ گاہ ہوا
"پرستی کی وجہ سے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ سے کوئی ناپسندیدہ فعل (نعوذ
"باللہ) سرزد ہوا تو آپ نے اپنے ادّعائی الہامات سے جواب قرآن کے اندر بہ حیثیت
"جزوِ قرآن مندرج ہیں، اپنے چال چلن کی حمایت کی۔ جب آنحضرت ؐ کی ازواج نے
"آپ کی بیقاعدگیوں پر واجبی شکایت کی تو آپ نے اس الہام کے ذریعہ سے کہ خدا نے
"مجھے متعدّد نکاحوں کی رخصت دی ہے انہیں خاموش کر دیا۔ حالانکہ خود ہی اُس کو
"ناجائز قرار دے کر ممانعت کر چکے تھے۔ جب آپ نے ایک عورت سے جو آپ ہی
"کے قانون کی رُو سے آپ پر حرام تھی عقد نکاح کا ارادہ کیا تو ایک الہامی اجازت
"حاصل ہو گئی، جس سے آپ کو اس خلاف ورزی کی ترغیب ہوئی"۔[1]

یہ دونو ادّعائی مثالیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں، بالکل جھوٹ اور بناوٹ ہیں۔ کوئی ایسا الہام نہیں ہوا جس نے آنحضرت ؐ کو نکاحوں کے بارہ میں ایسی رخصت دی ہو جس کو خود آپ نے ناجائز قرار دیکر ممانعت کی ہو اور نہ کوئی ایسی اجازت بھی پیش کی گئی جس سے آپ نے کسی ایسے عقد کو جو آپ ہی کے قانون کی رُو سے ممنوع تھا جائز قرار دیا ہو۔ اس مضمون پر میں نے اپنی کتاب "محمد دی ٹرو پرافٹ" (محمد نبی صادق) میں مفصّل بحث کی ہے اور ناظرین کو اسی کتاب کا حوالہ دیا جاتا ہے۔[2] آنحضرت ؐ کے ازواج کے متعلق چند آیتو

[1] "محمد۔ بدھ اور مسیح" از مارکس ڈاڈس ڈی۔ ڈی۔ صفحات ۲۴-۲۵۔
[2] دیکھو صفحات ۴۸ لغایت ۶۱۔ یہ کتاب ایجوکیشن سوسائٹی کے مطبع واقع بائیکلا بمبئی میں زیر طبع ہے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ پہلی مثال میں سورۂ احزاب ۳۳۔ آیت ۵۱۔ ڈاکٹر مارکس ڈاڈس کے پیش نظر تھی اس آیت میں آنحضرت ؐ کو ہرگز ان نکاحوں کی اجازت نہیں دی گئی، جن کو خود آپ نے ناجائز قرار دیا تھا تعدّدِ ازدواج کو موقوف کرنے اور لوگوں کو ازدواج واحد کا عادی بنانے کے لئے آنحضرت ؐ نے غیر محدود کثرت ازدواج کو جس کا عرب میں رواج تھا محدود کرنے کے وقت ایک سخت شرط یہ لگا دی تھی کہ اپنی ازواج کے ساتھ اگر ان کی تعداد ایک سے زیادہ ہو "عدل" کا برتاؤ کریں۔ باعتبار ہر (دیکھو صفحہ ۹۷)

ہیں یورپین مصنّفوں کو جنہوں نے اس مضمون پر لکھا ہے، بڑی غلط فہمی ہوئی ہے اور ڈاکٹر مارکس ڈاڈس بھی اس عام غلط خیال میں شریک ہیں۔ جب کہ وہ یہہ کہتے ہیں :-

"آنحضرت صلعم نے اپنے عہدۂ نبوّت سے زیادہ تر اس طرح کام لیا گویا آپ کو اس آزادی
"کا حق حاصل ہو گیا ہے جس سے معمولی آدمیوں کو روکا گیا تھا۔ اپنے معتقدوں کے لئے
"تو چار عورتوں کی حد لگا دی، مگر اپنے لئے یہ آزادی قائم رکھی کہ جسقدر عورتوں سے
"چاہیں نکاح کر لیں" صفحہ ۲۳

یہ بیان اصل واقعہ کی سرتاپا غلط تعبیر ہے۔ آنحضرت صلعم نے ہرگز اپنے لئے یہ آزادی نہیں رکھی کہ جتنی عورتوں سے چاہیں نکاح کر لیں۔ برعکس اس کے سورۂ احزاب ۳۳۔ آیت ۵۲ میں آپ کے لئے اُن عورتوں کے سوا جو پہلے سے آپ کے عقد میں تھیں، تمام عورتیں حرام کی گئی ہیں اور اُن میں سے بعض یا کل کے انتقال کی صورت میں بھی آپ کو نکاح کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے عہدۂ نبوّت سے زیادہ تر اس طرح کام لیا کہ جس رخصت سے عام لوگوں کو متمتّع ہونا جائز تھا، وہ خود آپ کے لئے مزاحمت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مفہوم کے جو اس لفظ میں داخل ہے۔ یعنے معاشرت کی آسایش، محبّت اور انتظام خانہ داری (دیکھو سورۂ نساء ۴۔ آیت ۳)۔ جب اس تجویز سے اہل عرب میں ازدواج واحد کا میلان پیدا ہو گیا اُس وقت یہ اعلان کر دیا گیا کہ متعدّد ازواج کے ساتھ بہمہ وجوہ عدل کا برتاؤ کرنا عملاً محال ہے (دیکھو سورۂ نساء ۴۔ آیت ۱۲۸) اور حکم مذکورہ بالا کے نافذ ہونے سے پہلے ہی جن لوگوں کے پاس متعدّد ازواج تھیں اُن کو اس شرط کی پابندی سے بری کر دیا گیا جو سورۂ نساء ۴۔ آیت ۳ میں مقرر کی گئی تھی مگر اُسوقت کی موجودہ ازواج کی بابت اُن کو یہ حکم دیا گیا کہ کسی ایک زوجہ کی طرف سے بالکل غافل اور بے پروانہ ہو جانا۔ علےٰ ہٰذالقیاس آنحضرت صلعم کو بھی سورۂ احزاب ۳۳۔ آیت ۵۱ میں اس شرط سے سبکدوش کیا گیا۔ بغیر اس کے کہ "آپ کو نکاحوں کے بارہ میں ایسی رخصت دی گئی ہو جس کو خود آپ نے ناجائز قرار دیدیا تھا" میرا قیاس یہ ہے کہ دوسری مثال متنازعہ کی بابت ہے۔ جب زید نے زینب کو طلاق دیدی تو آپکے قانون کے مطابق اُس سے نکاح کرنا آپ کے لئے ممنوع نہ تھا +

ہو گئی۔ دیگر مسلمانوں سے زیادہ اگر کوئی حق آپ کو حاصل تھا (سورۂ احزاب ۳۳ آیت ۴۹) تو وہ یہ نہیں تھا کہ آپ نے "اپنے لئے یہ آزادی رکھی کہ جتنی عورتوں سے چاہیں نکاح کر لیں"، بلکہ یہ تھا کہ جو عورتیں پہلے سے آپ کے نکاح میں تھیں اور جن کی تعداد چار سے زیادہ تھی۔ اور یہ تعداد سورۂ نساء ۴۔ آیت ۳ کی رُو سے مقرر کی گئی ہے۔ اُن عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھیں۔ دیگر مسلمان مثلاً قیس بن عیلان نوفل جن کے پاس چار سے زیادہ عورتیں تھیں اُن سے یہ خواہش کی گئی کہ جو حد پہلے پہل مقرر کی گئی ہے اس سے جس قدر زیادہ عورتیں ہوں اُن کو اپنے سے جدا کر دیں۔ یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا جبکہ کثرت ازدواج کو درحقیقت موقوف کیا گیا تھا، یعنے سورۂ نساء ۴ کی آیت ۳۔ اور آیت ۱۲۸ کے نازل ہونے کے درمیانی زمانہ میں۔ اگر آنحضرت صلعم نے اُن عورتوں کو جو سورہ نساء ۴۔ آیت ۳ کے نازل ہونے سے پہلے باقاعدہ طور پر آپ کے عقد نکاح میں آچکی تھیں، اپنی زوجیت میں رہنے دیا، تو اس میں نہ تو نقص اخلاق ہی ہے اور نہ کوئی ہوا پرستی کی بات ہے۔ یہ حق جو سُورۂ احزاب ۳۳۔ آیت ۴۹ کی رو سے حاصل تھا، اُس کے مقابلہ میں سُورہ مذکورہ کی آیت ۵۲ موجود ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

۵۲۔ لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَکَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ ○

(الاحزاب ۳۳۔ آیت ۵۲)۔

۵۲۔ "(اے پیغمبر!) اس کے بعد سے تم کو دوسری عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ یہ بات جائز ہے کہ اُن کو بدل کر دوسری عورتوں سے نکاح کرو گو اُن کا حُسن تم کو اچھا لگے۔ اُن عورتوں کے سوا جو پہلے سے تمہارے قبضہ میں ہیں"۔ (الاحزاب ۳۳۔ آیت ۵۲)۔

جس غلط بیانی میں دیگر یوروپین مصنفین[1] مبتلا ہیں، اسی میں مسٹر سٹینلے

[1] (دیکھو صفحہ ۹۹ کتاب ہذا)۔

لین پول بھی مبتلا ہیں، جب کہ وہ یہ لکھتے ہیں :-

"پیغمبر اسلام نے اپنے پیروؤں کے لئے صرف چار عورتوں کی اجازت دی، مگر
"خود بارہ[۱۲] سے زیادہ عورتوں سے نکاح کیا"۔

وہی مصنّف لکھتا ہے :-

"مگر جب یہ تمام باتیں کہی جا چکی ہیں اور یہ بھی ظاہر کیا جا چکا ہے کہ محمد (صلعم) غارتگر
"ہوا پرست نہ تھے۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے آپ کو سمجھا ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا
"ہے کہ آپ کا قانونِ ازدواج سے انحراف کرنا ممکن ہے کہ ایسے اغراض پر مبنی ہو جو
"عام ہوا پرستی کے لحاظ سے نہیں بلکہ آپ کے نقطۂ خیال سے معقول اور واجبی ہوں"۔
"کیا جب محمد (صلعم) نے اس امر کا اعلان کیا تھا کہ "مجھے زیادہ عورتوں سے نکاح
"کرنے کی اجازت دی گئی ہے"۔ اس وقت بھی آپ کو اس بات کا کہ "میں خدا کا کلام
"بیان کر رہا ہوں" ایسا ہی یقین تھا جیسا اُس وقت تھا جب کہ آپ نے "لا الٰہ
"الا اللہ" کی منادی کی تھی"[۱]۔

آنحضرت ؐ نے اپنے قانون ازدواج کی خلاف ورزی نہیں کی اور نہ کبھی اس بات کا دعوےٰ کیا کہ مجھے بہ نسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت مل گئی ہے۔ آپ کے تمام نکاح (جن کی تعداد غلطی سے بارہ[۱۲] کے قریب سمجھی گئی ہے) اُس قانون ازدواج کے اعلان سے

(حاشیہ صفحہ ۹۸ کتاب ہذا) :- مسٹر اوسبورن لکھتے ہیں :- "پیغمبر (آنحضرت ؐ) ایک ایسے بلند پایہ شخص ہو گئے تھے کہ اسلامی اخلاق کی ڈھیلی ڈھالی قبا بھی اُن کے لئے نہایت ہی تنگ لباس ہو گیا تھا۔ دیگر مسلمانوں سے بڑھ کر آپ کو ایک خاص حق عطا کیا گیا تھا۔ آپ اپنی ازواج کی تعداد کو بے حد بڑھانے کے مجاز تھے آپ حد ممنوع کے اندر نکاح کر سکتے تھے اور آپ نے ایسا کیا بھی"۔ ("اسلام زیر حکومت عرب"۔ از۔ آر ڈی۔ اوسبورن مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء صفحہ ۹۱)

[۱] "سٹڈیز ان اے ماسک" (تعلیم ایک مسجد میں) از ایس۔ ایل۔ پول صفحہ ۷۷ و ۸۰ مطبوعہ لندن ۱۸۸۰ء۔

پہلے منعقد ہوئے تھے، جس کی نسبت ناواجب طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ آپ نے اس کے خلاف کیا۔ قانون مذکور کی اشاعت کے بعد آپ نے اِن عورتوں کو جن کی تعداد چار سے زیادہ تھی اپنی زوجیت میں رکھا، مگر اُن کے انتقال یا طلاق کی صورت میں اُن کی جگہ دوسری عورتوں سے نکاح کرنے کی آپ کو ممانعت کی گئی تھی۔ جب یہ قانون شائع ہو گیا تو اس کے بعد دیگر مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ چار سے زیادہ جسقدر عورتیں اُن کے پاس ہوں اُن کو طلاق دیدیں، مگر مسلمانوں کو یہ آزادی تھی کہ اگر اُن کی عورتوں میں سے کسی کا انتقال ہو جائے یا اُس کو طلاق دیدی جائے تو حد معیّن کے اندر اُن کی جگہ دوسری عورتوں سے نکاح کر سکتے تھے۔ آنحضرت ؐ کا فعل نہ تو خلاف اخلاق تھا اور نہ اُس میں ہوا پرستی کی آزادی پائی جاتی تھی۔ یہ آپ کی کمال دانشمندی تھی کہ سورہ نساء ۴۔ آیت ۳ کے عملدرآمد سے پہلے جن عورتوں سے آپ نکاح کر چکے تھے اُن سب کو آپ نے اپنی زوجیت میں رہنے دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جن عورتوں کو آپ اس طرح طلاق دیدیتے ممکن تھا کہ وہ بعض کفار سے بلکہ آپ کے بعض دشمنوں سے بھی نکاح کر لیتیں، اور یہ امر معاصرین کی نظروں میں پیغمبر (صلعم) کے لئے موجب سُبکی اور آپ کے دشمنوں کے لئے باعث مضحکہ ہوتا۔

تعلیم محمدی پر مخالفین کے اعتراضات۔

۳۷۔ آنحضرت ؐ کی تعلیم کے متعلّق مخالفین اسلام نے ان پانچ باتوں پر بڑا زور دیا ہے :۔

(۱) اگرچہ عرب کی پست اور ذلیل حالت کے لحاظ سے آنحضرت ؐ کی اصلاحیں

آنحضرت ؐ کی تمدّنی اصلاحوں کا خاتم اور کامل ہونا۔

بڑی قابل قدر تھیں اور انہوں نے اُن وحشیانہ بُرائیوں کو جو جہالت اور وحشت کے ساتھ لگی رہتی ہیں کامیابی کے ساتھ دفع کیا، تاہم ایک ناممکّل ضابطۂ اخلاق کو نیکی و بدی کا مستقل

معیار اور خاتم اور ناقابل تنسیخ قانون بنا دیا گیا ہے اور یہ امر کسی قوم کی نئی زندگی اور ترقی میں ایک ناقابل عبور سدّ راہ ہے۔ اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ آنحضرت ؐ کی اصلاحیں آپ ہی کے زمانہ اور مُلک کے لئے مفید اور عمدہ تھیں، مگر اُن کو قطعی اور خاتم قرار دیکر آئندہ ترقی کو روک دیا اور ادھورے اصول کو مقدّس اور کامل بنا دیا گیا۔ جو قانون عربوں کے لئے بندش کا کام دیتا تھا، وہی دوسروں کے لئے بے قید آزادی کا حکم رکھتا ہے[1]

(۲) اسلام اصول سے بحث کرنے کی بجائے زیادہ تر قطعی احکام (اوامر) سے بحث کرتا ہے[2]۔ اور اوامر کا ایک معیّن دستور العمل جس میں ذرا ذرا سی تفصیلی باتوں، یعنے ظاہری عبادت اور زندگی کے اخلاقی وتمدّنی تعلّقات کی بابت ہدایات دی گئی ہوں، اُس میں یہ خطرہ ہے کہ مبادا جب وہ حالات جو اُن اوامر کو جائز قرار دیتے تھے بدل جائیں اور معدوم ہو جائیں اُس وقت بھی وہی دستور العمل لوگوں کے دلوں پر نہایت مضبوط گرفت قائم رکھے، اور اسی لئے جو لوگ پہلے ہی اعلےٰ قسم کا تمدّن رکھتے ہیں اور خالص تر ایمان کے اصول پر کاربند ہیں اُن پر ایسے دستور العمل کی پابندی کا بار ڈالنا جو وحشیوں ہی کے مناسب حال ہو، برکت نہیں بلکہ آفت ہے۔ نہیں، اس سے

قطعی احکام یا اوامر

---

[1] دیکھو "اسلام اور اس کا بانی" از جے۔ ڈبلیو۔ ایچ اسٹابرٹ بی۔ اے صفحہ ۲۲۹ مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ء اور کتاب "محمد، بُدھ اور مسیح از مارکس ڈاڈس۔ ڈی۔ ڈی صفحات ۱۲۲ - ۱۲۳ مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ء۔ میجر اوسبورن لکھتے ہیں:۔ "مگر اس سیاسی نظام کو جو ان ناتراشیدہ اصول پر قائم کیا گیا تھا، خاتم اور مکمّل کا لقب دیا گیا تھا۔ اطاعت پر زور دینے اور جوشِ مخالفت کو دور کرنے کی غرض سے محمد (صلعم) نے یہ دعوےٰ کر دیا کہ یہ دستور العمل حتیّٰ کہ اُس کی ذرا ذرا سی باتیں قانون الٰہی ہیں"۔
(اسلام زیر حکومت عرب صفحات ۴۵ - ۴۶)

[2] دیکھو کتاب "دین اسلام" از ریورنڈ ایڈورڈ سیل صفحہ ۷ مطبوعہ لندن ۱۸۸۰ء۔

بھی بڑھ کر خرابی یہ ہے کہ جو مذہبی دستور العمل لوگوں کے لیئے اُس وقت اچھا تھا جبکہ وہ وحشیانہ حالت میں تھے وہ اُنہی لوگوں کے لیئے اس وقت قطعی مضرّ ہو سکتا ہے جب کہ وہ اُس کے اثر سے وحشی پن سے نکل کر تمدّن کی اعلےٰ حالت میں داخل ہونے لگیں[1]۔

(۳) اسلام میں مذہبی رسوم و آداب کی ٹھیک ٹھیک پابندی کے ساتھ ہی

شریعت کی ظاہری رسوم

خدا کا انعام اور صلہ وابستہ سمجھا جاتا ہے۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی عبادت میں **تکلّف** اور **بے اعتنائی**"۔ "ظاہری **احتیاط** اور واقعی **بے اعتقادی**" پہلو بہ پہلو ترقی کرتی ہیں۔ نماز کے **قیام و قعود** میں نہایت ہی خفیف سی تبدیلی یا **رکوع و سجود** کا ذرا بے موقع ہو جانا بہ نسبت علانیہ **فسق و فجور** اور قطعی غفلت کے سخت تر قابل ملامت سمجھا جاتا ہے[2]۔

(۴) اسلام نے اخلاق پر **اصولی** حیثیت سے نہیں بلکہ **عملی** حیثیت سے نظر

قرآن کا عملی اخلاق

کی ہے۔ قرآن گُناہ اور نیکی سے بہ حیثیت مجموعی بحث کرنے کی

---

[1] دیکھو "مسیحیت اور اسلام" بائیبل اور قرآن" از ریورنڈ ڈبلیو آر۔ ڈبلیو اسٹیفنز صفحات ۹۵-۱۳۱۔ مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء

[2] دیکھو کتاب "اسلام اور اُس کا بانی" از جے۔ ڈبلیو۔ ایچ اسٹابرٹ بی۔ اے صفحہ ۲۳۷- اور اسٹیفنز کی کتاب "مسیحیت اور اسلام"۔

میجر اوسبورن لکھتے ہیں:۔ "مسلمان پیدا ہوتے ہی ایک ایسے نظام مذہب کا ممبر (رکن) ہو جاتا ہے جس میں اُس کی زندگی کا ہر ایک کام ایک دقیق رسم کا محکوم ہوتا ہے۔ وہ نہایت سخت دستورات کے دائرہ میں چاروں طرف سے محصور رہتا ہے"۔ (اسلام زیر حکومت خلفاے بغداد صفحہ ۷۸ و ۷۹)

وہی مصنف فٹ نوٹ میں صفحہ ۷۹ پر یہ بھی لکھتا ہے:۔

"مثلاً اگر نمازی کے جسم پر کوئی ایسی شے لگی ہو جو شرعاً ناپاک سمجھی جاتی ہے تو اُسکی نماز بالکل بیکار ہے۔ اگرچہ وہ اس نجاست کے وجود سے بے خبر ہی کیوں نہ ہو۔ نیز نماز باطل اور رائگان ہے تاوقتیکہ نماز گزار زن و مرد خاص طور کے مجوّزہ لباس میں ملبوس نہ ہوں"۔

بہ نسبت فرداً فرداً اور نامکمّل طور پر ان سے بحث کرتا ہے۔ وہ اصول کی بہ نسبت افعال سے۔ نیّت کی بہ نسبت ظاہری عمل سے وعظ و ترغیب کی بہ نسبت اوامر و احکام سے زیادہ تر بحث کرتا ہے۔ اسلام بہ حیثیت مجموعی گناہ کی بُرائی اور نفرت کو انسان کے سامنے پیش نہیں کرتا۔[۱]

(۵) اسلام ساکن اور ایک حالت پر قائم ہے۔ قرآن کی سخت بندشوں میں

قرآن کا گردو پیش کے حالات سے مناسبت نہ رکھنا۔

جکڑ بند ہونے کی وجہ سے اسلام میں بھی دین عیسوی کی مانند یہ[۲] قوت نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو زمانہ اور مقام کی تغیر پذیر حالتوں کے موافق بنا سکے، اور اگر بذات خود انسانی ترقّی اور قومی سربلندی کا رہنما اور ہادی نہ ہو تو قدم بہ قدم اُن کے

---

۱ دیکھو "مسیحیت اور اسلام" از ڈبلیو۔ آر۔ ڈبلیو۔ سٹیفنز صفحات ۱۲۲-۱۲۳۔
میجر اوسبورن لکھتے ہیں:۔ "پیغمبر اسلام (صلعم) کو کسی ایسی مذہبی زندگی کا علم نہ تھا جس میں ظاہری رسوم بہ نسبت باطنی حالت کے زیادہ تر اہم نہ سمجھے گئے ہوں۔ لہٰذا آپ نے یہی وصف اسلام کو بھی عطا کیا یہی وجہ ہے کہ قرآن (مجید) میں اخلاق کا سلسلہ بتدریج نہیں ہے۔ تمام احکام خدا کی مرضی سے صادر ہوتے ہیں اور یکساں تہدید و تاکید سے اُن سب کی تعمیل کا زور ڈالا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص تمدّنی زندگی کے لئے نہایت ہی حقیر اور ادنے ادنے باتوں کی تعمیل سے قاصر رہے تو وہ اُنہی خوفناک سزاؤں کا مستوجب ہے جن کا مستحق بُت پرستی اور کفر کا مرتکب ہوتا ہے"۔ (دیکھو کتاب اسلام زیر حکومت خلفاء صفحہ ۵)
یہی مصنّف آگے چل کر کہتا ہے:۔ "یہ روایات اپنی مذہبی صورت میں اُس عجیب پریشانی خیال کی وجہ سے قابل غور ہیں، جس کے باعث پیغمبر اسلام ؐ نے سنگین[۱] اخلاقی جرائم۔ اخراجات[۲] میں اسراف و تبذیر، اور[۳] مراسم مذہبی کی پابندی میں اتفاقیہ غفلت، ان سب فروگزاشتوں کو ایک سطح (درجہ) پر رکھا ہے۔ گناہ کو سراسر ظاہری نجاست سمجھا گیا ہے، جو کسی قسم کا تاوان (کفارہ) ادا کرنے سے محو ہو جاتا ہے" (دیکھو کتاب مذکور کا صفحہ ۶۲)
۲ "معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصنّف بعض اوقات ایسی بات لکھ جاتا ہے، جو یقیناً اس کی مراد نہیں ہوتی، مثلاً اسباب زوال اسلام کا نہایت عمدہ خلاصہ بیان کرتے کرتے وہ یہ فقرہ بھی لکھ جاتا ہے، قرآن کی سخت بندشوں میں جکڑ بند ہونے کی وجہ سے اسلام میں بھی دین عیسوی کی مانند یہ قوت نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو زمانہ اور مقام کی تغیّر پذیر حالتوں کے موافق بنا سکے (سٹینڈرڈ ریویو۔ بابت جون ۱۸۸۳ء ۶)۔

ساتھ تو رہے۔ اسلامی جماعت میں رُوحانی اور دُنیوی امور کو ملا جلا کر ایسا گڈمڈ کیا ہے کہ اُن کے علیحدہ ہونے کی اُمید نہیں، اسلام میں کوئی ایسا نظام جو آزادانہ آئین حکومت کے لگ بھگ ہو، نظر نہیں آتا، اور نہ اس میں ایسی قابلیت ہی موجود ہے جس سے آیندہ جمہوریت کی بنیاد قائم ہو سکے[۱]

اعتراضات مذکورہ بالا قرآن مجید پر عائد نہیں ہو سکتے۔

۳۸- یہ تمام اعتراضات مسلمانوں کے عام قانون کی تعلیم پر جس کو فقہ یا شرع کہا جاتا ہے۔ کم وبیش عائد ہوتے ہیں نہ کہ قرآن مجید پر، اور قرآن مسلمانوں کا وہ قانون ہے جس کو وحی الٰہی کہتے ہیں۔ ہمارا عام قانون جس میں مذہبی اور ملکی دونو طرح کے قانون سے بحث ہوتی ہے، ہرگز الٰہی یا ناقابل تغیّر قانون نہیں سمجھا جاتا۔

میں نے اس مضمون پر ایک جدا کتاب[۲] میں بحث کی ہے، جو قانونی سیاسی، مُلکی اور تمدّنی اصلاحوں کی بابت لکھی ہے اور ناظرین کتاب ہذا کو اسکے مطالعہ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اس مقدّمہ میں میرے لئے جس قدر گنجایش ہے اور وہ پہلے ہی حد مناسب سے تجاوز کر چکی ہے، مجھے اجازت نہیں دیتی، کہ اعتراضات مذکورہ بالا پر پوُری اور طویل بحث کروں، مگر حتّےٰ الامکان اختصار کے ساتھ یہاں اُن اعتراضات پر نظر کروں گا۔

آنحضرت کی تمدّنی اصلاحیں خاتم اور کامل ہیں۔

۳۹- (۱) پہلے اعتراض کا جواب۔ آنحضرتؐ

[۱] دیکھو "ابتدائی خلافت کی تواریخ" از سر ولیم میور کے۔ سی۔ ایس۔ آئی، ایل۔ ایل۔ ڈی، ڈی۔ سی۔ ایل۔ صفحہ ۴۵۶۔ مطبوعہ لندن ۱۸۸۳ء۔

[۲] اسلامی حکومت میں سیاسی۔ تمدّنی اور قانونی اصلاحیں" مطبع ایجوکیشن سوسائٹی بمبئی۔ ۱۸۸۳ء۔ اس کتاب کا اردو میں ترجمہ اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام کے نام سے مولوی عبداللہ خاں صاحب نے شائع کیا ہے۔ جس کے ساتھ مصنّف مرحوم کی سوانح عمری بھی شامل ہے۔

کو اپنے گرد و پیش کی وحشی قوموں سے سابقہ پڑا تھا۔ جن کی اصلاح بتدریج مقصود تھی اور تمدنی اصلاحات کا سوال مقصود بالذّات نہ تھا بلکہ وہ دوسرے درجہ کا سوال تھا۔ مگر چونکہ لوگوں کے عادات و خصائل کی کایا پلٹ اور اخلاقی و تمدنی خرابیاں جو اُن میں پھیلی ہوئی تھیں اُن کی اصلاح ضروری تھی لہٰذا آپ نے تمدنی اصلاحوں کو بتدریج داخل کیا جو ساتویں صدی مسیحی میں اہل عرب اور دیگر اقوام کے لئے بہت بڑی برکتیں ثابت ہوئیں۔ شاید لوگوں کی کمزوری اور خامی کے لحاظ سے بعض عارضی مگر دانشمندانہ معقول اور مفید تبدیلیوں کی ضرورت پیش آئی ہو جو اصلاحی مدارج کے سفر میں بمنزلہ مراحل و منازل کے ہیں اور جن کو پوری قوت حاصل ہوتے ہی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر جب وہ اس کے اثر سے وحشی پن سے نکل کر اعلےٰ درجہ کے تمدن میں داخل ہونے لگیں اس وقت اُن کو منسوخ کر دیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے دوران اصلاح میں تمدنی خرابیوں کی تدریجی اصلاح کے لئے متعدد مرحلوں کو طے کرنا ضروری ہے۔ ان درمیانی مدارج کو قوم عرب کی نئی زندگی کے لئے ایک ناقابل عبور مزاحمت اور اخلاق کا ایک خاتم اور ناقابل تنسیخ معیار قرار نہیں دے سکتے۔

ہمارے مخالف اِن ہی عارضی احکام یا رعایتوں پر اَڑ جاتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے ان نامکمّل احکام اور جزوی اصلاحوں کو ایک دائمی اور غیر متغیر قانون بنا دیا ہے، جن میں اعلےٰ درجہ کی اصلاحوں کی گنجائش نہیں رہی، اور جو ترقی کرنے والے اور شائستہ تمدن کے لئے ایک زبردست روک ہیں۔ اس موقع پر آنحضرت صلعم کے مفصلہ ذیل احکام میری نظر میں ہیں: [1] ایسی عورتوں کی ذلیل حالت کی اصلاح، [2] غیر محدود تعدد ازدواج کی تحدید، [3] طلاق کی آسانی اور [4] لونڈی غلام بنانا۔ [1] آنحضرت

[1] ولیم میور کا قول ہے:۔ "کثرت ازدواج، طلاق، غلامی اور پردہ کا گھُن (اسلام) کی (دیکھو صفحہ ۱۰۶)

کے تمام احکام (اوامر و نواہی) عام اس سے کہ وہ چند روزہ اور عارضی تھے یا قطعی، اور دائمی جو ان تمدنی خرابیوں کے رفع کرنے کی غرض سے دئے گئے تھے وہ باہم ملے جُلے اور مختلف صورتوں میں جابجا پھیلے ہوئے ہیں اور **ترتیب نزول** کے موافق مرتب نہیں ہوئے۔ اسی لئے جو لوگ قرآن مجید کے مضامین پر عمیق نظر نہیں رکھتے، اُن کے لئے اس بات کا پتہ لگانا ذرا مشکل ہے کہ کون سے احکام صرف بمنزلہ **درمیانی منزل** کے ہیں اور کون سے احکام **آخری** (اور بجائے منزل مقصود کے) ہیں۔ عام قانون کے مُدوّن کرنے والوں (فقہا اور مجتہدین) کی طرف سے کسی قدر مسامحت ہوئی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ **اول** تو وہ **ملکی احکام** جو عارضی اور بمنزلہ اُس درمیانی قدم کے تھے جو اعلیٰ اصلاح کی طرف لے جاتا ہے، آخری اور قطعی سمجھے گئے اور ثانیاً وہ ملکی احکام جو صحرائے عرب کے باشندوں کے مناسب حال تھے، تمام زمانوں اور ملکوں کی گردن پر اُن کا بار ڈالا گیا۔ جو تمدنی نظام محض وحشیوں کے لئے قائم کیا گیا ہو، اس کا بار اس قوم پر نہیں ڈالنا چاہیئے جو پہلے ہی اعلےٰ درجہ کا تمدن رکھتی ہو۔

۴۰۔ (۲) دوسرے اعتراض کا جواب۔ درحقیقت قرآن اوامر

قطعی احکام یا اوامر

اور **اصول** دونوں سے بحث کرتا ہے۔ مگر اوامر کا ایسا معین دستور العمل ہرگز نہیں بتاتا جس میں زندگی کے تمدنی تعلقات اور ظاہری طریق عبادت کی ذرا ذرا سی مفصل ہدایتیں دی گئی ہوں۔ برخلاف اس کے قرآن مجید کا مقصد یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں **تنگی، تکلف** اور **سختی** کے اُس میلان کو روکا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جڑ میں لگا ہوا ہے۔ یہ باتیں اُس کے وجود کی ماہیت سے وابستہ ہیں۔ اگر اسلام سے یہ الٰہی احکام جن پر مسلمانوں کا دارومدار ہے، جدا کر لئے جائیں، یا معقول انتخاب یا ترغیب یا تجبر کے ذریعہ سے اُن کو بدلنے کی ذرا بھی کوشش کی جائے تو اسلام، اسلام نہیں رہے گا"۔
(ابتدائی خلافت کی تواریخ از سر ولیم میور صفحہ ۴۵۸)

جائے جو اوامر کے سخت دستور العمل کی پابندی کا نتیجہ ہے۔ آنحضرت ؐ کو عرب کے وحشیوں کی عادات و خصائل میں تبدیلی پیدا کرنی تھی، جن میں آپ کی بعثت سے پہلے کوئی مذہبی یا اخلاقی معلم یا مصلح تمدن نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ چند اوامر اُن کو بتا دئے جائیں، جن کی تعمیل سے اُن کی اخلاقی اور تمدنی روش سانچے میں ڈھل کر باقاعدہ ہو جائے اور وہ بالکل نئی قسم کے آدمی بن جائیں، جن کے نئے خیالات اور نئے مقاصد ہوں اور قومی زندگی نئے سانچے میں ڈھل جائے۔

(۳) **تیسرے اعتراض کا جواب**۔ مگر اس خیال سے کہ لوگ شریعت کے ظاہری آداب، مثلاً **وضو اور غسل**، **حج کی قربانی**، مقررہ **طریق عبادت**، **زکوٰۃ** کی معین مقدار، **روزوں** وغیرہ کی پابندی ہی کو غلط فہمی سے کہیں **اصل نیکی** نہ سمجھ لیں، قرآن کی آواز وقتاً فوقتاً اس امر کے اعلان کے لئے بلند ہوتی ہے کہ عملی احکام کی سخت پابندی، خواہ وہ احکام چال چلن کے متعلق ہوں یا ظاہری رسوم شریعت کے متعلق، ایک بے اصول طبیعت اور ناپاک زندگی بسر کرنے والے انسان کے گناہ کو خدائے تعالےٰ کی نظر میں کچھ کم نہیں کرتی، بلکہ اَور زیادہ کر دیتی ہے۔

شریعت کی ظاہری رسوم

حج

حج یا قربانی کی بابت (جو حج کی خاص رسم ہے)[1] قرآن مجید کا حکم یہ ہے :-

۳۸۔ لَن يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۤؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا	۳۸۔ نہ تو اُن (جانوروں) کے گوشت اللہ کے پاس پہنچتے ہیں، اور نہ اُن کے خون، بلکہ تمہاری پرہیزگاری اس کے پاس پہنچتی ہے، اس طرح اللہ نے اُن کو تمہارے بس میں کر دیا ہے، تاکہ تم اسکی ہدایت کے بدلے میں جو اُس نے تم کو کی ہے

[1] حج کی رسم میں کوئی نقصان نہیں ہے، اور عربوں کے لئے (بلکہ کل مسلمانوں کے لئے (مترجم)) مذہبی اتحاد کی ممد و معاون ہے۔ اس کے علاوہ عام طور پر تجارت کا جوش پیدا کرتی ہے۔ (مترجم)۔

هٰذَا لَكُمْ ط وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝
(الحج ۲۲ - آیت ۳۸)

اس کی بزرگی بیان کرو، اور نیک کام کرنیوالوں کو (جنت کی) خوش خبری سُنا دو" (الحج ۲۲ - آیت ۳۸) -

قبلہ — نماز میں قبلہ کی بابت قرآن مجید میں یہ احکام ہیں :-

۱۰۹ - وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ
فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۝
(البقرہ ۲ - آیت ۱۰۹)

۱۰۹ - اور اللہ ہی کی ہے مشرق اور مغرب پس جس طرف تم مُنہ کر لو پس اُسی طرف اللہ کا رُخ (سامنا) ہے - (البقرہ ۲ - آیت ۱۰۹) -

۱۴۳ - وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا
فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۝
(البقرہ ۲ - آیت ۱۴۳)

۱۴۳ - اور ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے، جدھر کو وہ اپنا مُنہ کرتا ہے، پس تم نیکیوں کی طرف سبقت کرو" (البقرہ ۲ - آیت ۱۴۳) -

۱۷۲ - لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ
مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَالْمَلٰئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّيْنَ
وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ
وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ج وَ
اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ج
وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا ج
وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ
وَحِيْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

۱۷۲ - "نیکی یہی نہیں ہے کہ اپنا مُنہ مشرق و مغرب کی طرف کر لو، بلکہ اصل نیکی اُن کی ہے جو اللہ اور روز آخرت اور فرشتوں اور کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی محبت میں قریبیوں اور یتیموں اور محتاجوں اور مُسافروں اور مانگنے والوں کو، اور (غلامی وغیرہ سے لوگوں کی) گردنوں (کے چھڑانے) میں اپنا مال دیا، اور جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے اور جب عہد کر لیا تو اپنے وعدے کے پُورے اور تنگی میں اور تکلیف میں اور خوف کے وقت صابر رہے، یہی لوگ ہیں جو (دعوے ایمان میں) سچے نکلے) اور یہی لوگ متقی (پرہیزگار) ہیں - (البقرہ ۲ - آیت ۱۷۲) -

زکوٰۃ کی معیّن مقدار[ا] کی بجائے قرآن مجید صرف یہ حکم دیتا ہے کہ جو کچھ بچا سکو، دے ڈالو۔

مقدار زکوٰۃ

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ

(البقرۃ ۲- آیت ۲۱۶-۲۱۷)

"اور (اے پیغمبر!) تم سے سوال کرتے ہیں کہ (راہ خدا میں) کتنا خرچ کریں، تم کہدو کہ جتنا (تمہاری ضرورت سے) زیادہ ہو۔" (البقرۃ ۲- آیت ۲۱۶-۲۱۷)۔

بہت سخت روزہ مقرر کرنے کی بجائے، جو شدّت گرما میں سخت تکلیف دیتا ہے، قرآن مجید نے نہایت کمزور اور ضعیف آدمیوں کے لئے روزہ رکھنا اختیاری کر دیا ہے۔

روزے

۱۸۰- وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ط فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ط وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

(البقرۃ ۲- آیت ۱۸۰)۔

۱۸۰" اور جو لوگ (بدقّت تمام روزہ رکھنے کی) طاقت رکھتے ہیں اُن پر فدیہ یعنے ایک محتاج کو کھانا کھلا دینا ہے اور جو شخص اپنی خوشی سے خیر میں زیادتی کرے (یعنے مقدار مقررہ سے زیادہ خیرات کرے) تو یہ اس کے لئے بہتر ہے۔ اور اگر سمجھو تو روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے۔

(البقرۃ ۲ - آیت ۱۸۰)۔

قرآن مجید عبادت اور دیگر مذہبی رسوم دُعا وغیرہ کے لئے کسی خاص طریقہ کی تعلیم نہیں دیتا۔ کوئی وضع معیّن نہیں کی گئی کسی ظاہری نشست کی پابندی مطلوب نہیں ہے۔ کوئی ایسی احتیاط جو وہم کے درجہ کو پہنچتی ہو، اور تکلفات نہیں ہیں۔ نماز میں تغیّر وضع یا رکوع و سجود کے بے موقع ہو جانے کی وجہ سے قرآن مجید میں نماز گزار کو قابل الزام قرار نہیں دیا گیا۔ محض قرآن پڑھنا (مزمل ۷۳- آیت ۲۰- اور عنکبوت ۲۹- آیت ۴۴)

عبادت و دعا وغیرہ کے طریقہ کا عدم تعیّن

[ا] زکوٰۃ کی مقدار جو بروے احادیث نبوی ؐ مقرر کی گئی ہے وہ کم از کم ہے جسکا ادا کرنا ہر مسلمان صاحب نصاب کا فرض ہے اس کے علاوہ اگر کوئی شخص بطور خیرات و مبرّات کے دینا چاہے تو اور بھی اچھا ہے۔ (مترجم)

کھڑے، بیٹھے، لیٹے (ہر وقت) خدا کا دھیان رکھنا (آل عمران ۳- آیت ۱۸۸- اور النساء ۴- آیت ۱۰۴) یا رکوع و سجود کرنا (حج ۲۲- آیت ۷۶) یہی امور نماز کے ظاہری ارکان اور رسوم ہیں، جن کی تعلیم قرآن مجید میں دی گئی ہے، اگر ان کو اس نام سے موسوم کیا جا سکے۔

دیکھو آیات مندرجہ ذیل:-

۲۰- فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۝ (مزمل ۷۳- آیت ۲۰)	۲۰- "جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو" (مزمل ۷۳- آیت ۲۰)
۴۴- اُتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝ (عنکبوت ۲۹- آیت ۴۴)	۴۴- "(اے پیغمبر!) یہ کتاب جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت کرو اور نماز پڑھو، بیشک نماز بے حیائی اور ناشایستہ کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کی یاد البتہ بڑی چیز ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے۔ (عنکبوت ۲۹- آیت ۴۴)۔
وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ۔ (الاعراف ۷- آیات ۲۰۳-۲۰۴)	"اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اور (اے پیغمبر!) اپنے دل میں زاری اور خوف سے اور بلند آواز سے نہیں (بلکہ دھیمی آواز سے) صبح و شام اپنے پروردگار کی یاد کرو، (اس سے) غافل نہ رہو۔ . . . . (الاعراف ۷- آیات ۲۰۳-۲۰۴)

قرآن مجید ریاکاری کی عبادات اور نام و نمود کی خیرات و مبرّات کو سخت قابل ملامت ٹھیراتا ہے۔

ریاکاری اور ظاہرداری کی نماز اور زکوٰۃ وغیرہ عبادات پر زجر و توبیخ۔

دیکھو آیات ذیل :-

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ٥

(النسّاء ۴ - آیت ۱۴۱)

"منافق (گویا) خدا کو فریب دیتے ہیں، حالانکہ خدا اُن کو فریب (کی سزا) دے رہا ہے اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، تو سُستی اور کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کو اپنی نماز دکھاتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے، مگر تھوڑا سا"

(النسّاء ۴ - آیت ۱۴۱)

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ

(الماعون ۱۰۷ - آیات ۴ تا ۷)

"پس ان نمازیوں کے لئے تباہی ہے جو اپنی نماز کی طرف سے غفلت کرتے ہیں اور جو ریاکاری (بناوٹ) کرتے ہیں اور (کسی کے ساتھ سلوک کرنے میں) روزمرہ کے استعمال کی چھوٹی چھوٹی چیزوں میں بھی دریغ کرتے ہیں"۔ (الماعون ۱۰۷ - آیات ۴تا۷)

۱۰۹- وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا۔

(بنی اسرائیل ۱۷ - آیت ۱۰۹)

۱۰۹۔ "اور وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل (سجدہ میں) گر پڑتے ہیں روتے جاتے ہیں۔ اور قرآن کی وجہ سے اُن کی عاجزی زیادہ ہو جاتی ہے۔ (بنی اسرائیل ۱۷۔ آیت ۱۰۹)۔

۲۶۶- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ

۲۶۶۔ "(اے لوگو!) جو ایمان لائے ہو اپنی خیرات کو احسان جتانے اور سائل کو ایذا دینے سے مثل اس شخص کے ضائع اور برباد نہ کرو جو اپنا مال لوگوں کی نمود کے لئے خرچ کرتا ہے، اور اللہ اور روز آخرت (قیامت) پر ایمان نہیں رکھتا۔ پس اُس کی مثال

كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝

(البقرہ ۲- آیت ۲۶۶)

چٹان کی سی ہے کہ جس پر کچھ مٹی پڑی ہوئی ہے، پھر اُس پر سخت بارش ہو اور (مٹی کو بہا کر) اُس (چٹان) کو صاف کر دے، (اسی طرح) اُن (ریاکاروں) کو اُس (خیرات) میں سے جو انہوں نے کی تھی کچھ حاصل نہ ہوگا، اور اللہ اُن لوگوں کو جو کفران نعمت کرتے ہیں ہدایت نہیں دیتا" (البقرہ ۲- آیت ۲۶۶)۔

۴۲- وَالَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ وَمَن يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ۝ (النساء ۴- آیت ۴۲

۴۲- اور (اللہ اُن لوگوں کو دوست نہیں رکھتا) جو لوگوں کے دکھانے کو اپنا مال خرچ کرتے ہیں، اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر، اور شیطان جس کا ساتھی ہو۔ تو وہ بُرا ساتھی ہے۔

(النساء ۴- آیت ۴۲)۔

عبادات کے لئے خاص مقامات یا خاص اوقات کا لحاظ رکھنا ضروری نہیں ہے

عبادات کے لئے اوقات یا مقامات لازمی نہیں

(سورہ ہود ۱۱- آیت ۱۱۶- اور سورہ نساء ۴- آیت ۱۰۴) میں نماز کا وقت بلا تعین کسی وقت خاص کے عام الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ (سورہ بنی اسرائیل ۱۷- آیات ۸۱ و ۸۲- سورہ طٰہٰ ۲۰- آیت ۱۳۰- سورۂ ق ۵۰- آیت ۳۸ و ۳۹- سورۂ طور ۵۲- آیات ۴۸ و ۴۹) میں کچھ اَور وقتوں کا ذکر بھی آیا ہے۔ مگر وہ خاص صورتیں صرف آنحضرت کے لئے ہیں) اور یہ ایک زائد عبادت" ہے۔ دیکھو سورہ بنی اسرائیل ۱۷- آیت ۸۱[1]۔ اس پر ڈاکٹر

[1] بیشک عام عبادات مثلاً دعاؤں وظیفوں وغیرہ کے لئے وقت کا لحاظ رکھنا ضروری نہیں ہے۔ البتہ نماز کے لئے خاص اوقات معین کئے گئے ہیں، جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور احادیث میں اُن کی توضیح زیادہ تر کی گئی ہے۔ نماز تہجد جو آخر شب میں ادا کی جاتی ہے اور جس کا ذکر سورہ بنی اسرائیل ۱۷- آیت ۸۱ میں آیا ہے اُس کا ادا کرنا آنحضرتؐ پر واجب تھا مگر عام لوگوں کے لئے یہ نماز ضروری نہیں ہے۔ اس کے سوا باقی نمازیں جس طرح (دیکھو صفحہ ۱۱۳)

مارکس ڈاڈس یہ رائے ظاہر کرتے ہیں :-

"دینداری کی دو خصوصیتیں ایسی ہیں جن کو صراحت سے ظاہر کرنے کا فخر بہ نسبت ہم "لوگوں (عیسائیوں) کے مسلمانوں کو زیادہ تر حاصل ہے۔ وہ اقرار توحید میں ذرا "بھی خدشہ اور تذبذب ظاہر نہیں کرتے اور اس بڑے مذہبی اصول پر کہ "خدا کی عبادت "ہیکلوں (معبدوں)، یا کسی خاص مقام میں محدود نہیں ہے" کاربند رہتے ہیں :-

قطعہ

(ایک مسیحی کی انگریزی نظم کا ترجمہ)

۱ سب سے زیادہ عزت ہے اُن نمازیوں کی — مسجد ہے جن کی ہر دم موجود اُن کے اندر
۲ جو جمگھٹوں کے غل میں، جو شور میں بگل کے — جو چلتی گاڑیوں میں اور بہتی کشتیوں پر
۳ گو پاس ہوں وطن کے یا دور ہوں وطن سے — گو، گرد و پیش اُن کے ہوں اجنبی سراسر
۴ ہو وضع غیر جن کی، جن کی زباں الگ ہو — کوئی ادا نہ جن کی ملتی ہو ان سے تل بھر
۵ القصہ یہ نمازی جس حال میں ہوں چپ چاپ — سجّادہ بے تکلّف اپنا وہیں بچھا کر
۶ ہوتے ہیں دل سے مصروف اس طرح بندگی میں — گویا کہ ہیں وہ اِس دم طبقے سے اپنے برتر
۷ کان اور آنکھ ہوتے، سُنتے نہ دیکھتے ہیں — گویا کہ کور ہیں وہ سب کی طرف سے اور کر
۸ ارکان دست و پا سے کرتے ادا ہیں لیکن — روح جس حضور حق میں حاضر ہیں اُن کی یکسر
۹ کرتے ہیں نقل و حرکت وہ اس طمانیت سے — گویا کہ قرب حق کی چھائی ہے ہیبت اُن پر

"بے شک اسلام میں ظاہر دار اور ریا کار ہوتے ہیں، جیسے کہ دیگر مذاہب میں، جن کا ہم کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۲) آنحضرت صلعم پر فرض تھیں اسی طرح ہم لوگوں پر بھی فرض ہیں۔ عبادت کے لئے اوقات کا تعین ہر مذہب میں ہے، اس لئے ایک مذہبی آدمی کا پابندی اوقات نماز پر اعتراض کرنا سراسر باطل ہے، رہا مقام کا تعین سو کسی عبادت کے لئے بھی ضروری نہیں ہے (مترجم)

"تجربہ ہے۔ اُن کے رکوع وسجود کی یکسانی اور باقاعدگی سپاہیوں کی ایک عمدہ "قواعد دان کمپنی یا مشینوں (کلوں) کی حرکتوں سے مشابہت رکھتی ہے، مگر قرآن "محض ارکان ظاہری کے بجالانے پر ان الفاظ میں ملامت کرتا ہے۔ "اُن نمازیوں "کی تباہی ہے جو اپنی نماز سے غفلت کرتے ہیں اور جو ریاکاری (بناوٹ) کرتے ہیں اور "(کسی کے ساتھ سلوک کرتے ہیں) روزمرہ کے استعمال کی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے بھی "دریغ کرتے ہیں[1]"۔ محض ارکان کی پابندی کا جیسا سخت خاکہ اس عربی مثل میں اُڑایا "گیا ہے، ایسا کہیں نہیں اُڑایا گیا ہوگا۔ (مثل کا ترجمہ یہ ہے) "اس کا منہ قبلہ کی "طرف ہے، مگر اس کی ایڑیاں گھاس پھوس کے اندر ہیں"! انتہا درجہ کا سکوت اور "عبادت الٰہی کا ادب جو مسلمانوں کی نماز میں پایا جاتا ہے، اور جس کی وجہ سے اجنبی "آدمی کو ایک بھری مسجد میں داخل ہوتے وقت اس بات کا دھوکا ہو جاتا ہے کہ وہ "بالکل خالی ہے، اس کے حاصل کرنے کی خاطر ہم ایسی پابندی اوضاع کو جو نماز "میں دیکھی جاتی ہے قابل درگذر سمجھ سکتے ہیں۔ جو لوگ ذرا ذرا سے عذر پر عبادت کے "فرض سے اپنے آپ کو سبکدوش سمجھ لیتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے بہتر ہوگا کہ وہ قیس "بن سعد کی محویت کو، جو افراط کے درجہ پر پہنچی ہوئی تھی، اختیار کر لیں جس نے "سجدہ کی جگہ سے ایک انچ بھی اپنا سر پرے نہ ہٹایا، اگرچہ ایک بڑا سانپ اس کے "چہرہ کے نزدیک اپنی کُچلیاں باہر نکالے بیٹھا تھا جو آخر کار اس کی گردن میں لپٹ گیا۔ "اگر بعض مسلمان نمازیں اوضاعِ ظاہری ہی کے پابند ہیں تو یقیناً بہتیرے ایسے بھی ہیں "جو صدق دل سے نماز پڑھتے ہیں[2]"۔

وضو اور غسل لوگوں پر اس طرح فرض نہیں کیے گئے کہ وہ ان پر بار ہوں، یا

وضو اور غسل — ان میں کوئی مخفی خوبی رکھی گئی ہو، بلکہ محض طہارت اور پاکیزگی کے

[1] یہ ترجمہ اُن آیتوں کا ہے جو اسی فقرہ میں پہلے مع ترجمہ نقل ہو چکی ہیں۔ (مترجم)۔ [2] "محمد۔ بُدھ اور مسیح" از مارکس ڈاڈس ڈی۔ ڈی صفحات ۳۰۔ ۳۱+

طور پر ایسا حکم دیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے :-

۹ - مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ ٥

(المائدہ ۵ - آیت ۹)

۹ - اللہ تعالیٰ تم پر تنگی کرنی نہیں چاہتا بلکہ تم کو پاک اور پاکیزہ بنانا چاہتا ہے۔"

(المائدہ ۵ - آیت ۹)

۴۱ - (۳) **چوتھے اعتراض کا جواب** - معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن مجید

قرآن مجید میں اصولی اور عملی دونو طرح کا اخلاق ہے

کامل طور پر اس بات سے واقف ہے کہ قطعی احکام (اوامر) کا ایک معین **دستور العمل** قائم کرنے سے یہ اندیشہ ہے کہ مبادا زندگی کی ہر ایک حالت اس کے سانچے میں ڈھل جائے، اور وہ ہر حالت میں ضابطۂ ہدایت کا کام دے۔ وہ **اندیشہ** یہ ہے کہ ظاہری پابندی کا دستور العمل جس کے ذریعہ سے لوگوں کو ایسے مذہبی فرائض کی بجا آوری کا پابند کیا جاتا ہے، جس میں عبادت کے وقت، مقام اور طریقہ کی بابت ذرا ذرا سی تفصیلی ہدایتیں مقرر کی گئی ہوں، یہاں تک کہ اُن میں کمی بیشی کی مطلق گنجائش نہ ہو، وہ دستور العمل اُن کو ایسے سخت **شکنجہ** میں کس دیتا ہے کہ جب وہ حالات جو اس پابندی کو جائز قرار دیتے تھے، تبدیل ہو جائیں یا مفقود ہو جائیں، اُس وقت بھی اُن لوگوں پر اس دستور العمل کی ویسی ہی سخت گرفت قائم رہتی ہے جو لوگ ایسے دستور العمل کی پابندی میں زندگی بسر کرتے ہیں، جس میں ذرا ذرا سی باتوں کی بندش اور بال کی کھال نکالی گئی ہو، اُن کی **اخلاقی ترقی** رُک جاتی ہے اور اس کا نمو نہیں ہونے پاتا۔ بنی آدم کا میلان رسوم ظاہری کی پابندی کی طرف ایسا قوی ہوتا ہے کہ وہ علی العموم، گو بسا اوقات بے خبری سے، **غلطی میں پڑ کر یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ فرائض کے اُن مجوّزہ طریقوں** (یعنے عبادات) **اور مذہبی رسوم کے**

محض ادا کر دینے میں کوئی خاص اور واقعی خوبی اور نیکی پائی جاتی ہے۔ اُن لوگوں کے نزدیک اخلاق اصول پر نہیں بلکہ عمل پر مبنی ہے، اُن کے خیال کے موافق اخلاق زیادہ تر مذہبی رسوم کے ایک مجموعہ کا نام ہے نہ کہ اُس خاص مَیلانِ قلب کا جو خدا اور انسان کی طرف ہونا چاہیئے۔ قرآن مجید نیکی و بدی سے بہیئت مجموعی بحث کرتا ہے اور فرداً فرداً تفصیلی حیثیت سے بھی وہ باطنی تحریک (نیّت) سے بھی اسی قدر بحث کرتا ہے جس قدر کہ ظاہری عمل سے، اور ترغیب و تحریص اور وعظ و پند پر جتنی تاکید کرتا ہے اُسی کے برابر اوامر و احکام پر زور دیتا ہے وہ گُناہ کی نفرت اور بُرائی کو بہیئت مجموعی انسان کے سامنے پیش کرتا ہے۔ وہ تمام عملی اخلاق اور پارسائی کو چند معین احکام کے تنگ دائرہ میں محدود نہیں کرتا۔ وہ اُس عورتک پہنچنے والی خیرات کی بُنیاد ڈالتا ہے جو تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی نظر میں برابر سمجھتی ہے، اور نسل اور قوم کے کسی امتیاز کو تسلیم نہیں کرتی۔

قرآن مجید کی آیات مندرجہ ذیل اس مدعا پر شاہد ہیں:۔

۱۲۰۔ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ط إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ○

(الانعام ۶۔ آیت ۱۲۰)

۱۲۰۔ "اور ظاہری گناہ اور باطنی گناہ سے بچتے رہو، جو لوگ گناہ کماتے ہیں اُن کو جلد اُن کاموں کا بدلہ مل جائے گا جو وہ کرتے ہیں"۔

(الانعام ۶۔ آیت ۱۲۰)۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ج وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِّنْ إِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ

"(اے پیغمبر! لوگوں سے کہو) کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سُناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں وہ یہ کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ اور مفلسی کے

وَ اِیَّاہُمۡ وَ لَا تَقۡرَبُوا الۡفَوَاحِشَ مَا ظَہَرَ مِنۡہَا وَ مَا بَطَنَ ۚ وَ لَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالۡحَقِّ ؕ ذٰلِکُمۡ وَصّٰکُمۡ بِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝

(الانعام ۶ - آیت ۱۵۲)

قُلۡ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الۡفَوَاحِشَ مَا ظَہَرَ مِنۡہَا وَ مَا بَطَنَ وَ الۡاِثۡمَ وَ الۡبَغۡیَ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ وَ اَنۡ تُشۡرِکُوۡا بِاللّٰہِ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ بِہٖ سُلۡطٰنًا وَّ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝

(الاعراف ۷ - آیت ۳۱)-

. . . . . .

. . . . . .

اَلَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَ الۡفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الۡمَغۡفِرَۃِ ؕ ہُوَ اَعۡلَمُ بِکُمۡ اِذۡ اَنۡشَاَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَ اِذۡ اَنۡتُمۡ اَجِنَّۃٌ فِیۡ بُطُوۡنِ اُمَّہٰتِکُمۡ ۚ فَلَا تُزَکُّوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی ۝

(النجم ۵۳ - آیت ۳۳)

خوف) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، تم کو اور اُن کو ہم ہی رزق دیتے ہیں، اور بے حیائی کی باتیں جو ظاہر اور جو پوشیدہ ہوں، اُن کے پاس نہ جانا، اور جان جس (کے قتل کرنے) کو اللہ نے حرام کر دیا ہے، اُس کو قتل نہ کرنا، مگر حق پر، یہ وہ باتیں ہیں جن کا حکم خدا نے تمکو دیا ہے تاکہ تم سمجھو" (الانعام ۶ - آیت ۱۵۲)

"(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہو کہ میرے پروردگار نے بے حیائی کے کاموں ہی کو حرام کر دیا ہے خواہ وہ کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو، اور اس بات کو کہ تم کسی کو خدا کا شریک بناؤ، جس کی کوئی سند اُس نے نازل نہیں کی، اور اس بات کو کہ خدا پر نادانی سے افترا کرو (ان سب باتوں کو اس نے حرام قرار دیا ہے)"۔

(الاعراف ۷ - آیت ۳۱)-

"جو بڑے بڑے گُناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں مگر چھوٹے چھوٹے گُناہ (کہ اُن سے انسان عموماً بچ نہیں سکتا) بے شک تیرے پروردگار کی مغفرت وسیع ہے اور وہ تم کو خوب جانتا ہے جب کہ اُس نے تم کو زمین (کی مٹی) سے پیدا کیا، اور جب کہ تم ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے، پس تم اپنی پاکیزگی نہ جتاؤ جو شخص پرہیزگار ہے اُسکو وہی (خدا) خوب جانتا ہے"۔ النجم ۵۳ آیت ۳۳

۱۳- يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝

(الحجرات ۴۹- آیت ۱۳)-

۱۴۳- وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

(البقرہ ۲- آیت ۱۴۳)

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ عَمَّا جَاۗءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ

۱۳- "اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت (آدم وحوا) سے پیدا کیا، اور تمہاری شاخیں اور قبیلے مقرر کئے، تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو، اللہ کے نزدیک تم میں بڑا شریف وہی ہے جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے۔" (الحجرات ۴۹- آیت ۱۳)

۱۴۳- "اور ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے جدھر وہ اپنا رُخ کرتا ہے، پس تم (اے مسلمانو!) نیکیوں کی طرف سبقت کرو، تم کہیں بھی ہو اللہ تم سب کو اپنے پاس بُلائے گا، بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے" (البقرہ ۲- آیت ۱۴۳)

"اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہاری طرف کتاب برحق نازل کی، جو اُن کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اُس سے پہلے کی موجود ہیں، اور اُنکی محافظ بھی ہے، پس جو کچھ اللہ نے تم پر نازل کیا ہے تم اس کے موافق اُن لوگوں کے درمیان حکم دو، اور جو امر حق تم کو پہنچا ہے اُس کو چھوڑ کر اُن کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو، ہم نے تم میں سے ہر گروہ کے لئے ایک شریعت اور ایک رستہ مقرر کیا، اور اگر اللہ کی مشیّت میں ہوتا تو البتہ تم کو ایک اُمّت کرتا لیکن مقصد یہ ہے کہ جو احکام (وقتاً

إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعاً
فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ
تَخْتَلِفُونَ ٥

(المائدہ ۵-آیات ۵۲-۵۳)

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ
مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا
السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ
لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُنفِقُونَ
فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ
وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ
عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ
الْمُحْسِنِينَ وَالَّذِينَ إِذَا
فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ
ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ
وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ
إِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ
مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ٥

(آل عمران ۳-آیت ۱۲۷و ۱۲۹)

۲۱-سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ
مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا
كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

فوقیتاً تمہارے مناسب حال) تم کو دئے ہیں، اُن میں تمہاری آزمایش کرے، پس تم نیک کاموں کی طرف سبقت کرو، تم سب کو اللہ ہی کی طرف لَوٹ جانا ہے، پس جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو وہ تم کو بتائیگا" (المائدہ ۵-آیات ۵۲-۵۳)

"اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے، اُن پرہیزگاروں کے لئے تیار ہے جو آسودگی اور تنگی (دونو) میں خرچ کرتے ہیں، اور غصّہ کو روکتے اور لوگوں سے درگذر کرتے ہیں، اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، اور وہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر (بہ تقاضاے بشریت کبھی) کوئی بے حیائی کا کام کرتے بھی ہیں یا (اَور کسی بیجا کام سے) اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، اور اللہ کے سوا گناہوں کا معاف کرنے والا اَور کون ہے، اور جو بیجا کام کر گزرتے ہیں تو جان بوجھ کر اُس پر اصرار نہیں کرتے"۔

. . . . . .

(آل عمران ۳-آیت ۱۲۷ و ۱۲۹)-

۲۱-"تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف سبقت کرو اور نیز جنّت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی مانند ہے، جو اُن لوگوں کے لئے

أُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

(الحدید ۵۷ - آیت ۲۱)

۱۸۳- لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝

(آل عمران ۳ - آیت ۱۸۳)

۱۶- يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝

(لقمان ۳۱ - آیت ۱۶)-

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ

تیار کی گئی ہے، جو اللہ اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اور اللہ کا فضل بہت بڑا ہے"۔

(الحدید ۵۷ - آیت ۲۱)-

۱۸۳- البتہ تمہارے مالوں اور تمہاری جانوں (کے نقصان) میں تمہاری آزمایش کی جائیگی، اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے، اُن سے اور مشرکین سے تم بہت سی تکلیف کی باتیں ضرور سنو گے، اور اگر تم صبر وکرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو بے شک یہ ہمّت کے کام ہیں"۔

(آل عمران ۳ - آیت ۱۸۳)-

۱۶- "اے بیٹا! نماز کو قائم کر، اور (لوگوں کو) نیک کاموں کی نصیحت کر، اور بُرے کاموں سے منع کر اور جو مصیبت تجھ پر پڑے اُس پر صبر کر، بے شک یہ ہمّت کے کام ہیں"۔

(لقمان ۳۱ - آیت ۱۶)-

"اور بُرائی کا بدلہ ہے ویسی ہی بُرائی (یعنے اُس بُرائی کے موافق سزا) پس جو شخص معاف کرے اور صلح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمّہ ہے، درحقیقت وہ ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا، اور کسی پر ظلم ہو اور وہ اس کے بعد

مِنْ سَبِيْلٍ ۞ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَ لَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۞ (شوریٰ ۴۲ - آیت ۳۸ - ۴۱) -	انتقام لے، تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں، الزام تو اُن ہی پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں، اور روئے زمین پر ناحق (لوگوں کے اوپر) زیادتی کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لئے عذاب دردناک ہے، اور البتہ جو شخص صبر کرے اور بخش دے تو بے شک یہ بڑے ہمت کے کام ہیں"۔ (شوریٰ ۴۲ - آیت ۳۸ - ۴۱) -

۴۲ - (۵) **پانچویں اعتراض کا جواب** - قرآن مجید نہائیت ہی کامل طور پر اور جلد جلد ترقی کرنے والے تمدّن کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اگر اس کی تعبیر معقول طور پر کی جائے نہ کہ اس تفسیر کے مطابق

> قرآن کا گردوپیش کے حالات سے مناسبت رکھنا

جو عام **قانون** کے علماء نے اختیار کی ہے، اور جس کا نفاذ ایک قوم کی رائے کی بدولت ہوا ہے۔ مسلمانوں کا عام قانون، جو اُن تمام روایات یعنے اقوال پیغمبرؐ پر مشتمل ہے، جن میں سے بہت کم اصلی اور واقعی ہیں، اور جس میں علمائے اسلام کا فرضی اور خیالی اجماع اور زیادہ تر اُن کے قیاسی **دلائل** شامل ہیں (جن کو **حدیث، اجماع** اور **قیاس** کہا جاتا ہے)، یہی قانون **فقہ** یا **شریعت** کے نام سے موسوم ہوا ہے، جس نے رُوحانی اور دنیوی امور کو ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط کر دیا ہے، اور جو نئی نئی تمدّنی اور مُلکی ضرورتوں کے لحاظ سے بعض صورتوں میں قوم کی ترقّی اور اعلےٰ تہذیب و تمدّن کے لئے سدِّ راہ ہو گیا ہے +

مسٹر اسٹینلے **لین پول** لکھتے ہیں :-

"وہ دقیق دستور العمل اور پیچیدہ قانون جو آجکل اسلام کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا نام "بھی قرآن میں نہیں ہے، اُس میں صرف وہ فیصلے شامل ہیں، جن کی مدینہ میں ضرورت پیش

آ ئی تھی۔ محمد (صلعم) خود اس بات کو جانتے تھے کہ اس میں ہر ایک ضرورت کے لئے حکم موجود "نہیں ہے، اور آپ نے اپنے پیروؤں کی ہدایت کے لئے یہ صلاح دی تھی کہ جب کوئی شبہ "پیش آئے تو قیاس کے اصول پر کاربند رہیں۔ یہ قیاس اسلام کی بربادی کا باعث "ہوا ہے۔ مفسرین اور فقہانے اپنی تیز عقل سے کام لے کر قرآن سے ایسے قانونی فیصلے نکالے "ہیں کہ معمولی فہم کا آدمی وہاں ان کا پتہ نہیں لگا سکتا، اور موجودہ اسلام کی تمام عمارت "ریت کی بنیاد پر قائم ہے۔ قرآن اس خرابی کا ذمہ وار نہیں ہے"۔[1]

مذکورہ بالا رائے سے مجھے صرف اس بیان میں اختلاف ہے کہ "محمد (صلعم) نے قیاس کے اصول پر کاربند رہنے کی صلاح دی" (آنحضرت ؐ نے ہرگز ایسی ہدایت نہیں کی)[2]

۴۳۔ الغرض قرآن مجید کی مذہبی اور اخلاقی تعلیم کا دستور العمل بنی نوع انسان کی ادنٰے اور اعلٰے حالتوں کے لئے نہایت عمدہ طور پر مناسب ہے۔ وہ احکام جن میں تمدنی زندگی کے بعض حصوں، اخلاقی چال چلن اور مذہبی رسوم کی بابت ہدایتیں ہیں، وحشی قوموں کے لئے نعمت ہیں، اور قرآن مجید کا جو حصہ اعلٰی اصول پر زور دیتا ہے، جن کے باقاعدہ استعمال کے لئے شخصی وذاتی

نوع انسان کی تمام جماعتوں اور قوموں کے لئے قرآن مجید کا مناسب ہونا۔

[1] "پیغمبر محمدؐ کے اقوال اور اسپیچین از اسٹینلے لین پول صفحہ ۵۲ و ۵۳۔ مقدمہ مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۸۲ء۔

[2] قیاس کی مذمت میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں اسلئے مسٹر سٹینلے لین پول کا یہ خیال غلط ہے کہ آنحضرت ؐ نے قیاس پر عمل کرنے کا حکم دیا تھا۔ بے شک قیاس اسلام کی تباہی کا باعث ہوا، مگر آنحضرت ؐ اور ائمہ اہلبیت نے قیاس کی ممانعت نہایت سختی کے ساتھ کی ہے۔ اور قرآن مجید یقیناً ایک جامع اور مکمل کتاب ہے جو تمام دینی و دنیوی ضرورتوں کے لئے کافی ہے۔ بشرطیکہ اس کی تفسیر کے لئے "راسخون فی العلم" (آنحضرت ؐ اور اُن کے اوصیاے روحانی) کے اقوال پر اعتماد کیا جائے اور اپنی ذاتی رائے کو اس میں دخل نہ دیا جائے۔ (مترجم)

کانشنس (قوت ممیزہ) پر بہت کچھ دارومدار ہے، وہ انہی لوگوں کے لئے اس وقت مناسب ہے جبکہ وہ اس کی تعلیم کے اثر سے وحشی پن سے نکل کر اعلیٰ حالت میں قدم رکھنے لگتے ہیں، یا ان لوگوں کے لئے جو پہلے ہی سے اعلےٰ قسم کا تمدن رکھتے ہیں۔ مثلاً اس قسم کے احکام کہ "پورے پیمانہ سے ناپو" "ٹھیک ترازو سے تولو"۔ "شراب اور قمار بازی سے پرہیز کرو"۔ "لوگوں سے مہربانی سے پیش آؤ"۔ اُن لوگوں کے لئے ہیں جو اعلےٰ درجہ کے تمدن تک نہیں پہنچے ہیں۔ راستی، دیانت داری، اعتدال اور رحم کی صفتیں اور وہ نیکیاں جن کا تعلق حلم اور نرم دلی سے ہے، دل کے خیالات اور میلان کو قابو میں رکھنے کی جو تاکید کی گئی ہے، ایسے ایسے امور کی بابت قرآن مجید کے احکام اُن اشخاص کی تعلیم کے لئے موزون ہیں جو اعلیٰ درجہ کے تمدن تک پہنچ چکے ہیں، اور جن کو ذرا ذرا سے معاملوں میں مفصل احکام و ہدایات کی ضرورت نہیں رہی *

حیدرآباد دکن
مارچ سنہ ۱۸۸۴ء

چراغ علی

نوٹ

متعلق مقدمہ تحقیق الجہاد

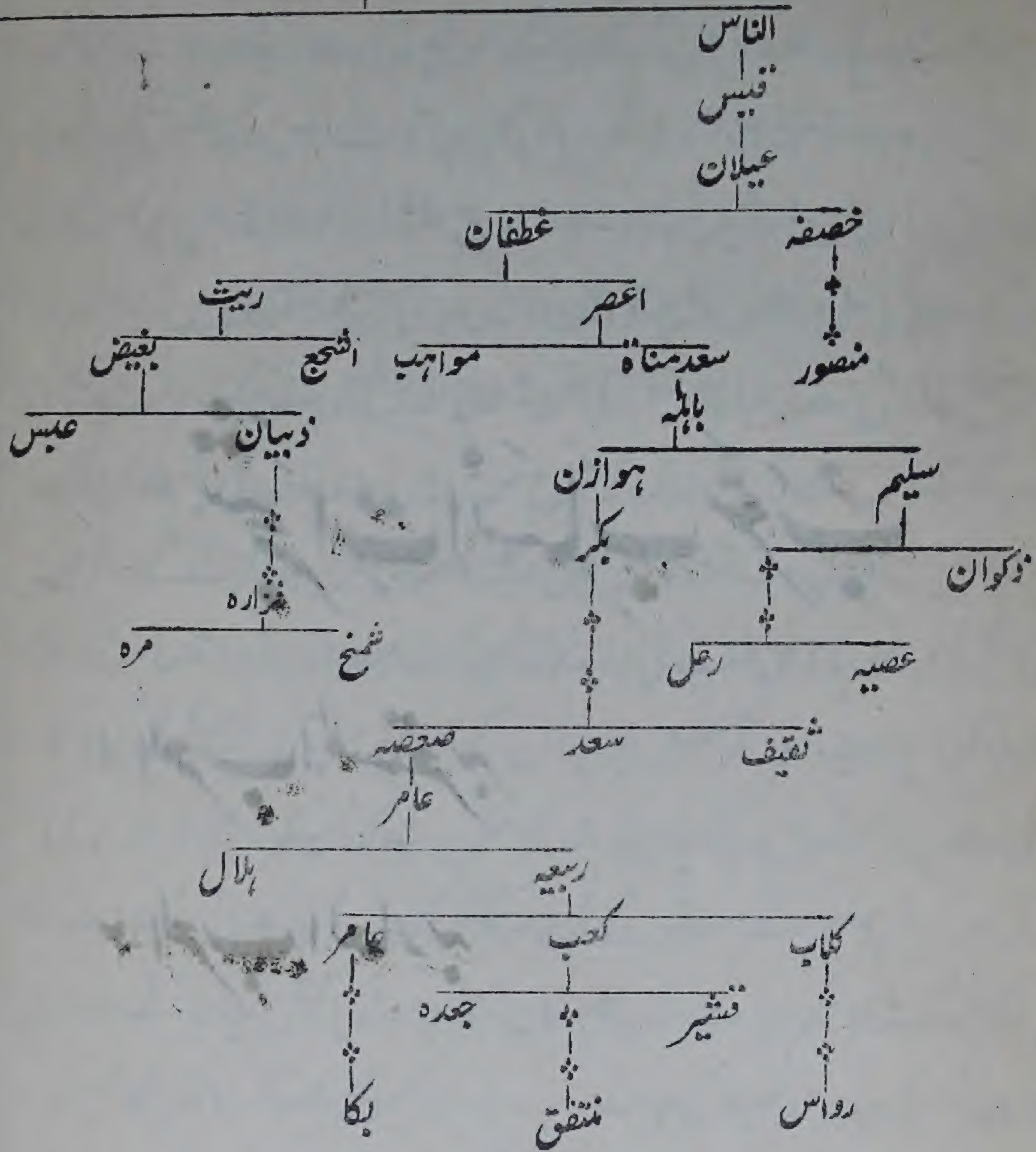
یہاں مجھے ایک غلط خیال دُور کرنے کا موقع ملتا ہے۔ یعنے ہمارے ہموطن ہندوؤں کی بابت آنحضرتؐ کا جو حکم بیان کیا جاتا ہے، اس کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ آنریبل راجہ شیو پرشاد نے ۹ مارچ ۱۸۸۳ء کو البرٹ بل پر بحث کرتے ہوئے لیجسلیٹو کونسل (مجلس وضع قوانین) میں اپنی سپیچ (تقریر) میں امیر خسرو کی تاریخ علائی سے یہ عبارت نقل کی تھی" علاؤالدین خلجی نے ایک دفعہ ایک قاضی کو طلب کر کے اس سے دریافت کیا کہ شرع محمدی میں ہندوؤں کی بابت کیا لکھا ہے۔ قاضی نے جواب دیا کہ ہندو ذمی ہیں (یعنے محصول جزیہ ادا کرنے کے مستوجب ہیں)، اگر اُن سے چاندی طلب کی جائے تو اُن کو نہایت ادب و انکسار کے ساتھ سونا ادا کرنا چاہیئے، اور اگر محصّل جزیہ اُن کے چہرہ پر مٹی کوڑا پھینکے تو اُن کو خوشی سے اپنا مُنہ کھول دینا چاہیئے۔ خدا کا حکم یہ ہے کہ اُن کو تابع فرمان رکھا جائے، اور پیغمبر (صلعم) نے مسلمانوں کو اُن کے قتل کرنے، اُن کا مال لُوٹ لینے اور اُن کے قید کرنے کا حکم دیا ہے، اُن کو مسلمان بنایا جائے یا قتل کیا جائے، غلام بنایا جائے اور اُن کی جایداد ضبط کی جائے ..... (دیکھو گزٹ آف انڈیا کا ضیمہ مورخہ ۲۱-اپریل ۱۸۸۳ء صفحہ ۸۰۷)

مذہب اسلام کی رواداری اور کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کی ممانعت کی بابت اس کتاب کے مختلف مقامات پر میں نے بہت بیان کیا ہے، اسکے بعد مجھے اس بات کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ احکام جو بیان کئے گئے ہیں سراسر غلط اتہام ہیں۔ آنحضرت (صلعم) کے ایسے احکام نہ تو ذمیوں کی بابت کہیں موجود ہیں اور نہ ہنود کی بابت +

شجراتِ انسابِ عرب

۱- العرب المستعربہ

۲- العرب العاربہ


معد
نزار
مضر
الناس
قیس
عیلان
خصفہ
غطفان
منصور
اعصر
ریث
سعد مناۃ
مواہب
اشجع
بغیض
باہلہ
ذبیان
عبس
سلیم
ہوازن
بکر
ذکوان
فزارہ
شمخ
مرہ
عصیہ
رعل
ثقیف
سعد
صعصعہ
عامر
ہلال
ربیعہ
کلاب
کعب
عامر
قشیر
جعدہ
رواس
منتفق
بکا

(سلسلے کے لئے دیکھو صفحہ ۱۲۶)

خط نزار

ربیعہ

خط مضر

الیاس

عنزہ — جدیلہ

خندف

عبدالقیس

طابخہ — مدرکہ

اد

مزینہ — ثعلبہ ابن سعد — تمیم

دارم

اللہ — وائل — تیم اللہ

ہذیل — خزیمہ

لحیان — کنانہ

بکر — تغلب

نضر — عبد مناۃ

مالک — بکر

فہر یا قریش — ضمرہ — غفار — مرج

خلیفہ

غالب

لوی

سیحیم

خزیمہ — کعب

شیبان

مرہ

مخزوم — تیم — کلاب

جمح — سہم

سدوس

زہرہ

قصی

عبد مناف — عبد الدار

اسد

ہاشم — عبد الشمس


عبد المطلب — امیہ

ابو طالب — عبد اللہ — عباس — حرب

علی رض — محمد صلعم — ابن عباس — ابوسفیان

معاویہ

شجره دوم


قحطان
يعرب
يشجب
سبا
حضرموت
صداف
حمير
كهلان
ربيعه
زيد
قضاعه
الحافی
همدان
ادد
مره
مذحج
طئ
اشعر
غوث
اسلم
عمران
عمرو
عدی
خولان
عوث
خارجه
جذام
عفير
لخم
زيد
بهرا
بلی
جديله
عنس
علة
سعد العشيرة
ازد
انمار
مازن
دار
كنده
مراد
جعفی
سعد
نهد
عذره
مهره
سكون
خثعم
غوث
بجيله
احمس
شنوءة
جفنه
حارثه
ثعلبه
دوس
اوس
خزرج
حرب
جرم
تغلب
وبره
صداء
رهاء
نخع
عدی
افصی
لحی
بارق
اسلم
سلامان
خزاعه
مصطلق
كلب
خشين
تيم اللات

تحقیق الجہاد

آنحضرت (صلعم) کی تمام جنگیں دفاعی تھیں،

باب اوّل

کفّار کا مسلمانوں کو اذیّت دینا

۱۔ یہ امر تمام مؤرخوں کے نزدیک مسلّم ہے کہ آنحضرتؐ کو اور اُن مسلمانوں کو جو ابتداءً ایمان لائے تھے۔ اپنے اہل وطن یعنی قریش کے ہاتھوں سخت اذیّت پہنچی تھی۔

اہل مکّہ کی مسلمانوں کو ابتدائی ایذا رسانی

پیغمبر اسلامؐ اور آپ کے پیروؤں کے ساتھ جس بداندیشی اور کینہ توزی کا اظہار کیا گیا۔ اُس کی بابت قرآن مجید کافی شہادت دیتا ہے۔ جو اُس زمانہ کے حالات کے متعلق ایک معتبر تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ ابتدائی مسلمانوں پر نہ صرف اس وجہ سے ظلم کیا جاتا تھا کہ وہ بُت پرستی کا مذہب ترک کر کے آنحضرتؐ کے دین توحید کو اختیار کرتے جاتے تھے۔ بلکہ اُن کو شکنجۂ عقوبت میں گھسنے اور

اُن کے ساتھ دوسری قسم کی بدسلوکیاں عمل میں لانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اُن کو دوبارہ اسی مذہب کے قبول کرنے کی ترغیب دی جائے، جس کو وہ ترک کر چکے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کفّار کی طرف سے ایذا رسانی اس شدّت تک پہنچ گئی تھی کہ جو مسلمان کفّار کی تعدّی اور بیرحمی کی وجہ سے اسلام سے دست بردار ہو کر بُت پرستی اختیار کرنے پر مجبور کئے گئے تھے، مگر دل میں ایک سچّے خدا کا پکّا اعتقاد رکھتے تھے۔ ایسے لوگوں کو بھی آنحضرتؐ سچّا مسلمان تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے۔

قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے:۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝
(النحل ۱۶۔ آیت ۱۰۸)۔

"جو شخص (کلمہ کفر کہنے پر) مجبور کیا جائے مگر اُس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو وہ قابل مواخذہ نہیں لیکن جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کے ساتھ کفر کرے اور دل کھول کر کفر کرے تو ایسے لوگوں پر خدا کی طرف سے غضب ہے اور اُن کیلئے بڑا عذاب ہے"
(النحل ۱۶۔ آیت ۱۰۸)۔

مسٹر سٹابرٹ کہتے ہیں:۔

"وہ قید اور وہ عقوبتیں، بالخصوص آفتاب کی جلانے والی کرنوں میں پیاس کی تکلیف، جن میں
"ان عاجز مسلمانوں کو اس لئے مبتلا کیا جاتا تھا، کہ اُن کو اپنے قومی بتوں کی پرستش اور کفر و ارتداد
"کی طرف ترغیب دی جائے، ان باتوں کا آنحضرتؐ کے دل پر بڑا اثر ہوا، اور خاص خاص حالتوں
"میں فرمان الٰہی کے موافق آپ نے اُن کو اجازت دیدی کہ وہ اپنے عقیدہ کا انکار کر سکتے ہیں جب
"تک کہ اُن کا قلب اُس پر قائم و مطمئن ہو"۔ [1]

---

[1] دیکھو کتاب "اسلام اور اس کا بانی" از جے۔ ڈبلیو۔ ایچ۔ سٹابرٹ بی۔ اے صفحہ ۷۶۔
مگر درحقیقت کوئی ایسی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ قرآن مجید کی جو آیت اوپر نقل کی گئی ہے، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جو لوگ خدا کا انکار (کفر) کریں، خدا کا غضب اور عذاب اُن پر ہوگا، مگر اُن لوگوں (دیکھو صفحہ ۳)

۲۔ وہ ظلم، وہ اذیتیں اور وہ تکلیفیں جو ابتدائی مسلمانوں کو پیش آئی تھیں، اُن کی وجہ سے وہ اس بات پر مجبور ہوئے کہ اپنے عیال و اطفال اور اپنے مال و اسباب کو ظالموں کے قبضہ میں چھوڑ کر اپنے گھر سے نکل بھاگیں۔ اُنہوں نے اس طریقہ کو بُت پرستی کی طرف رجوع کرنے سے بہتر سمجھا۔ اور اس سچّے خدائے واحد پر پُختہ ایمان رکھتے تھے۔ جس پر یقین اور توکّل رکھنے کے لئے پیغمبر (صلعم) نے اُن کو تعلیم دی تھی۔ ان تمام واقعات کا خاکہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات میں غالباً صفائی کے ساتھ کھینچا گیا ہے:۔

اس ایذا رسانی کا ذکر قرآن مجید میں

وَالَّذِیْنَ ہَاجَرُوْا فِی اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّھُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً ط وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَۃِ اَکْبَرُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ہ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ہ

(النحل ۱۶۔ آیات ۴۳-۴۴)

"اور جن لوگوں پر ظلم ہوئے، اور ظلم کے بعد اُنہوں نے خدا کی راہ میں ہجرت کی، ہم ضرور بالضرور دُنیا میں اُن کو اچھی امن کی جگہ دیں گے، اور آخرت کا اجر اس سے بڑھ کر ہے، اے کاش یہ لوگ جنہوں نے (مصیبتوں پر) صبر کیا ہے اور جو اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں، (اُس اجر کو) جانتے ہوتے"۔

(النحل ۱۶ - آیات ۴۳-۴۴)

ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیْنَ ہَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جَاہَدُوْا وَصَبَرُوْآ اِنَّ رَبَّکَ مِنْ بَعْدِہَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ہ النحل ۱۶ آیت ۱۱۱

"پھر جن لوگوں نے مبتلائے مصیبت ہونے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر کیا، (اے پیغمبر!) تمہارا پروردگار بے شک ان (امتحانوں) کے بعد اُن لوگوں کے لئے البتہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ النحل ۱۶ آیت ۱۱۱

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲) برنہیں جو مجبور ہو کر ایسا کریں۔ ان پچھلی قسم کے لوگوں کو (جن کی زبان سے سخت مجبوری کی حالت میں کلمہ کفر نکل جائے) پہلی قسم کے اشخاص کے برابر نہیں رکھا گیا، خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ حالت مجبوری میں کسی کے دباؤ سے کلمۂ کفر کہہ بیٹھیں، وہ کافروں میں شمار نہیں کئے گئے۔ (بیضاوی جلد اول صفحہ ۵۲۸ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۸۴۸ء - ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۴۹ مطبوعہ یورپ ؛؛

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

(البقرہ ۲- آیت ۲۱۵)

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا۔ یہی لوگ ہیں جو اللہ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں۔ اور اللہ بخشنے والا اور رحیم ہے"۔

(البقرہ ۲- آیت ۲۱۵)۔

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۝

(آل عمران ۳- آیت ۱۹۴)

"جن لوگوں نے ہجرت کی اور میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے۔ اور لڑے اور مارے گئے۔ ہم اُن کی خطاؤں کو ضرور بالضرور محو کر دیں گے اور اُن کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی"۔

(آل عمران ۳- آیت ۱۹۴)۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝

(الحج ۲۲- آیت ۵۷)

"اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ہجرت کی پھر وہ قتل کئے گئے یا مر گئے۔ اللہ اُن کو (آخرت میں) ضرور بالضرور عمدہ روزی دے گا۔ اور بے شک اللہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے"۔

(الحج ۲۲- آیت ۵۷)

لَّا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ

"جو مسلمان معذور نہیں ہیں۔ اور وہ (جہاد سے) بیٹھ رہے۔ یہ لوگ اُن کے برابر نہیں ہیں۔ جو اپنے مال اور جان سے راہِ خدا میں جہاد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مال و جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجہ کے اعتبار سے فضیلت

عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً ط وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ط وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ .... اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِى الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝

(النّساء ۴۔ آیات ۹۷۔ ۹۹۔ ۱۰۰)

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

دی ہے اور خدا کا وعدۂ نیک سب سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے ثوابِ عظیم کے اعتبار سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت دی ہے۔

.... جو لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کر رہے ہیں جب فرشتے اُن کی رُوح قبض کر چکتے ہیں تو اُن سے پُوچھتے ہیں کہ تم (دارالحرب) میں کیا کرتے رہے وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اُس سرزمین میں بے بس تھے (فرشتے) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی زمین اتنی گنجائش نہیں رکھتی تھی کہ تم اُس میں ہجرت کر کے کہیں چلے جاتے۔ پس یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنّم ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔ مگر جو مرد اور عورتیں اور بچے ایسے بے بس ہیں کہ کوئی تدبیر نہیں کر سکتے اور نہ اُن کو بچنے کی کوئی سبیل نظر آتی ہے تو امید ہے کہ اللہ اُن کو معاف کرے اور اللہ معاف کرنیوالا اور بخشنے والا ہے۔

(النّساء ۴۔ آیات ۹۷۔ ۹۹۔ ۱۰۰)

"(اے مسلمانو!) جو لوگ تم سے دین کے بارہ میں نہیں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اُن کے ساتھ احسان کرنے اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا کیونکہ اللہ منصفانہ معاملہ کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو صرف اُن لوگوں سے دوستی پیدا کرنے سے منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارہ میں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا۔

وَظَاہَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْہُمْ وَمَنْ یَّتَوَلَّہُمْ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوْنَ ٥ (الممتحنہ ۶۰ - آیات ۸ - ۹)	اور تمہارے نکالنے پر دوسروں کو مدد دی اور جو کوئی اُن سے دوستی کرے گا تو (سمجھا جائے گا) وہی لوگ (مسلمانوں پر) ظلم کرنے والے ہیں[1]- (الممتحنہ ۶۰ - آیات ۸ - ۹)

۳۔ خود پیغمبر اسلام ؐ نے اپنی موذی قوم یعنی قریش کے ہاتھوں **توہین و تحقیر** اور **ذاتی نقصانات** یعنے جسمانی صدموں کی تکلیفیں برداشت کی تھیں - آپ کو ادائے نماز سے روکا گیا (علق ۹۶ - آیت ۱۰[2])

> توہین و تحقیر جس کی ایذا آنحضرت ؐ نے برداشت کی

کفار کا آپ کے اُوپر تھوکنا - کوڑا کرکٹ ڈالنا - آپ کی گردن میں آپ ہی کے عمامہ کا پھندا ڈال کر کعبہ سے باہر نکال دینا یہ سب باتیں آپ نے گوارا کیں - ان تمام ذلّتوں کو آپ انتہا درجہ کی **تواضع اور خاکساری** سے برداشت کرتے تھے، اور اپنے پیروؤں کے ساتھ **ظلم و تعدّی** کا برتاؤ روزمرہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے - آپ کے چچا (حضرت ابو طالب) کے انتقال کے بعد لوگ آپ کی جان کے درپے ہو گئے - مگر آپ نے مدینہ کو ہجرت کر کے اپنی جان بچائی -

قرآن مجید میں ہے :-

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ ط وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ ط وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ ٥ (الانفال ۸ - آیت ۳۰)	"اور (اے پیغمبر! یاد کرو) جب کافر تمہارے خلاف خفیہ تدبیریں کر رہے تھے تاکہ تم کو قید کر لیں یا تم کو قتل کر دیں یا تم کو جلاوطن کر دیں اور کافر اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیریں کر رہا تھا - اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے" (الانفال ۸ - آیت ۳۰)

۴ - تقریباً ۶۱۵ء میں قریش مکّہ نے دین اسلام پر ظلم کرنے شروع کئے - سابق الاسلام

[1] بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۳۲۴ مطبوعہ یورپ [2] بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۴۰۵ - مطبوعہ یورپ

قریش کی ایذا رسانی اور ظلم و تعدی کا خلاصہ تاریخی حیثیت سے۔

مسلمانوں میں سے جن لوگوں کا کوئی حامی و مددگار نہ تھا اُن کو سخت مجبور کیا گیا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ گیارہ آدمیوں کی ایک جماعت نے وطن سے **ہجرت** کی، اور بعض تو مع عیال و اطفال کے وطن چھوڑ کر نکل گئے۔ اور باوجودیکہ قریش نے اُن کا تعاقب کیا تاہم بحیرۂ قلزم کو عبور کر کے شاہ حبشہ (ابی سینا) کے دربار میں اُن کو پناہ مل گئی۔ یہ **پہلی ہجرت** تھی[1] یعنے ستم رسیدہ مسلمانوں کا ترک وطن کرنا۔

کچھ عرصہ کے بعد جبکہ قریش نے بہ نسبت سابق کے زیادہ شدت سے ظلم و ستم شروع کئے، تو مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے جنکی تعداد سو سے زیادہ تھی۔ ابی سینا کی طرف ہجرت کی۔ یہ مسلمانوں کی **دوسری ہجرت** کہلاتی ہے[2]۔ قریش نے دربار حبشہ میں اپنے سفیر بھیجے کہ ان مہاجرین کو واپس بھیجدیا جائے۔ بادشاہ نے اُن کو قریش کے حوالے کرنے سے انکار کیا۔ تقریباً دو سال بعد قریش نے مسلمانوں کے برخلاف ایک جتھا قائم کیا[3]، جس کے ذریعہ سے انہوں نے مسلمانوں اور اُن لوگوں کے ساتھ جو اُن کے حامی اور مددگار تھے، میل جول بند اور تمام تعلّقات قطع کر دئے۔ قریش نے زجر و توبیخ اور تنبیہ و تہدید کے ذریعہ سے مسلمانوں کو شہر مکّہ سے نکل جانے پر مجبور کیا۔ ان لوگوں کو مع حضرت پیغمبرؐ اور بنی ہاشم اور اُن کے عیال و اطفال کے تخمیناً تین سال تک **شعب**[4] **ابوطالب** میں محصور رہنا پڑا۔ وہ یہاں اس طرح رہتے تھے کہ بیرونی دنیا سے اُنکو کچھ تعلّق نہ تھا۔ قطع تعلّق کے معاہدہ پر قریش سختی کے ساتھ عمل کرتے تھے۔ اس ملکی اور تمدّنی معاہدہ کی **شرطیں** جن کی پابندی اُن پر لازم تھی حسب ذیل تھیں:۔

(۱)[5] مسلمانوں کے ساتھ جن کا خون ہدر کیا گیا تھا شادی بیاہ، رشتہ ناطہ نہ کیا جائے۔

---

[1] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۳۶۔ [2] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۱۳۸۔ [3] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۳۹۔ [4] ابن سعد جلد ا صفحہ ۱۳۹۔ [5] ابن سعد جلد ا صفحہ ۱۳۹۔

(۲) اُن کے ساتھ کوئی خرید و فروخت نہ کی جائے۔

(۳) اُن کے ساتھ کل تعلّقات بالکل قطع کر دئے جائیں۔

آنحضرتؐ صرف مقدّس مہینوں کے درمیان شعب سے باہر نکل کر حاجیوں کے ساتھ شامل ہوکر اُن کو بُت پرستی سے نفرت اور ایک سچّے خدا کی عبادت کی رغبت دلانے کا وعظ فرماتے تھے۔شعب ابوطالب ایک گھاٹی ہے، جو کوہ **ابو قبیس** کی تلیٹی میں واقع ہے۔ ایک نیچا پھاٹک ساکنان شعب کو بیرونی دُنیا سے جدا کرتا تھا، اور مثل اُس فوج کے جو قلعہ میں محصور ہو، جملہ ضروریات زندگی سے محروم اور تکلیف میں مبتلا تھے۔کوئی شخص ان مقدّس مہینوں کے سوا، جب کہ تمام مخالفانہ خیالات اور افعال علیحدہ رکھ دئے جاتے تھے باہر نکلنے کی جُرأت نہیں کرسکتا تھا، **شعب** کے اندر سے بھوکے بچّوں[۱] کے رونے اور چلاّنے کی آوازیں باہر اہل مکّہ کے کانوں میں پہنچتی تھیں، اور ساکنان شعب کے صبر و تحمّل اور مشرکین مکّہ کی تعدّی و ایذا رسانی کی یہ حالت کوئی تین سال تک قائم رہی۔مخالف جماعت (کفّار قریش) کے سربرآوردہ اشخاص میں سے جو اس ظلم کے حامی تھے، پانچ آدمی[۲] اس معاہدہ سے علیحدہ ہو گئے، اور قوم کے جتھے سے جُدا ہو کر اُنہوں نے مقیّد مسلمانوں کو قید سے آزاد کر دیا۔ یہ واقعہ آنحضرتؐ کی رسالت کے دسویں[۱] سال میں پیش آیا تھا۔تھوڑے عرصہ کے بعد آنحضرتؐ کے ناصر و معین اور آپ کے عم محترم یعنے **حضرت ابوطالب** کے انتقال کی وجہ سے آنحضرتؐ اور سابق الاسلام مسلمانوں نے ایک بڑا نقصان اُٹھایا۔ الغرض ابوسفیان، ابوجہل اور دیگر مشرکین کی ترغیب سے، آنحضرتؐ اور آپ کے پیرووں کی توہین و تحقیر اور اُن پر ظلم و ستم دوبارہ بے روک ٹوک اور کُھلّم کُھلّا ہونے لگے، اور چونکہ مسلمان شہر (مکّہ) میں گویا مُٹھی بھر تھے، اس لئے وہاں کے دولتمند اور قوی سرداروں کا مقابلہ نہیں

[۱] ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۴۰۔ [۲] ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۴۱۔

آنحضرت صلعم نے اپنی جان کو محفوظ نہ پایا، اور یا اس وجہ سے کہ آپ کو کسی دوسرے مقام پر اپنے پیغام کے زیادہ تر قبول کئے جانے کا بھروسا تھا، آپ بنی ثقیف کے شہر طائف[1] کی طرف روانہ ہوئے، یہ شہر بُت پرستی کا ایک بڑا قلعہ (یعنے مشہور بیت الصنم) تھا۔ یہاں ایک پتھر کی مورت جس کو "لات" کہتے تھے، قیمتی لباس اور جواہرات سے آراستہ موجود تھی، جس کی پوجا ہوتی تھی، اور جس کو خدا کی ایک بیٹی سمجھتے تھے۔ یہاں پہنچ کر آنحضرت صلعم نے لوگوں کے سامنے وعظ فرمایا جو اس کو سُن کر ناراض ہوئے، اور رؤسائے شہر کی طرف سے بجز مخالفت اور تحقیر و تذلیل کے اَور کچھ حاصل نہ ہوا، جس کا اثر تھوڑی سی دیر میں عوام الناس تک پھیل گیا[2]۔ آپ کو شہر سے باہر نکال دیا گیا، بدسلوکی کی گئی، اور زخمی کیا گیا، اور جب تک کہ بنی عبد الشمس کی نسل کے ایک سردار مسمّے مُطعم[3] نے آپ کی حمایت نہ کی، اُس وقت تک آپ واپس مکّہ میں داخل نہ ہو سکے +

سالانہ حج کے موقع پر مدینہ کے حاجیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت اسلام کا وعظ سُن کر اسلام کی طرف مائل اور مسلمان ہو گئی، اور آیندہ سال میں اُن کی تعداد بارہ ۱۲ تک پُہنچ گئی۔ ان لوگوں نے آنحضرت صلعم سے مل کر اطاعت کا عہد و پیمان کیا۔ آپ نے ایک معلّم مصعب بن عمیر العبدری کو مقرر کر کے اُن کے ساتھ مدینہ بھیج دیا[4]، جہاں ایک عجیب و غریب سرعت کے ساتھ یہ دین پھیل گیا۔ دوبارہ حج کا موسم آیا، اور مدینہ کے ستّر سے زیادہ آدمیوں نے مسلمان ہو کر یہ قول و قرار کیا کہ ہم اپنے جان و مال کو خطرہ میں ڈال کر آنحضرت صلعم کو اپنے وطن میں پناہ دیں گے اور آپ کی حمایت کریں گے۔ یہ تمام کام پوشیدہ طور پر کیا گیا، مگر چونکہ قریش کو اس کی اطلاع مل گئی تھی، اُنہوں

---

[1] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۴۱۔ [2] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۴۱۔ [3] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۴۲۔

[4] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۴۸ +

ازسرِ نو ایسی سختیاں اور زیادتیاں کرنی شروع کیں، جن میں بعض اوقات قید کی سزا بھی شامل تھی، کہ مسلمان اپنے شہرِ امن یعنی مدینہ کی طرف جلد روانہ ہو گئے[۱]۔

۵۔ قریش کی جابرانہ کارروائیوں سے آنحضرت ؐ بہت دِق ہو گئے، اور چونکہ خود

ہجرت مدینہ

آنحضرت ؐ اور آپ کے پیروؤں کی ذاتی حفاظت اور امن خطرہ کی حالت میں تھی، اور باہمی تعلّقات کے قائم رکھنے سے قریش کو انکار تھا۔ لہٰذا آپ نے دیکھا کہ قریش کی طرف سے رواداری اور تحمّل کی توقّع رکھنی عبث ہے، جنھوں نے آپ کو وطن میں رہنے نہ دیا، اور مذہب اسلام کی تلقین کرنے سے باز رکھا۔ اور آپ نے ایک اجنبی سرزمین (مدینہ) سے مدد اور حمایت کی اُمید رکھی۔ آنحضرت ؐ نے اہل مدینہ سے استدعا کی کہ مجھے اپنے وطن میں جگہ دو اور میری حمایت کرو۔ مسلمانان مدینہ نے، جو حج کے لئے مکّہ میں آئے تھے، آنحضرت ؐ کے ساتھ عہد و پیمان کیا اور اس بات کا وعدہ کیا کہ ہم اسی طرح آپ کی حمایت کریں گے جس طرح اپنے عیال و اطفال کی حمایت کرتے ہیں مدینہ کے جدید مسلمان اگرچہ اپنی طرف سے ابتدا بجنگ نہیں کرتے تھے، مگر قریش نے فوراً اُن پر شُبہ کیا، اور جو مسلمان مکّہ میں موجود تھے، اُن کو گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ اُنھوں نے مدینہ کے ایک مسلمان سعد بن عبادہ انصاری کے ساتھ جو اُن کے قابو میں آگیا تھا، سخت بدسلوکی کی[۲]۔ اور ظلم و ایذا کا کام واقعی طور پر دوبارہ شروع ہو گیا[۳]۔ جو مسلمان متقیّد تھے۔ یا غلامی سے نکل کر بھاگ نہیں سکتے تھے اُن کے علاوہ اور نیز عورتوں اور بچّوں کے سوا جو ہجرت نہیں کر سکتے تھے مسلمانوں کو ہجرت کرنے میں دو مہینے لگے۔ بہت

---

[۱] ابن سعد جلد اوّل صفحہ ۱۴۸۔ [۲] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۵۰۔ [۳] مسلمانان مدینہ کی حمایت اور ارادۂ ہجرت کے گمان نے قریش کو سخت برافروختہ کیا، اور اس سختی نے مسلمانوں کو آنحضرت ؐ سے ہجرت کی اجازت لینے پر مجبور کیا۔ ممکن ہے کہ یہ دونو سبب ایک ساتھ موجود ہوں، اور ایک دوسرے پر مؤثّر ہوں، اور یہ امر ضرور تھا کہ کفّار کی ایذا رسانی کی وجہ سے مسلمانوں کو جلد ہجرت کرنی پڑے، اور یہ پھر ایک نئی ہجرت پر قریش برافروختہ ہو کر اَور بھی زیادہ بیرحمی کریں۔ (سیرت محمدی از ولیم میور جلد دوم صفحات ۲۴۲-۲۴۳ فٹ نوٹ)۔

سے قبائل یکے بعد دیگرے چُپ چاپ نکل گئے اور گھر کے گھر خالی اور ویران ہو گئے۔ شہر کے ایک دو محلّے تو بالکل اُجڑ گئے۔ قریش پنچایت کر کے آنحضرت ص کے خون کے درپے ہو گئے تھے اور آنحضرت ص جناب علی مرتضیٰ ع کو اپنے گھر میں پیچھے چھوڑ کر اور حضرت ابو بکر رض کو ہمراہ لے کر مکّہ سے نکل گئے[1]۔ آپ نے حضرت علی ع کو اپنی چادر اُڑھا دی، تاکہ آپ کے ہمسایوں (کفّار قریش) کو شکوک و شبہات پیدا نہ ہوں، اور یہ فرمایا کہ "اے علی ع! تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ"۔ حضرت محمد (صلعم) اور آپ کے رفیق (حضرت ابو بکر صدیق رض) نے ایک غار میں پناہ لی۔ قریش نے آپ کی تلاش میں سب طرف جاسوس روانہ کئے، مگر بے فائدہ۔ تین روز تک غار میں پوشیدہ رہنے کے بعد آپ مع حضرت ابو بکر رض کے مدینہ کو روانہ ہوئے، جہاں امن و آرام سے پہنچ گئے[2]۔

واقعات مندرجہ بالا کی موجودگی میں اگر آنحضرت ص قریش کے ساتھ فوراً جنگ و مخالفت شروع کر دیتے، تو بھی آپ پوری طرح حق بجانب ہوتے، مگر آپ نے اُس وقت تک ہتھیار نہیں اُٹھائے جب تک آپ اہل مکّہ کے حملوں سے ایسا کرنے پر مجبور نہ ہوئے۔

مکّہ سے ہجرت کے بعد قریش کا مسلمانوں کو ایذا دینا۔

۶۔ اگرچہ حضرت پیغمبر صلعم اور تمام ابتدائی مسلمان جو بچ کر نکل سکتے تھے، سوائے اُن کے عیال و اطفال، عورتوں بچّوں اور اُن ضعیف مسلمانوں کے جو مکّہ کو چھوڑ نہیں سکتے، ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تھے، تاہم اہل مکّہ یعنے قریش نے ان مہاجرین کا پیچھا نہ چھوڑا اور اُن پر حملے کرنے سے باز نہ رہے۔ اُنہوں نے اُن بچّوں اور کمزور مسلمانوں سے جو مکّہ میں پیچھے رہ گئے تھے، **بدسلوکی** کرنی شروع کی (النّساء ۴۔ آیات ۷۷۔ ۹۹۔ ۱۰۰) مسلمانوں کو اُن کے گھروں سے نکال دیا۔ اور اُن کو مکّہ میں حج کے لئے واپس آنے کی اجازت

[1] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۵۳۔ [2] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۵۳ تا ۱۶۱۔ مطبوعہ یورپ۔

نہ دی (البقرہ ۲ ۔ آیت ۲۱۴) اہل مکّہ نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کا عزم مصمّم کر کے مدینہ کے علاقہ پر حملہ کیا (اور جنگ بدر، جنگ اُحد، جنگ خندق یا جنگ احزاب، یہ لڑائیاں درحقیقت مدینہ ہی کے قریب پیش آئی تھیں) لہٰذا محض مدافعت کی غرض سے مسلمانوں کو مجبوراً ہتھیار اُٹھانے پڑے ۔

یہ وجوہات مسلمانوں کے حملہ کرنے کے لئے کافی تھیں ۔ مسلمانوں کی یہ بھی خواہش تھی کہ اپنے عیال و اطفال کو اور اُن لوگوں کو رہائی دلائیں جو اہل مکّہ کے ظلم و ستم سے ہجرت میں شریک نہیں ہو سکے تھے ۔ تاہم کسی حالت میں مسلمان جنگ کی ابتدا کرنے والے نہ تھے ۔ اگرچہ وہ اپنے وطن اور عیال و اطفال سے جُدا کئے گئے تھے تاہم **اُنہوں نے اُس وقت تک ہتھیار نہ اُٹھائے جب تک کہ وہ محض مدافعت کے لئے ایسا کرنے پر مجبور نہ ہوئے ۔**

آنحضرت ؐ خود اپنے لئے اور اپنے پیروؤں کے لئے جس بات کے خواہاں تھے، وہ صرف یہ تھی کہ **کانشنس** (ایمان و عقیدہ) اور **اعمال مذہبی** کی بابت پوری آزادی حاصل رہے، اور **مذہب کی تبلیغ** اور اُس کی تعمیل کی اجازت بلا مزاحمت مل جائے ۔ چونکہ آنحضرت ؐ کو ایسی اجازت حاصل نہ ہو سکی، لہٰذا آپ نے اپنے پیروؤں کو شہر چھوڑ کر کسی دوسری جگہ پناہ لینے کی صلاح دی ۔ اُنہوں نے دو مرتبہ **ابی سینا** (حبشہ) کی طرف ہجرت کی، اور تیسری مرتبہ نکل کر مدینہ چلے گئے اور بعد میں آنحضرت ؐ بھی وہیں تشریف لے گئے، جب کہ آپ کی جان لینے کا قصد کیا گیا تھا +

باب دوم

اہل مکہ یا قریش

۷- ہجرت کے بعد آنحضرت ؐ اور آپ کے پیروؤں کے ساتھ قریش کی روش فوراً زیادہ تر مخالفانہ ہوگئی۔ کُرز بن جابر نے، جو قریش کے غارت گر سرداروں میں سے تھا، مدینہ کے اُونٹوں اور گلّوں پر حملہ کیا، اور اُن کو لے گیا، جب کہ وہ شہر (مدینہ) سے چند میل کے فاصلہ پر ایک میدان میں چر رہے تھے[۱]

سلہ ھ میں قریش کا ایک سردار مدینہ کے قریب حملہ کرتا ہے۔

۸- اِس[۲] وقت تک مدینہ سے اس حملہ کا مخالفانہ جواب نہیں دیا گیا تھا، یہاں تک کہ حملہ آور (قریش) مدینہ سے نو سو پچاس جوانوں کی فوج فراہم کر کے، جو سات سو اُونٹوں اور سو گھوڑوں پر سوار تھے، بمقام بدر اپنے ہمراہ لائے، جو مکّہ سے نو منزل مدینہ کی طرف واقع ہے اُس وقت آنحضرت ؐ اپنی تین سو پانچ آدمیوں کی قلیل جماعت کو ساتھ لے کر حملہ آوروں کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ قریش کی طرف سے حملہ آوری کی اور حضرت محمد (صلعم) کی طرف سے مدافعت کی پہلی جنگ یہی تھی۔ اس لڑائی میں حملہ آور قریش کو سخت شکست ہوئی +

قریش مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے کُوچ کرتے ہیں۔ آنحضرت ؐ مدافعت کے لئے آگے بڑھتے اور جنگ بدر میں فتح حاصل کرتے ہیں

---

[۱] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۸۶ - [۲] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۸۹ +

۹- اُس[1] کے بعد قریش کے سردار ابوسفیان نے غلّہ کے کھیتوں اور کھجور کے باغوں پر، جو مدینہ کے شمال ومشرق کی طرف دوتین میل کے فاصلہ پر واقع تھے، حملہ کرکے آنحضرتؐ اور اہل مدینہ کو چوکنّا بنا دیا۔

ابوسفیان کا حملہ مدینہ پر ۲ھ میں۔

بنی سُلیم[2] اور بنی غطفان[2] کے خانہ بدوش قبائل نے، جو قریش ہی کی نسل سے تھے، غالباً قریش کی تحریک سے یا کم از کم ابوسفیان کے نمونہ کی پیروی کرکے، دومرتبہ فراہم ہوکر مدینہ پر بغرض تاخت وتاراج حملہ کرنے کا منصوبہ باندھا، یہ کام بجائے خود اُن کی غارت گری کی عادتوں کے موافق تھا۔

۱۰- قریش[۳] نے مدینہ پر ازسرِ نو حملہ کرنے کے لئے بڑی بڑی تیاریاں کی تھیں۔

جنگ اُحد

جنگ بدر سے ایک سال بعد اُنہوں نے اپنا کوچ شروع کیا۔ فوج کی تعداد تین ہزار[۳] تھی، جن میں سے سات سَو زرہ پوش اور دو[۲] سَو عُمدہ گھوڑوں کے سوار تھے۔ مدینہ پہنچ کروہ اُحد کے مغرب کی طرف ایک وسیع اور سرسبز میدان میں خیمہ زن ہوئے۔

آنحضرتؐ نے سات سَو پیادوں اور صرف دو[۲] سواروں کے ساتھ ابوسفیان کا مقابلہ کیا۔ مگر اس لڑائی میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور آنحضرتؐ زخمی ہو گئے۔

۱۱- چونکہ اُحد کی اس شکست کا اثر آنحضرتؐ کے اقتدار پر پڑا تھا، اس لئے اکثر بدوی قبائل نے آپ کے ساتھ ایک مخالفانہ روش اختیار کرلی تھی۔ بنی اسد[۵] جو نجد کے رہنے والے قریش کا ایک طاقتور قبیلہ تھا، اور بنی لحیان[۶] جو مکّہ کے قرب وجوار میں رہتے تھے، اُنہوں نے

آنحضرتؐ کے اقتدار پر اس شکست کا اثر۔

[1] التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۴۰ - ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۰ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ - [2] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۲ - [3] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۴ - [4] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۵ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۴ - [5] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۳۵ - [6] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۵۶ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۳ -

مدینہ پر تاخت و تاراج کرنے کی تیاری کی۔ رجیع[1] اور بیر معونہ[2] میں داعیان اسلام قتل کئے گئے۔ دومۃ الجندل[3] کے غارت گر گروہوں نے بھی شہر پر حملہ کرنے کی دھمکی دی۔ بنی مصطلق[4] نے بھی مدینہ کے اس حملہ میں شریک ہونے کے لئے فوج جمع کی۔

ابوسفیان نے مسلمانوں کو سال آیندہ ایک اور حملہ کرنے کی دھمکی دی۔

۱۲- ابوسفیان[5] نے فتح مند ہوکر میدان جنگ سے واپس جاتے وقت، مسلمانوں کو سالِ آیندہ ایک جدید حملہ کی دھمکی دی، اور خاص حضرت عمرؓ سے یہ کہا کہ "ہم ایک سال کے بعد بمقام بدر پھر ایک دوسرے کے مقابل ہونگے"۔ تاہم قریش کے اس حملہ سے جس کی دھمکی دی گئی تھی، اہل مدینہ اور مسلمان ایک عرصہ تک محفوظ و مصئون رہے۔

آخر کار وہ وقت آن پہنچا جبکہ قریش اور مسلمانوں کی فوجوں کی مُٹ بھیڑ بمقام بدر ہونے والی تھی۔ مگر یہ سال قحط اور خشکی کا تھا، اور قریش خواہاں تھے کہ یہ مہم کسی زیادہ مناسب موسم تک ملتوی کردی جائے۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک شخص مسمےٰ نعیم[6] ابن مسعود کو، جو ایک ایسے قبیلہ سے تھا جس کو نہ مسلمانوں سے تعلّق تھا اور نہ قریش سے، اس کام پر مامور کیا کہ مدینہ پہنچ کر قریش کی تیاریوں کا ایک مبالغہ آمیز حال بیان کرے، اس اُمید پر کہ مُسلمان قریش کے مقابلہ کے لئے روانہ ہونے سے باز رہیں، کیونکہ میدان اُحد کا واقعہ اُن کے حافظہ میں تازہ تھا۔ مگر آنحضرت (صلعم) پندرہ سَو آدمیوں اور صرف دس گھوڑوں کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ قریش، جو آنحضرتؐ کی فتحمندی پر ہرگز آزردہ خاطر معلوم نہیں ہوتے تھے، آپ پر ایک اَور

[1] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۳۹- ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۸- [2] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۳۶- ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۸ [3] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۴- التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۴۸- [4] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۵- [5] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۲- ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۳۵- [6] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۲- التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۴۸-

عظیمُ الشّان حملہ کرنے کا منصوبہ باندھنے لگے۔

۱۳ ۱-قریش[1] نے سال آیندہ کے موسم سرما کو جنگ وعداوت کے ازسرِ نوشروع کرنے کے لئے منتخب کیا۔ اُنہوں نے بدوی قبائل کی ایک بہت بڑی جمیعت کے ساتھ (کل فوج کی تعداد تخمیناً دس ہزار تھی) شامل ہو کر آنحضرت ؐ سے مقابلہ کرنے کے لئے کُوچ کیا، اور مدینہ کا محاصرہ کرلیا، آنحضرت ؐ نے ایک خندق کھود کر شہر کو حملہ سے بچایا۔ (اسی وجہ سے یہ لڑائی غزوۂ خندق کے نام سے موسوم ہے) مدینہ کی[2] فوج خندق کے اندر قائم کی گئی، اور قریش کی فوج اُن کے مقابل کی طرف خیمہ زن ہوئی۔ اس اثنا میں **بنی قریظہ** کو جو ایک یہودی قبیلہ تھا، آنحضرت ؐ کی اطاعت سے منحرف کردینے میں ابوسفیان نے کامیابی حاصل کی۔ ان لوگوں کا مسلمانوں سے علیحدہ ہو جانا، مدینہ کے لئے نہایت خطرناک تھا۔ دشمن نے ایک **عام حملہ** کیا جس کی **مدافعت** کی گئی۔ خراب موسم شروع ہو گیا تھا اور **ابو سفیان** نے مددگار فوج کو منتشر ہو جانے کا حکم دیا۔ غنیم نے مراجعت کی۔ اور پھر کبھی مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے نہ آیا، لہٰذا قریش کی طرف سے حملہ کی اور آنحضرت ؐ کی طرف سے مدافعت کی آخری لڑائی یہی تھی۔

قریش ایک بڑی فوج سے مدینہ پر دوبارہ حملہ کرتے ہیں آنحضرت ؐ شہر کو بچاتے ہیں غنیم ہٹ جاتا ہے (جنگ خندق یا احزاب ۵ھ)

۱۴ ۱-آنحضرت ؐ[3] اور آپ کے تابعین کو مکّہ سے ہجرت کئے چھ سال کا عرصہ منقضی ہو چکا تھا اُس وقت سے اب تک اُنہوں نے خانۂ کعبہ کی زیارت نہیں کی تھی، اور نہ کبھی حج میں شامل ہوئے تھے، جو اُن کی تمدّنی اور مذہبی زندگی کا ایک ضروری

آنحضرت ؐ مسلمانوں کے ہمراہ عُمرہ ادا کرنے کے لئے روانہ ہوئے، قریش نے آپ کا مقابلہ کیا، اور آپ مایوس ہو کر واپس آگئے۔ ۶ھ

[1] التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۴۸-ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۶- ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۷- ابن ہشام صفحہ ۶۶۸

[2] واقدی صفحہ ۳۶۵-۳۶۷- [3] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۹-

جزو تھا۔ حضرت م نے ذیقعدہ کے مہینے میں، جبکہ جنگ تمام عرب میں حرام تھی، مکہ میں عُمرہ بجالانے کا قصد کیا، اور مع اپنے تابعین کے یعنے عابد اور صُلح جو حاجیوں کی جماعت کے ساتھ، جن کی تعداد پندرہ سو تھی[۵]، مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ ان لوگوں کے پاس اُن ہتھیاروں کے سوا کوئی ہتھیار نہ تھا، جن کے رکھنے کی اجازت اُس زمانے کے دستور کے موافق حاجیوں کو تھی، یعنے ہر شخص کے لئے ایک ایک تلوار میان میں رکھی ہوئی۔ قریش اور اُن کے مددگاروں یعنے گرد و نواح کے قبیلوں نے حاجیوں کے آنے کی خبر سُن کر ہتھیار اُٹھائے، اور اُن کو روکنے کے لئے آگے بڑھے۔ آنحضرت م نے بمقام حدیبیہ اپنے خیمے نصب فرمائے اور یہاں قریش اور آنحضرت م کے مابین ایک صُلح کا عہد نامہ ہوا۔ اس عہد نامہ کا مضمون یہ تھا، کہ دس سال تک جنگ ملتوی رہے، اور کوئی فریق دوسرے پر حملہ نہ کرے۔ جو شخص آنحضرت م کے ساتھ شامل ہونا، اور آپ کے ساتھ عہد نامہ کرنا چاہے، اُس کو ایسا کرنے کی آزادی ہونی چاہیئے[۲]۔ اگر کوئی شخص اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر، آنحضرت م کے پاس چلا آئے، تو وہ اپنے سرپرست کے پاس واپس بھیج دیا جائے گا، لیکن اگر کوئی شخص آنحضرت م کے پیرووں میں سے قریش کے پاس چلا جاوے تو وہ واپس نہیں بھیجا جائے گا، اور قریش کی طرف سے یہ شرط تھی کہ آنحضرت م اور آپ کے پیرو شہر میں داخل ہونے (اور عمرہ کرنے) کے بغیر اس سال واپس لوٹ جائیں اور سال آئندہ آنحضرت م اور آپ کے پیرو تین[۳] دن تک مکہ میں عمرہ کرسکتے ہیں، جبکہ ہم (قریش) وہاں سے چلے جائیں گے۔ مگر اُن کو مسافروں کے ہتھیاروں کے سوا، کوئی ہتھیار لے کر داخل ہونے کی اجازت نہ ہوگی۔ یعنی ہر ایک شخص ایک میان میں رکھی ہوئی تلوار اپنے ساتھ لاسکتا ہے"۔ بنی خزاعہ[۴] آنحضرت م کے معاہدہ میں شریک ہوئے، اور بنی بکر قریش کے ساتھ شامل ہوگئے۔

---

[۵] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۷۔

۱۵۔یہ صلح قائم رہی، یہاں تک کہ قریش نے عہد نامہ حدیبیہ کو توڑ ڈالا، [۱] اور بنی خزاعہ کے متعدد آدمیوں کو دغابازی سے قتل کر ڈالا مظلوم اور ستم رسیدہ بنی خزاعہ کی حمایت میں اور عہد نامہ کی خلاف ورزی کی وجہ سے قریش کو تنبیہ کرنے کی غرض سے ہجرت کے آٹھویں سال آنحضرت[ص] نے اُن کے خلاف مکّہ کی طرف کُوچ کیا۔مگر قریش نے آنحضرت[ص] کے مکّہ پہنچنے سے پہلے ہی آپ کی اطاعت قبول کر لی، اور بلا مزاحمت شہر مکّہ پر آپ کا قبضہ ہو گیا۔

قریش کا نقض عہد اور اُن کا مغلوب ہونا۔

۱۶۔تھوڑے عرصہ کے بعد بنی ہوازن[۲] اور بنی ثقیف کے جنگجو قبیلوں نے حملہ کیا۔یہ لوگ بمقام اوطاس جمع ہوئے اور آنحضرت[ص] پر حملہ کرنے کے لئے حُنین تک بڑھے چلے آئے۔آپ کو مجبوراً

دو اور قبیلوں نے بھی مسلمانوں پر حملہ کیا

---

[۱] بد قسمتی سے کئی داعی جو آنحضرت[ص] نے تبلیغ اسلام کے لئے بھیجے تھے اُن کو نامساعد واقعات پیش آئے:۔

(۱) جو گروہ داعی بنی سُلیم کے پاس دعوت اسلام کی غرض سے بھیجا گیا تھا اور جن کی تعداد (۷۰) تھی اور جن کے افسر منذر بن عمرو الساعدی تھے، بمقام بیر معونہ، قتل ہوا۔(ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۳۶)

(۲) ایک اور گروہ جو بنی لیث کے پاس روانہ کیا گیا تھا، اُس پر یکایک چھاپا مارا گیا، اور اس کے اُونٹ لُوٹ لئے گئے۔

(۳) ایک چھوٹی سی جماعت کو جو آنحضرت[ص] نے فدک کو روانہ کی تھی، بنی مرّہ نے تہ تیغ کر ڈالا۔(ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۸۶)۔

(۴) ایک اور داعی ذات اطلاح کی طرف لوگوں کو قبول اسلام کی ترغیب دینے کے لئے روانہ کیا تھا، اس میں سے صرف ایک آدمی زندہ بچ کر آیا۔(ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۹۲)۔

(۵) آنحضرت[ص] نے اپنا جو داعی حارث بن عمیر ازدی بمقام بُصریٰ غسّانی شہزادہ کے پاس بھیجا تھا اُس کو موتہ کے سردار شُرحبیل بن عمرو الغسّانی نے قتل کر دیا۔اس سردار کی دغابازی کا انتقام لینے کے لئے جو فوج آپ نے روانہ کی تھی اُس کو شکست ہوئی۔(ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۹۲)۔

ان تمام ناموافق واقعات اور انقلابات کا آنحضرت[ص] کے اقتدار پر خوفناک اثر پڑا، اور ان ہی باتوں سے قریش مکّہ کو صُلح حدیبیہ کے توڑنے کی ترغیب ہوئی۔(ابن سعد جلد دوم صفحہ ۹۴)۔

[۲] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۔ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۹۹)۔

مکہ چھوڑنا پڑا، اور اُن کی جمعیت کو منتشر کرنے کی غرض سے روانہ ہونا پڑا، چنانچہ وہ حُنین کے مقام پر شکست کھا کر پسپا ہو گئے۔ (دیکھو سورۂ توبہ ۹۔ آیات ۲۶ تا ۲۸) بنی ثقیف[1] کے شہر طائف کا محاصرہ کر لیا گیا، مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔

باب سوم

جنگوں کی دفاعی حیثیت

آیات قرآنی جو جنگوں کی دفاعی حیثیت کی مؤید ہیں

۱۷۔ قریش کے ساتھ آنحضرت ؐ کی دفاعی جنگوں کا یہ مختصر سا خاکہ، بوجہ اتم اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ جو لوگ یہ دعوے کرتے ہیں کہ آنحضرت ؐ جنگ کی ابتدا کرنے والے، یا اپنی لڑائیوں میں انتقام لینے والے تھے، یا یہ کہ آپ نے لوگوں سے اپنا مذہب زبردستی قبول کرانے کے لئے جنگ کی تھی، اُن کی رائے سراسر غلط اور واقعات کے خلاف ہے۔

اب میں قرآن مجید کی بعض آیتیں نقل کرتا ہوں، جن سے ثابت ہے۔ کہ قریش کے ساتھ آنحضرت ؐ کی تمام جنگیں دفاعی تھیں :۔

۳۹۔ اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوْرٍ ٥ (الحج ۲۲۔ آیت ۳۹)	۳۹۔ ”جو لوگ ایمان لائے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کے دشمنوں کو اُن سے دفع کرتا ہے، درحقیقت اللہ تعالیٰ کسی دغاباز ناشکر سے محبت نہیں کرتا۔“ (الحج ۲۲۔ آیت ۳۹)
۴۰۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ	۴۰۔ ”جن مسلمانوں سے (کافر) جنگ کرتے ہیں اب اُن کو

[1] ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۰۳۔ ابن سعد جلد دوم صفحہ ۱۱۴۔

بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ ۝

(الحج ۲۲ - آیت ۴۰)

بھی جنگ کی اجازت دی جاتی ہے، اس لئے کہ اُن پر ظلم کیا گیا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اُن کی مدد کرنے پر قادر ہے"۔

(الحج ۲۲ - آیت ۴۰)

۴۱ - اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيْزٌ ۝

(الحج ۲۲ - آیت ۴۱)

۴۱ - "جو صرف اتنا کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے دفع نہ کرتا تو نصاریٰ کے صومعے اور گرجاگھر، اور (یہودیوں کے) معابد اور (مسلمانوں کی) مساجد جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے، کبھی کی مسمار ہو چکی تھیں، اور جو اللہ کی مدد کرے گا۔ اللہ بھی ضرور اس کی مدد کریگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست غالب ہے"۔

(الحج ۲۲ - آیت ۴۱)۔

۴۲ - اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝

(الحج ۲۲ - آیت ۴۲)

۴۲ "یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں اُن کو قدرت دیں تو وہ نماز پڑھیں گے، اور زکوٰۃ دیں گے، لوگوں کو اچھے کام کی تاکید کریں گے، اور بُرے کاموں سے منع کریں گے، اور تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے"۔

(الحج ۲۲ - آیت ۴۲)

۱۸۶ - وَ قَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝

۱۸۶ - "اور جو لوگ تم سے جنگ کریں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں تم بھی اُن سے جنگ کرو، اور زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا"۔ (البقرہ ۲ - آیت ۱۸۶)

۱۸۷- وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ج وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ج فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ط كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ٥

(البقرہ ۲- آیت ۱۸۷)

۱۸۷- "اور اُن کو (جو تم سے جنگ کرتے ہیں) جہاں پاؤ قتل کرو، اور جہاں سے اُنہوں نے تم کو نکالا ہے (یعنی مکّہ سے) تم بھی اُن کو وہاں سے نکال دو، اور فتنہ[۱] فساد اور ایذا رسانی خونریزی سے بڑھ کر ہے، اور مسجد حرام (خانہ کعبہ) کے پاس تم اُن (مشرکین مکّہ) سے جنگ نہ کرو جب تک کہ وہ خود تم سے وہاں جنگ نہ کریں، پس اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تم بھی اُن کو قتل کرو، ایسے کافروں کی یہی سزا ہے"۔

(البقرہ ۲- آیت ۱۸۷)-

۱۸۸- فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥

(البقرہ ۲- آیت ۱۸۸)

۱۸۸- "پھر اگر وہ باز آجائیں[۲] تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحیم ہے"۔

(البقرہ ۲- آیت ۱۸۸)-

۱۸۹- وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ

۱۸۹- "اور اُن سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ (فساد اور ایذا رسانی) باقی نہ رہے[۳] اور خدا کا حکم چلے (یعنی

---

[۱] لفظ فتنہ کا ابتدائی اور لغوی مفہوم "آگ سے جلا دینا ہے"، اس سے مراد ہے آزمائش یا امتحان اور تکلیف مصیبت یا سختی، بالخصوص وہ تکلیف جس سے کسی شخص کی آزمائش کی جائے یا اس کا امتحان کیا جائے یا اسکے کھوٹے یا کھرے ہونیکو ثابت کیا جائے۔ (دیکھو لین صاحب کا لغت عربی سے انگریزی یعنی مدالقاموس صفحہ ۲۳۵)

[۲] اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین تم کو ستانے سے باز آجائیں، تم کو تمہارے وطن (مکّہ) میں واپس آنے سے نہ روکیں، مسجد حرام (خانہ کعبہ) میں داخل ہونے سے منع نہ کریں، تم پر حملہ کرنے سے باز رہیں مذہب کی وجہ سے ظلم نہ کریں، اور مذہبی آزادی میں مخل نہ ہوں۔

[۳] یعنی جب تم پر مذہب کی وجہ سے ظلم و ستم موقوف ہو جائیں، اور مسجد حرام میں داخل ہونے پر تم سے کوئی تعرض نہ کیا جائے، اُس وقت تم آزادانہ اپنے مذہب کا اعلان اور اس کی تلقین کر سکو گے اور آزادی سے مذہبی فرائض کو ادا کر سکو گے۔

لِلّٰہِ ؕ فَاِنِ انْتَہَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۝

(البقرہ ۲ - آیت ۱۸۹)

۲۱۴- یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّہْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْہِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِیْہِ کَبِیْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَکُفْرٌۢ بِہٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ٭ وَاِخْرَاجُ اَہْلِہٖ مِنْہُ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰہِ ج وَالْفِتْنَۃُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَیَمُتْ وَہُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُہُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ج وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج ہُمْ فِیْہَا خٰلِدُوْنَ ۝

(البقرہ ۲ - آیت ۲۱۴)

۲۱۵- اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ہَاجَرُوْا وَجٰہَدُوْا

تم کو مذہبی آزادی مل جائے، پھر اگر وہ باز آجائیں (تو اُن پر کسی طرح کی زیادتی نہ کرو کیونکہ) زیادتی ظالموں کے سوا کسی پر جائز نہیں"۔ (البقرہ ۲- آیت ۱۸۹)۔

۲۱۴ "(اے پیغمبر!) تم سے ادب کے مہینے کی بابت یعنے اس میں جنگ کرنے (کے حکم) کی دریافت کرتے ہیں، تم کہہ دو کہ ایسے مہینے میں لڑنا بڑا گناہ ہے۔ مگر اللہ کی راہ سے روکنا، اور اللہ کو نہ ماننا، اور مسجد حرام (خانہ کعبہ) میں جانے سے روکنا، اور جو اُس کے اہل ہیں اُن کو اس میں سے نکال دینا اللہ تعہ کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور فتنہ (فساد اور ایذا رسانی) خوں ریزی سے بھی بڑھ کر ہے، یہ لوگ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر اُن سے ممکن ہو تو تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں، اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے برگشتہ ہو گا اور مر جائیگا، درانحالیکہ وہ کافر ہو، تو ایسے ہی لوگوں کے اعمال دُنیا اور آخرت میں بیکار ہو جائیں گے، یہی لوگ دوزخی ہیں اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے"۔

(البقرہ ۲ آیت ۲۱۴)۔

۲۱۵ "جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا، یہی لوگ اللہ تعہ کی رحمت

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

(البقرہ ۲ - آیت ۲۱۵)

۲۴۵ - وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝

(البقرہ ۲ - آیت ۲۴۵)

۲۴۷ - اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَ مَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝

(البقرہ ۲ - آیت ۲۴۷)

کے اُمیدوار ہیں۔ اور اللہ بخشنے والا اور رحیم ہے۔“

(البقرہ ۲ آیت ۲۱۵)

۲۴۵ ”اور اللہ کی راہ میں (ظالموں سے) لڑو اور جانو کہ اللہ تعالے سب کچھ سُننے والا اور جاننے والا ہے“۔

(البقرہ ۲ - آیت ۲۴۵)

۲۴۷ ”(اے پیغمبر!) کیا تم نے بنی اسرائیل کے سرداروں (کی حالت) پر نظر نہیں کی، جبکہ انہوں نے موسیٰ کے بعد اپنے نبی (سموئیل ع) سے کہا کہ ہمارے لئے آپ ایک بادشاہ تجویز کریں تو ہم اللہ تعالے کی راہ میں جہاد کریں، پیغمبر نے کہا اگر تم پر جہاد فرض کیا جائے تو تم سے بعید نہیں کہ تم نہ لڑو، انہوں نے کہا ہمارے لئے کونسی وجہ ہے کہ ہم جنگ نہ کریں، حالانکہ ہم اپنے گھر بار اور اپنے بال بچوں سے تو نکالے جا چکے، پھر جب اُن پر جہاد فرض کیا گیا تو بجز معدودے چند کے اُن میں سے سب پھر گئے، اور اللہ تعالے ظالموں (سرکشوں) کو خوب جانتا ہے“۔

(البقرہ ۲ آیت ۲۴۷)۔

۲۵۲۔ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَاۗءُ ۭ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (البقرہ ۲۔ آیت ۲۵۲)	۲۵۲ "پھر اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُن (دشمنوں) کو بھگا دیا اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا، اور اُن کو (داؤد کو) خدا نے سلطنت اور حکمت عطا فرمائی، اور جو (علم و ہنر) چاہا اُن کو سکھایا، اور اگر اللہ بعض لوگوں کے ذریعہ سے بعض کو ہٹاتا نہ رہے تو زمین (کا انتظام) خراب ہو جائے، مگر اللہ دُنیا کے لوگوں پر فضل و کرم کرنے والا ہے"۔ (البقرہ ۲۔ آیت ۲۵۲)
۷۶۔ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (النسآء ۴۔ آیت ۷۶)	۷۶۔ "پس جو لوگ عاقبت کے بدلے میں دُنیا کی زندگی دے ڈالتے ہیں اُن کو چاہیئے کہ راہ خدا میں لڑیں، اور جو شخص راہ خدا میں لڑے اور پھر مارا جائے، یا غالب ہو جائے، تو ہم عنقریب اُس کو بڑا اجر دیں گے"۔ (النسآء ۴۔ آیت ۷۶)
۷۷۔ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ	۷۷ "اور تم کو کیا ہوا کہ تم راہ خدا میں اور بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کے (بچانے کے) لئے (دشمنوں سے) نہیں لڑتے، جو یہ کہہ رہے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی (مکہ) سے نجات دے، جس کے باشندے ظلم کر رہے ہیں اور اپنے طرف سے کسی کو ہمارا سرپرست بنا، اور

لَدُنْکَ وَلِیًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا ۝

(النساء ۴ - آیت ۷۷)

اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا"۔

النساء ۴- آیت ۷۷)

۷۸ - اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ ج اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا ۝

(النساء ۴ - آیت ۷۸)

۷۸- "جو لوگ ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، اور جو منکر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔ پس تم (اے ایمان والو) شیطان کے حامیوں سے لڑو، درحقیقت شیطان کی تدبیر کم زور ہوتی ہے"۔

(النساء ۴ - آیت ۷۸)

۸۶ - فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ج لَا تُکَلَّفُ اِلَّا نَفْسَکَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ج عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّکُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَاللّٰہُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْکِیْلًا ۝

(النساء ۴ - آیت ۸۶)

۸۶- "پس تم (اے پیغمبر!) اللہ کی راہ میں لڑو۔ تم پر اپنے نفس کے سوا اور کسی کی تکلیف (ذمہ واری) نہیں ہے، اور مسلمانوں کو بھی ترغیب دو، اُمید ہے کہ اللہ کافروں کے زور کو روک دے، اور اللہ تعالیٰ کی سختی نہایت ہی قوی اور اُس کا عذاب نہایت ہی شدید ہے"۔

(النساء ۴ - آیت ۸۶)

۹۱ - وَدُّوْا لَوْ تَکْفُرُوْنَ کَمَا کَفَرُوْا فَتَکُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْھُمْ اَوْلِیَآءَ حَتّٰی یُھَاجِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ

۹۱- "یہ (منافق) اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہو گئے ہیں، کاش تم بھی اسی طرح کافر ہو جاؤ، اور تم سب برابر ہو جاؤ، تم اُن میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ۔ جب تک وہ خدا کی راہ میں ہجرت نہ کریں، پھر اگر (ہجرت سے منہ

وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝

(النساء ۴ - آیت ۹۱)

موڑیں تو اُن کو پکڑو، اور جہاں پاؤ قتل کرو، اور اُن میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ"۔ (النساء ۴ - آیت ۹۱)۔

۹۲ - اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝

(النساء ۴ - آیت ۹۲)

۹۲ - "مگر جو ایسی قوم سے مل گئے ہوں کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہے، یا تمہارے ساتھ لڑنے یا اپنی قوم جس کے ساتھ لڑنے سے دل تنگ ہو کر تمہارے پاس آئیں (اُن سے دوستی اور ربط و اتحاد رکھنے کا مضایقہ نہیں)، اگر خدا چاہتا تو اُن لوگوں کو تم پر مسلط (غالب) کر دیتا، تو وہ تم سے لڑتے، پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی کریں، اور تم سے نہ لڑیں، اور تمہاری طرف صلح کا پیغام ڈالیں تو اُن پر (تعدّی کرنیکی) اللہ نے تمہارے لئے کوئی راہ نہیں رکھی"۔ (النساء ۴ - آیت ۹۲)

۱۹ - اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(الانفال ۸ - آیت ۱۹)

۱۹ - "اگر تم (خدا سے) طالب فتح تھے (کہ جو حق پر ہو اُسکو فتح ہو) تو وہ فتح تمہارے پاس آگئی، (یعنے مسلمان غالب آئے) اور اگر (جنگ سے) باز رہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم پھر (ابتداء بجنگ) کرو گے تو ہم بھی پھر (دفاعی جنگ) کریں گے، اور تمہارا جتھا خواہ کیسا ہی زیادہ ہو، کچھ تمہارے کام نہیں آئیگا اور (یاد رکھو) اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے (الانفال ۸ - آیت ۱۹)

۳۹ - قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ

۳۹ - "(اے پیغمبر!) ان کافروں سے کہو کہ اگر وہ (فساد سے) باز آجائیں، تو جو (قصور) پہلے ہو چکے ہیں وہ معاف کر دئے جائیں گے، اور اگر پھر (فساد) کریں گے تو پہلے لوگوں کی روش

الاولین ٥

(الانفال ۸-آیت ۳۹)

۴۰- وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ ۚ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ٥

(الانفال ۸- آیت ۴۰)

۴۱- وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰكُمْ ۚ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيرُ ٥

(الانفال ۸- آیت ۴۱)

۷۳- وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ٥

(الانفال ۸-آیت ۷۳)

۷۴- وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ إِلَّا تَفْعَلُوهُ

پڑ چکی ہے، (وہی ان کا حال ہوگا)"

(الانفال ۸- آیت ۳۹)-

۴۰- "اور اُن (مفسدوں سے) یہاں تک لڑو کہ فساد نہ رہے اور خدا کا دین (حکم) پورا پورا چلے، (مسلمانوں کو پوری پوری مذہبی آزادی حاصل ہو جائے) پس اگر وہ (شر و فساد سے) باز آجائیں تو، جو کچھ وہ کریں گے اللہ اس کو دیکھ رہا ہے"

(الانفال ۸- آیت ۴۰)

۴۱- "اور اگر وہ مُنہ موڑیں تو جان لو کہ اللہ تعالےٰ تمہارا حامی ہے، وہ اچھا حامی اور اچھا مددگار ہے"-

(الانفال ۸- آیت ۴۱)-

۷۳- ..."اور جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے ہجرت نہیں کی، تم (مسلمانوں) کو اُن کی ولایت سے کچھ تعلّق نہیں، یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر دین (کے معاملہ) میں تم سے مدد مانگیں تو اُن کی مدد تم پر لازم ہے، مگر نہ اُس قوم کے مقابلہ میں کہ تم میں اور اُن میں عہد و پیمان ہو۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے"

(الانفال ۸- آیت ۷۳)

۷۴- "اور جو لوگ کافر ہیں ایک دوسرے کے ولی ہیں، اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ (شور و شر) ہوگا،

تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ۝ (الانفال ۸۔آیت ۷۳)	اور بڑا فساد (پھیل جائیگا)"۔ (الانفال ۸۔آیت ۷۳)۔

جب اہل مکّہ نے عہدنامہ حدیبیہ کو جس کا ذکر فقرہ سابقہ (۱۵) میں ہوچکا ہے توڑ ڈالا تو قریش اور بنی خزاعہ نے بنی خزاعہ پر حملہ کیا، جو آنحضرت ؐ کے ساتھ عہد و پیمان کر چکے تھے۔ پس بنی بکر کی امداد اور ظالموں کو سزا دینا آپ پر واجب[۱] و لازم ہو گیا آیات مندرجہ ذیل[۲] اسی موقع پر نازل ہوئی تھیں، مگر خوش قسمتی سے قبل از اختتام میعادِ معیّنہ، قریش مطیع ہو گئے، اور مکّہ بغیر خونریزی کے فتح ہو گیا، اور ان آیتوں کے احکام کی تعمیل نہیں ہوئی:۔

۱۔ بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (التوبہ ۹۔آیت ۱)	اے مشرکین میں سے جن کے ساتھ تم نے (صلح کا) عہد کیا تھا اور انہوں نے اس عہد کو توڑ دیا ہے، جیساکہ اسی سورہ کی آیات ۴-۸-۱۰ کے ساتھ مقابلہ کرنے سے ظاہر ہے) اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے اب اُن کو صاف جواب ہے (التوبہ ۹ آیت ۱)
۲۔ فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ لا وَأَنَّ اللَّهَ	۲۔ "پس تم (اے مشرکو!) چار مہینے ملک میں چلو پھرو اور یہ جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور اللہ کافروں کو (دنیا میں) ذلیل و خوار کرنے والا ہے۔

[۱] (یعقوبی جلد دوم صفحہ ۵۸ مطبوعہ یورپ)۔

[۲] اس کے بعد مصنّف نے سورہ نہم (توبہ) کی پندرہ آیتوں کا ترجمہ لکھا ہے، چودہ آیتیں تو شروع سے مسلسل ہیں، اور ایک چھتیسویں آیت ہے۔ میں نے حسب دستور قرآن مجید سے اصل آیات نکال کر معہ ترجمہ اُردو درج کی ہیں، ان آیتوں سے بھی مشرکین کی زیادتی اور بدعہدی اور دغابازی صاف ظاہر ہے، خصوصاً جبکہ اُن واقعات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جن کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے، اور چونکہ کفارِ قریش اپنی سرکشی سے باز آ گئے تھے، اس لئے کسی قسم کی خونریزی کی نوبت نہیں آئی۔ غرضکہ یہ آیتیں بھی جنگ دفاعی کی موید ہیں۔ (مترجم)

مُخۡزِی الۡکٰفِرِیۡنَ ○ (التوبہ ۹ آیت ۲)	(التوبہ ۹۔ آیت ۲)

(یعنے شوال سے شروع کر کے چار متبرک مہینے۔ قریش نے ماہ رمضان میں عہد شکنی کی تھی، یعنے متبرک مہینوں سے ٹھیک ایک مہینہ پہلے۔ یہاں اس امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ تعدّی کرنے والوں کو جنہوں نے عہد نامہ حدیبیہ کو توڑا تھا شرائط صلح طے کرنے کے لئے چار ماہ کی مہلت ہے۔ اس مدّت کے منقضی ہونے کے بعد جیساکہ پانچویں آیت سے ظاہر ہے، مسلمان اپنے مددگاروں یعنے **بنی خزاعہ** کی حمایت میں جنگ شروع کریں گے) +

۳۔ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖۤ اِلَی النَّاسِ یَوۡمَ الۡحَجِّ الۡاَکۡبَرِ اَنَّ اللّٰہَ بَرِیۡٓءٌ مِّنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۙ۬ وَرَسُوۡلُہٗ ؕ فَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ۚ وَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّکُمۡ غَیۡرُ مُعۡجِزِی اللّٰہِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ○ (التوبہ ۹۔ آیت ۳)۔	۳۔ ''اور حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری (دست بردار) ہیں، پس (اے مشرکو!) اگر تم توبہ کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور اگر برگشتہ رہو تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور (اے پیغمبر!) کافروں کو عذاب دردناک کی خوشخبری سناؤ''۔ . . . . (التوبہ ۹۔ آیت ۳)
۴۔ اِلَّا الَّذِیۡنَ عٰہَدۡتُّمۡ مِّنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ثُمَّ لَمۡ یَنۡقُصُوۡکُمۡ شَیۡئًا وَّلَمۡ یُظَاہِرُوۡا عَلَیۡکُمۡ اَحَدًا فَاَتِمُّوۡۤا اِلَیۡہِمۡ عَہۡدَہُمۡ اِلٰی مُدَّتِہِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُتَّقِیۡنَ ○ (التوبہ ۹ آیت ۴)	۴۔ ''مگر مشرکین میں سے جن لوگوں کے ساتھ تم نے عہد و پیمان کر رکھا تھا، پھر انہوں نے (ایفائے عہد میں) تمہارے ساتھ کچھ کمی نہیں کی، اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی، (وہ مستثنےٰ ہیں) پس اُن کے ساتھ جو عہد ہے اُسے مدّت معینہ تک پورا کرو، اللہ اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو (بدعہدی سے) بچتے ہیں''۔ (التوبہ ۹۔ آیت ۴)

۵۔ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝	۵۔ "پھر جب ادب کے مہینے[1] گزر جائیں، تو اُن مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو، اور اُن کو گرفتار کرو، اور اُن کا محاصرہ کرو، اور ہر گھات کی جگہ اُن کی تاک میں بیٹھو،[2] پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو اُن کا رستہ چھوڑ دو۔ کیونکہ اللہ بخشنے والا اور رحیم ہے[3]"
	. . . .
(التوبہ ۹۔ آیت ۵)	(التوبہ ۹۔ آیت ۵)
۶۔ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝	۶۔ "اور اگر مشرکوں میں سے کوئی شخص تم سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ خدا کا کلام سُنے، پھر اُس کو اُس کی امن کی جگہ پہنچا دو، یہ بات اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ (اسلام کی حقیقت کو) نہیں جانتے ہیں۔"
(التوبہ ۹۔ آیت ۶)	(التوبہ ۹۔ آیت ۶)
۷۔ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ	۷۔ "اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک

[1] شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ، اور محرم، یہ چاروں مہینے اشہر الحرم (ادب کے مہینے) کہلاتے ہیں، شوال عربی سال کا دسواں مہینہ ہے، ذیقعدہ گیارھواں، ذی الحجہ بارھواں، اور محرم پہلا ہے۔

[2] یعنے یہ سلوک اُن مشرکین کے ساتھ کیا جائے جنہوں نے صُلح حدیبیہ کو توڑا ہے۔ آیت ۴ و ۵ و ۱۲ کو بالمقابل پڑھو۔

[3] اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مُشرکین کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے پر مجبور کیا جاوے، یا بالفاظ دیگر اُن کو زبردستی مسلمان بنالیا جائے، قرآن مجید کا سیاق اور اُس کا عام مفہوم ایسے معنے کی اجازت نہیں دیتا چنانچہ اسی آیت سے، اگلی آیت صاف طور پر مذہبی آزادی کی تاکید کرتی ہے۔

عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○ (التوبہ ۹ - آیت ۷)	مشرکین کا عہد کیونکر معتبر ہو سکتا ہے، مگر جن لوگوں کے ساتھ مسجد حرام (خانہ کعبہ) کے نزدیک تم نے (صلح حدیبیہ میں) عہدو پیمان کیا تھا تو جب تک وہ لوگ تم سے سیدھے رہیں (عہد پر قائم رہیں) تم بھی اُن سے سیدھے رہو، اللہ اُن لوگوں کو جو (بدعہدی سے) بچتے ہیں، دوست رکھتا ہے[1]۔ (التوبہ ۹ - آیت ۷)۔
۸- كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ○ (التوبہ ۹ - آیت ۸)	۸- "(اُن کا عہد) کیونکر (معتبر ہو سکتا ہے) حالانکہ اگر وہ تم پر غالب ہو جائیں تو تمہارے بارہ میں نہ قرابت کا لحاظ رکھیں اور نہ عہدو پیمان کا، اپنی زبانی باتوں سے تم کو خوش کرتے ہیں، اور اُن کے دل انکار کرتے ہیں۔ اور اُن میں سے اکثر فاسق ہیں۔" (التوبہ ۹ - آیت ۸)
۹- اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (التوبہ ۹ - آیت ۹)	۹- "اُنہوں نے اللہ کی آیتوں کے بدلے میں تھوڑا سا نفع حاصل کر لیا، پھر (لوگوں کو) خدا کی راہ سے روکنے لگے، جو کام وہ کرتے تھے وہ کیا ہی بُرے ہیں۔" (التوبہ ۹ - آیت ۹-)
۱۰- لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ (التوبہ ۹ - آیۃ ۱۰)	۱۰- "کسی مومن کے بارہ میں نہ تو قرابت کا لحاظ رکھتے ہیں اور نہ عہدو پیمان کا، اور وہ لوگ زیادتی کرنے والے ہیں۔" (التوبہ ۹ - آیت ۱۰)

[1] بنی کنانہ اور بنی ضمرہ نے صلح حدیبیہ کو نہیں توڑا تھا، مگر قریش اور بنی بکر نے توڑ دیا تھا۔

۱۱۔ فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخۡوَانُکُمۡ فِی الدِّیۡنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ○ (التوبہ ۹۔ آیت ۱۱)	۱۱" پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز پڑھیں، اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں، اور جو لوگ سمجھتے ہیں اُن کے لئے ہم اپنی آیتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں[۱]"۔ (التوبہ ۹۔ آیت ۱۱)۔
۱۲۔ وَاِنۡ نَّکَثُوۡۤا اَیۡمَانَہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ عَہۡدِہِمۡ وَطَعَنُوۡا فِیۡ دِیۡنِکُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا اَئِمَّۃَ الۡکُفۡرِ ۙ اِنَّہُمۡ لَاۤ اَیۡمَانَ لَہُمۡ لَعَلَّہُمۡ یَنۡتَہُوۡنَ ○ (التوبہ ۹۔ آیت ۱۲)	۱۲۔" اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو اُن کفر کے پیشواؤں کے ساتھ لڑو تاکہ وہ باز آئیں، کیونکہ اُن کی قسمیں بھی قابل اعتماد نہیں ہیں"۔ (التوبہ ۹۔ آیت ۱۲)
۱۳۔ اَلَا تُقَاتِلُوۡنَ قَوۡمًا نَّکَثُوۡۤا اَیۡمَانَہُمۡ وَہَمُّوۡا بِاِخۡرَاجِ الرَّسُوۡلِ وَہُمۡ بَدَءُوۡکُمۡ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ؕ اَتَخۡشَوۡنَہُمۡ ۚ فَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡہُ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ○ (التوبہ ۹۔ آیت ۱۳)	۱۳" تم اُن لوگوں سے کیوں نہ لڑو، جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا، اور رسول کے نکال دینے کا ارادہ کیا، اور تم سے (جنگ کی) ابتدا اُنہوں نے ہی کی، کیا تم اُن سے ڈرتے ہو، پس اگر تم ایمان رکھتے ہو تو خدا زیادہ تر حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو"۔ (التوبہ ۹۔ آیت ۱۳)

[۱] اس آیت کا مفہوم پانچویں آیت کے مطابق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس اثنا میں وہ لوگ مسلمان ہو جائیں تو اُن کے ساتھ مثل برادران اسلامی کے سلوک کرنا چاہیئے۔ مگر یہ مُراد نہیں ہو سکتی کہ مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے کا خالص مقصد اُن کو مسلمان بنانا تھا، اس قسم کی تعبیر قرآن مجید کے عام طرز بیان (سیاق) کے بالکل منافی ہے۔

۱۴۔ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (التوبہ ۹۔ آیت ۱۴)	۱۴۔ "اُن لوگوں سے لڑو، خدا تمہارے ہاتھوں اُنکو سزا دیگا، اور اُن کو رسوا کرے گا، اور تم کو اُن پر فتح دے گا، اور مومنوں کے گروہ کے سینوں کو ٹھنڈا کرے گا" (التوبہ ۹۔ آیت ۱۴)
۳۶۔ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (التوبہ ۹۔ آیت ۳۶)	۳۶۔ "اور تم سب مسلمان، مشرکوں سے لڑو جس طرح وہ سب تم سے لڑتے ہیں، اور جان لو کہ اللہ (ظلم سے) بچنے والوں کے ساتھ ہے" (التوبہ ۹۔ آیت ۳۶)

• ۱۸۔ یہاں مجھے اس امر کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے کہ ان آیات وواقعات مذکورہ بالا سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ یعنی یہ کہ قریش کے ساتھ آنحضرتؐ کی جنگیں محض دفاعی تھیں، قریش ہی حملہ آور اور جنگ کی ابتدا کرنے والے تھے، اور آنحضرتؐ اُن کے برخلاف ہتھیار اُٹھانے میں بالکل حق بجانب تھے۔

(حاشیہ: آیات مذکورہ بالا سے کیا ثابت ہوتا ہے؟)

مسٹر ایڈورڈ گبن[۱] لکھتے ہیں:-

"قدرتی یعنے تمدن کی ابتدائی حالت میں ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ بزورِ اسلحہ
"اپنی جان اور مال کی حفاظت کرے، اپنے دشمنوں کے تشدد کو دفع کرے، یا بطور انتقام
"کے اُن کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے، اور اپنی مخالفت کو اطمینان اور انتقام کی ایک
"معقول حد تک وسعت دے۔ عرب کے آزاد تمدن میں رعایا اور صاحب اقتدار قبائل
"کے فرائض میں کچھ یوں ہی سا فرق تھا، اور اس حالت میں جبکہ آنحضرتؐ ایک صلح جو اور

[۱] تاریخ زوال سلطنت روم از ایڈورڈ گبن، جلد ششم صفحہ ۲۴۵۔

"بےضرر اندیش تبلیغ کر رہے تھے، آپ اپنے ہموطنوں کی ناانصافی کا شکار ہو کر جلا وطن کیئے گئے"

فقرات سابقہ میں کامل طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کو مکّہ میں جان و مال کی حفاظت یا امن و امان حاصل نہ تھا، اور اگرچہ وہ قوم کے بے ضرر اور صلح پسند رکن تھے تاہم مذہبی آزادی سے محروم کیئے گئے۔ علاوہ برایں جلا وطن کیئے گئے، وہ اپنے بال بچّوں اور مال و متاع کو اپنی موذی قوم کے قبضہ میں چھوڑ کر نکل گئے۔ اُن کو مکّہ واپس آنے سے روکا گیا، اُن کو مقدّس مسجد (خانہ کعبہ) میں داخل ہونے کی ممانعت کی گئی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قریش مکّہ نے مدینہ پر فوج کشی کر کے اُن پر حملہ کیا۔

مسلمانوں کا اپنے حملہ آوروں کے مقابلہ میں ہتھیار اُٹھانا حق بجانب تھا۔

۱۹- قریش کا ابتدائی مسلمانوں کو ایذا دینا مذہب کی بنا پر تھا۔ وہ لوگوں کو اپنا آبائی مذہب ترک کرنے اور اسلام قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اسلام کی تبلیغ اُن پر ایسی گراں اور شاق تھی کہ اُنہوں نے بعض لوگوں کو جو نئے دین کے ماننے والے تھے، اس کے ترک کرنے اور قدیم بُت پرستی کی طرف رجوع کرنے کے لئے شکنجہ عقوبت میں دبایا۔" اپنے بھائیوں کی جان، اُن کا مال، اُن کی آزادی یا اُن کے کسی حق کو محض اس بنا پر تلف کرنا کہ وہ اپنے خالق کی اُس طرح عبادت کرتے ہیں جس طرح اُن کے عقیدہ کے موافق کرنی لازم ہے۔ اور جبکہ اُن کے اس عمل سے نوع انسان یا اس کے کسی فرد کو کوئی مادّی نقصان نہ پہنچتا ہو، ایسا برتاؤ انصاف اور انسانیت کے بالکل منافی ہے، کیونکہ یہ تو اُن لوگوں کو سزا دینا ہوا جنہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، اور رحم کی حالت، اگر وہ غلطی پر ہوں صرف قابل رحم ہے[۱۵]" ابتدائی مسلمانوں کو اہل مکّہ کے ظلم اور ایذا رسانی کا انتقام لینے، بزور اسلحہ اپنی اصلی حالت کو قائم کرنے

[۱۵] آرچ بشپ سیکر کی تصانیف حصہ سوم صفحہ ۱۷۲۔

اپنی مذہبی آزادی کا حظ اُٹھانے، اور اپنے مذہب کو آزادی سے عمل میں لانے کا ہر ایک قومی حق حاصل تھا۔[۱]

۲۰۔ بعض یورپین مورّخ جنہوں نے آنحضرتؐ کا تذکرہ لکھا ہے، یہ کہتے ہیں کہ :-

ہجرت کے بعد جنگ کی ابتداء آنحضرتؐ کی طرف سے نہیں ہوئی

"ہجرت کے بعد جنگ کی پہلی چھیڑ چھاڑ صرف آنحضرتؐ اور "آپ کے پیروؤں کی طرف سے ہوئی تھی۔ جب مسلمان اہل مکّہ کے متعدد قافلوں کو تاخت "وتاراج کر چکے، اور اس طرح خونریزی ہو چکی، تب جا کر اہل مکّہ کو مدافعت کے لئے مجبوراً "ہتھیار اُٹھانے پڑے"۔[۲]

یہ بات صحیح نہیں ہے۔ حملہ کرنے والے، اول اول قریش تھے، جو مُسلمانوں کی ایذا رسانی کے لئے آگے بڑھے چلے آئے، اور جس شہر میں آنحضرتؐ اور آپ کے پیروؤں نے پناہ لی تھی، اُنہوں نے اُس پر حملہ کیا، جیسا کہ پہلے ثابت ہو چکا ہے۔ اگر بالفرض ہجرت کے بعد، مسلمان ہی جنگ میں پیش قدمی کرنے والے ہوں، تو (مکّہ کی سابقہ تکالیف اور مظالم سے قطع نظر کر کے) مظلوم مسلمانوں کا ہجرت کر جانا۔ اور جلا وطن ہو جانا، جو اپنی اخلاق اور مذہبی آزادی کی، اور مزید ظلم و ستم سے اپنی اور اپنے اقارب کی حفاظت چاہتے تھے، اُن کے لئے جنگ شروع کرنے کی کیا کافی وجہ نہ تھی؟

سر ولیم میور تسلیم کرتے ہیں کہ "مسلمانوں کے مکّہ سے نکالے جانے کی وجہ سے اُن کی جنگیں بجا اور حق بجانب تھیں"۔[۳]

میجر وانز کینیڈی کہتے ہیں :-

---

[۱] رسائل اخوان الصفا صفحہ ۵۹، مطبوعہ یورپ ۱۸۸۶ء۔ [۲] سر ولیم میور جلد دوم صفحہ ۲۶۵ -

[۳] سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۹۷ -

"یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان جنگوں میں محمد (صلعم) نے ہجرت کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مکّہ
"کے قافلوں کی مزاحمت کا اقدام کرنے میں پیش قدمی کی تھی۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں
"کہ جنگ کی سب سے پہلی ابتدا، قریش کی وہ سازش تھی جو اُنہوں نے آنحضرتؐ کے قتل
"کے لئے کی تھی۔ اور جبکہ آنحضرتؐ اپنی جان بچانے کے لئے مکّہ سے نکلے، اور خود
"آپ اور آپ کے پیرو اپنے مال و متاع سے محروم کیئے گئے، اور یہاں تک مجبور
"ہوئے کہ اُن کی معاش کا دار و مدار اہل مدینہ کی مہماں نوازی پر رہ گیا، اُس وقت
"معقول طور پر اس امر کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اپنے دشمنوں کے قافلوں کو
"بغیر ستائے گزر جانے دیں[1]"

۲۱- اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ ہجرت کے بعد آنحضرتؐ نے قریش کے

قافلوں کی ادّعائی مزاحمت کے واقعات کی تنقیح

قافلوں کی مزاحمت کر کے اُن کے برخلاف از سرِ نو لڑائیاں شروع کیں۔ یہ ادّعائی مثالیں، جن میں بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانانِ مدینہ نے قافلوں کو لُوٹا تھا، ان کی تصدیق مُعتبر اور مُستند روایات سے نہیں ہوتی۔ بلکہ ایسی **اندرونی شہادتیں** بھی موجود ہیں، جن سے ان امور کا خلاف قیاس ہونا ثابت ہے۔ اہل مدینہ نے صرف اس بات کا عہد و پیمان کیا تھا کہ پیغمبر (صلعم) کو دشمنوں کے حملہ سے بچائیں گے، اور قریش کے برخلاف خود کسی جنگ کی ابتدا نہیں کریں گے[2]۔ لہذا یہ بات ناممکن معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس امر کے روادار ہوئے ہیں کہ

[1] میجر وانز کینیڈی کے "خیالات محمدؐ کی خصلت پر" (جو والٹیر کی کتاب ٹریجڈی اوف محمد سے پیدا ہوئے)۔ دیکھو بمبئی لٹریری سوسائٹی کے معاملات بابت ۱۸۲۱ء جلد سوم صفحہ ۴۷۵ طبع ثانی مطبوعہ بمبئی ۱۸۷۷ء۔

[2] "محمد (صلعم) نے مدینہ کے نئے مسلمانوں کو قریش کے مقابلہ میں کسی جنگی مہم پر اس وقت تک نہیں بھیجا، جب تک کہ قریش نے بمقام بدر آپ سے جنگ شروع نہیں کی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل مدینہ نے یہ قول و قرار کیا تھا کہ ہم آنحضرتؐ کی حمایت و حفاظت صرف اپنے گھروں (وطن) ہی میں کرینگے" (میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۹۴ کا نوٹ)۔

آنحضرت ؐ قریش کے برخلاف حملہ کی ابتدا کریں۔[1]

۲۲۔ یہ دعوے کہ حضرت **حمزہ** اور حضرت ابو عبیدہ نے قریش کے قافلوں کے تعاقب میں ان پر چڑھائی کی، مگر وہ بچ نکلے، فی نفسہ قرین قیاس نہیں ہے۔ آنحضرت ؐ ایک ایسے قافلہ کے لوٹنے کے لئے، جس کی حفاظت کے لئے ذو تلو، تین سو ۳۰۰ مسلح آدمی ہوں پچاس ۵۰ ساٹھ ۶۰ اشخاص کو نہیں بھیج سکتے تھے۔[2]

حضرت حمزہ اور حضرت ابو عبیدہ کی مہمیں

۲۳۔ **ابواء، بواطہ اور عشیرہ** کے غزوات، جن کی بابت یہ دعوے کیا جاتا ہے کہ مکّہ کے قافلوں کی مزاحمت کرنے کے لئے خود آنحضرت ؐ کی سرکردگی میں پیش آئے، اور جن میں کامیابی نہیں ہوئی، سراسر بے بنیاد ہیں۔ اگر آنحضرت ؐ نے **ابواء** اور **عشیرہ** کی طرف قصد کیا بھی ہو تو اس کا مقصد **بنی ضمرہ**[3] اور **بنی مُدلج** کے ساتھ دوستانہ عہد و پیمان کرنا تھا، اور آپ کے تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ واقعی آپ نے ایسا ہی کیا تھا۔

ابواء، بواطہ اور عشیرہ کے غزوات

۲۴۔ یہ امر جو روایتوں میں مذکور ہے کہ ایک مہم تاخت و تاراج کی غرض سے بمقام **نخلہ** روانہ کی گئی تھی، اختلاف سے مملو اور بالکل متناقض اور ناقابل اعتبار ہے۔ جس آیت کی بابت تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ وہ اس موقع پر نازل

واقعہ نخلہ

---

[1] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۸۔ بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۵۹۔ واقدی صفحہ ۴۴ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۶ء۔

[2] ابن سعد نے (۳۰) اشخاص کی تعداد لکھی ہے۔ جلد ۲ صفحہ ۲۔

[3] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۳ + یہ شرائط صرف عام الفاظ میں بیان کی گئی ہیں، یعنے کوئی فریق دوسرے فریق سے جنگ نہیں کرے گا، اور نہ اس کے دشمنوں کی مدد کرے گا۔ ڈاکٹر وِیل نے جو ترجمہ نقل کیا ہے اور جس کی بنا پر بنی ضمرہ اس امر کے پابند تھے کہ دین کے لئے لڑیں وغیرہ، صراحتاً فرضی اور جعلی ہے۔ ابن سعد نے اپنی کتاب کے عہد ناموں کے باب میں یہ بات بیان نہیں کی"۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۳ ملاحظہ ہو۔ (میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۶۷ کا نوٹ)۔

ہوئی تھی (یعنے سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۲۱۴) اور جس کو میں اُوپر نقل کر چکا ہوں (دیکھو فقرہ ۱۷) اُسی آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اول اہل مکّہ نے مسلمانوں سے جنگ کی تھی اور یہ امر اُن یُورپین تذکرہ نویسوں کے قیاس کا مخالف ہے، جو اُس لڑائی کو آنحضرتؐ کی طرف سے ابتدائی حملہ قرار دیتے ہیں۔ یہ اغلب ہے کہ آنحضرتؐ نے قریش کی حالت اور نقل و حرکت کی خبر لانے کے لئے، تقریباً چھ یا آٹھ جاسوس بھیجے ہوں، جن کی روش آنحضرتؐ کے ساتھ جب سے آپ ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تھے، روز بروز زیادہ تر مخالفانہ ہوتی جاتی تھی۔ چونکہ قریش کے لئے ملک شام تک تجارت کا باقاعدہ اور بے روک ٹوک رستہ موجود تھا، لہٰذا یہ بات بالکل معقول تھی کہ آپ حفظ ماتقدم کی کارروائی اختیار کریں اور ہمیشہ غنیم کی طرف سے ہوشیار و خبردار رہیں۔ ابن اسحاق[1]۔ ابن ہشام[2] (صفحہ ۴۲۴) طبری[3] (جلد دوم صفحہ ۴۲۲) ابن اثیر[4] (کتاب کامل جلد دوم صفحہ ۸۷ میں) حلبی[5] (انسان العیون جلد سوم صفحہ ۳۱۸ میں) یہ پانچوں تذکرہ نویس بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے عبداللہ بن جحش کو تحریری ہدایات دی تھیں جن کا مضمون یہ تھا کہ "اُن کے معاملات کی خبر میرے پاس لاؤ"۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے عبداللہ کے اُس فعل سے جو بمقام نخلہ وقوع میں آیا، ناراض ہو کر فرمایا "میں نے تجھ کو متبرک مہینے میں جنگ کرنے کا حکم ہرگز نہیں دیا تھا۔ تذکرہ نویسوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے مقتول عمرو بن الحضرمی کا خونبہا (دیت) بھی ادا کیا تھا[1]۔

۲۵۔ آنحضرتؐ کے بعض یوروپین تذکرہ نویس یہ دعوے کرتے ہیں کہ جنگ بدر کی ابتدا خود آنحضرتؐ کی طرف سے ہوئی تھی۔ جب قریش آنحضرتؐ پر حملہ کرنے کے لئے بدر تک بڑھے چلے

> بدر میں محمد (صلعم) صرف مدافعت کے لئے آئے تھے

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۴۲۵۔

آئے جو مدینہ سے تین منزل ہے، تو اُن کی کثیر التعداد فوج کے مقابلہ میں آنحضرت صلعم اپنی حفاظت کی غرض سے روانہ ہوئے (اصل واقعہ تو یہی ہے) مگر مؤرخینِ مذکور آنحضرت صلعم کے اس فعل کو بجا و منصفانہ قرار دینے میں پس و پیش کرتے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ ادّعا کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے اُن قافلوں پر حملہ کرنے کا قصد کیا تھا جو آپ کے جانی دشمن **ابوسفیان** کی سرکردگی میں شام سے واپس آئے تھے، اس لئے آپ اسّی مہاجرین اور دوسو پچیس (۲۲۵) باشندگان مدینہ (انصار) کو ہمراہ لے کر کُوچ کے لئے روانہ ہوئے، اور قافلہ کے لوٹنے کے لئے بمقام **صفراء** مقام کیا۔ **ابوسفیان** نے آپ کے عزم سے خبردار ہوکر کسی شخص (ضمضم بن عمر غفاری) کو کُمک طلب کرنے کے لئے مکّہ روانہ کیا[۱]۔ قریش نے ساڑھے نوسو (۹۵۰) قوی آدمیوں کی فوج کے ساتھ قافلہ کے چھڑانے کے لئے کُوچ کیا۔ اس اثنا میں قافلہ بلامزاحمت گزر گیا، مگر قریش نے اس بارہ میں پنچایت کی کہ اب واپس لوٹ جائیں یا جنگ کریں برخلاف اس کے تذکرہ نویس یوں بیان کرتے ہیں کہ قریش میں باہم یہ بحث پیش ہوئی کہ جس مقصد سے ہم روانہ ہوئے تھے وہ تو حاصل ہوگیا اب فوج کو فوراً لوٹ جانا چاہیئے۔ بعض اشخاص نے یہ استدعا کی کہ فوج کو آگے بڑھنا چاہیئے۔ دو قبیلے[۲] یعنے (الاخنس و بنی زہرہ) مکّہ کو واپس چلے گئے اور باقیماندہ قبائل نے آگے کی طرف کوچ کیا، مگر یہ قول معقول نہیں ہے کہ آنحضرت صلعم قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ اگر ایسا قصد ہوتا تو اہل مدینہ جنھوں نے آنحضرت صلعم کو صرف شخصی حملہ[۳] سے بچانے

---

[۱] ابن ہشام صفحہ ۴۲۸۔

[۲] ابن ہشام صفحہ ۴۳۸ مطبوعہ یورپ ۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۸ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء۔

[۳] ابن ہشام صفحہ ۴۳۴ ۔ عیون الاثر صفحہ ۲۶۳ نسخہ قلمی نایاب مخزونہ کتب خانہ آصفیہ ۔ بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۵۸ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۸ء ۔ زرقانی جلد اول صفحہ ۴۹۸ ۔ واقدی صفحہ ۴۴ ۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۶ء۔

کا عہد و پیمان کیا تھا، آپ کے ساتھ نہ ہوتے۔ انصار یعنے باشندگان مدینہ کی کثیر تعداد کا موجود ہونا، جن کی تعداد بہ نسبت مہاجرین کے دوچند سے بھی زیادہ (سہ چند) کے قریب تھی، اس امر کا قوی **ثبوت** ہے کہ وہ صرف **مدافعت** کی غرض سے نکلے تھے۔

آنحضرت ؐ قریش مکّہ کی فوج کے بڑھے چلے آنے کی خبر پاکر اُس کے روکنے کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے، اور بمقام بدر، جو مدینہ سے تین دن کی راہ ہے، اُس فوج کا مقابلہ کیا۔ ۱۷ ماہ رمضان (مطابق ۱۳ جنوری ۶۲۳ء) کو بدر کے مقام پر فریقین میں مُٹ بھیڑ ہوئی۔ قریش مکّہ ۸ ماہ رمضان (مطابق ۴ جنوری کو مکّہ سے روانہ ہوئے اور آنحضرت (صلعم) صرف ۱۲ ماہ رمضان (مطابق ۸ جنوری کو) یعنے جبکہ مکّی فوج آپ پر حملہ کرنے کے لئے درحقیقت کُوچ کرچکی تھی، اُس سے تقریباً چار روز بعد روانہ ہوئے۔ بالفرض **ابوسفیان** کو مدینہ سے اپنے قافلہ پر حملہ کا اندیشہ تھا، اور اس کے پاس اس کی کوئی وجہ تھی، اور اس نے مکّہ سے کمک طلب کی تھی، تاہم جب غرض سے قریش کی فوج مکّہ سے چل کر آئی تھی، جب وہ غرض پُوری ہوگئی، یعنی قافلہ بلامزاحمت گزر گیا، تو اس کو اُلٹے پاؤں لوٹ جانا چاہیئے تھا۔ یہ امر کہ جب قُریش ایک بڑی فوج کے ساتھ مکّہ سے روانہ ہوکر مدینہ کی طرف بڑھ چکے تھے، اُس سے چار روز کے بعد آنحضرت ؐ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آپکی تائید میں ایک قوی ثبوت ہے۔

ہجرت کے بعد اگر آنحضرت صلعم کی طرف سے جنگ میں سبقت ہوئی بھی ہو، تو اُس کو انتقام سمجھنا مقتضائے انصاف ہے

۲۶۔ اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ ہجرت کے بعد محض مُسلمانوں ہی کی طرف سے جنگ میں سبقت کی گئی تھی، اور اُنھوں نے قریش کے متعدد قافلوں کو تاخت و تاراج کر کے خونریزی کی تھی تاہم آنحضرت ؐ پر اُس کا الزام عائد کرنا ناواجب ہوگا اگر ایسے حملے کئے جاتے تو وہ ازراہ انصاف اس بدسلوکی کا **انتقام** سمجھے جاسکتے تھے جو مکّہ سے ہجرت کرنے کے قبل مسلمانوں کے

ساتھ کی گئی تھی۔

"عام جنگ، مُسلح مخالفت کی اُس حالت کا نام ہے جو حُکمران قوموں یا سلطنتوں کے درمیان
"ہوتی ہے مُتمدّن زندگی کی ضروری شرط اور اُس کا ایک قانون یہ ہے کہ لوگ ایسی
"جماعتوں میں مل جل کر رہیں جو پولٹیکل حیثیت سے باہم مُنسلک اور ایک ضابطہ میں منضبط
"ہو کر کنفسٍ واحدۃٍ ہو گئے ہوں، انہی جماعتوں کو سلطنتوں یا قوموں کے نام
"سے موسوم کرتے ہیں، اور اُن کے افراد جنگ اور امن کی حالت میں ایک دوسرے
"کے شریک رنج و راحت ہوتے، اور ایک ساتھ ہی ترقی اور تنزّل کرتے ہیں پس دُشمن
"کے مُلک کا رہنے والا آدمی، اس اعتبار سے کہ وہ دشمن کی سلطنت یا قوم کا ایک
"فرد ہے، دشمن ہی ہے، اور اس حیثیت سے اُس کو جنگ کی مصیبتیں جھیلنی لازم ہیں[1]"

نہایت ہی قدیم زمانہ کا قانون جو قریب قریب عالمگیر تھا اور وحشی قوموں میں اب بھی جاری ہے، یہ تھا کہ دشمن کے ملک کا پرائیویٹ آدمی بھی (جو جنگ سے سروکار نہ رکھتا ہو) اس تکلیف کا سزاوار ہے کہ اُس کو آزادی، حفاظت، اور ہر قسم کی قرابت کے حقوق سے محروم کیا جائے۔ مگر آنحضرت ؐ نے دشمن کے ملک کے بے آزار باشندوں یا پرائیویٹ افراد کی (جو شخصی حیثیت رکھتے تھے) حفاظت کی۔ آپ نے اُن لوگوں کی بھی جان بچائی جو درحقیقت بدر میں آپ سے لڑنے آئے تھے، مگر اپنے اس فعل سے کارہ (ناخوش) تھے۔ آنحضرت ؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ قریش کی فوج کے متعدد آدمیوں کو امان دی جائے۔ **ابوالبختری، زمعہ، حارث ابن عامر عباسؓ**، اور دیگر بنی ہاشم اُن لوگوں میں سے تھے جن کے نام لئے گئے تھے[2]۔

---

[1] پولٹیکل سائنس کے مضامین از فرانسس لیبر۔ ایل۔ایل۔ڈی، دیکھو صاحب موصوف کی متفرق تحریرات کی جلد دوم صفحہ ۲۵۱۔ مطبوعہ لندن ۱۸۸۱ء۔

[2] ابن ہشام صفحہ ۴۴۶۔

باب چہارم

یہود

۲۷- آنحضرت صلعم نے مدینہ پہنچتے ہی اوّل یہودیوں سے صلح کا معاہدہ کیا[1]، جس سے اُن کی مذہبی آزادی اور اُن کے مال و متاع اور حقوق کی نگہداشت کی ذمّہ داری کی گئی۔ معاہدہ میں یہ شرط قرار پائی تھی کہ اگر کسی فریق پر حملہ کیا جائے، تو دوسرے فریق کو اُس کی امداد کے لئے آنا چاہیئے۔ جو لوگ اس معاہدہ میں شریک ہوں، اُن سب پر لازم ہوگا کہ مدینہ کو مقام متبرک سمجھیں اور معاہدہ کے پابند رہیں۔ مگر یہودیوں نے عہد شکنی اور بغاوت کی۔ اُنہوں نے محاصرہ مدینہ (یوم خندق) کے زمانہ میں دشمن کو مدد دی، اور شہر کی مخالفت میں خیانت و دغا کے مرتکب ہوئے۔

یہودیوں نے معاہدہ کو توڑ ڈالا

۲۸- یہودیوں میں سب سے پہلے اشخاص بنی قینقاع تھے، جنہوں نے عہد شکنی کر کے بدر اور اُحد کی لڑائیوں میں آنحضرت صلعم سے جنگ کی[2]۔

بنی قینقاع، بنی نضیر، بنی قریظہ خیبری، اور بنی غطفان

بنی نضیر[3] نے اپنا معاہدہ جو آنحضرت کے ساتھ کیا تھا، اُحد کی شکست کے بعد توڑا۔ انہوں نے آپ کے قتل کی سازش بھی کی تھی۔ وہ جلاوطن کر دئے گئے، اور اُن میں سے بعض خیبر میں جا کر آباد ہو گئے[4]۔ بنی قریظہ نے آنحضرت صلعم کی اطاعت

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۳۴۱ - [2] ابن ہشام صفحہ ۵۴۵ - ابن سعد جلد دوم صفحہ ۱۹ و ۴۰ و ۴۵ و ۴۷ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء
[3] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۴۰ - بیضاوی جلد اول صفحہ ۲۵۰ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۶ء -
[4] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۱ -

سے منحرف ہو کر دشمن کے ساتھ عہد و پیمان کر لیا، جبکہ قریش اور بدوی قبائل نے جنگ خندق کے موقع پر مدینہ کا محاصرہ کیا تھا۔ اس کے بعد آنحضرت ؐ نے اُن کا محاصرہ کیا، اور وہ **سعد بن معاذ** کے فیصلہ پر راضی ہو گئے، جس نے قتل کا فتوےٰ اُن پر جاری کیا۔ **یہودیان خیبر** (جن میں **بنی نضیر** شامل تھے) اور **بنی غطفان** نے، جو تھوڑے عرصے پہلے جنگ خندق میں قریش کے ساتھ مدینہ کے محاصرے میں شامل تھے، آنحضرت ؐ کے خلاف سازش کی، اور آپ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ یہ لوگ **بنی فزارہ**، اور دیگر بدوی قبائل کو اپنی لُوٹ مار میں شریک ہونے کی ترغیب دیتے رہتے تھے، اور مدینہ پر حملہ کرنے میں **بنی سعد بن بکر** کے ساتھ شامل ہو گئے۔ وہ بمقام خیبر مطیع اور باجگزار ہو گئے۔ اور بعوض اُس حفاظت کے جس کی ذمہ واری اُن کے لئے کی گئی تھی، اُنہوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔

۲۹۔ بنی قینقاع، بنی نضیر، بنی قریظہ اور یہودیان خیبر کی خیانت کا حال قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیتوں میں بیان کیا گیا ہے:[۲]۔

قبائل یہود کی بدعہدی اور دغا کا ذکر قرآن مجید میں

۵۸۔ اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ۝
(الانفال ۸۔ آیت ۵۸)

۵۸ "وہ لوگ جن سے تم نے عہد و پیمان کیا، پھر وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑتے ہیں اور ڈرتے نہیں۔"
(الانفال ۸۔ آیت ۵۸)

۵۹۔ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ۝ (الانفال ۸۔ آیۃ ۵۹)

۵۹ "پس اگر تم اُن کو لڑائی میں پاؤ تو اُن کے ساتھ ایسا سلوک کرو کہ جو لوگ (کمک کے لئے) اُن کے پیچھے ہیں وہ (ڈر کر) بھاگ جائیں۔" (الانفال ۸۔ آیت ۵۹)۔

[۱] ہشامی صفحہ ۷۵۷۔ [۲] بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۷۱۔

۶۰- وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ٥

(الانفال ۸- آیت ۶۰)

۶۰ " اور اگر تم کو کسی قوم کی طرف سے خیانت (فریب) کا اندیشہ ہو تو مساوات کا خیال رکھ کر اُن کے عہد کو اُن پر اُلٹ دو، درحقیقت اللہ فریب کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

(الانفال ۸- آیت ۶۰)-

۶۱- وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ٥

(الانفال ۸- آیت ۶۱)

۶۱ " جو لوگ کفر کرتے ہیں یہ نہ سمجھیں کہ وہ (بچ کر) نکل گئے، وہ (ہم کو) عاجز نہیں کر سکتے۔"

(الانفال ۸- آیت ۶۱)

۶۲- وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ ۚ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ٥

(الانفال ۸- آیت ۶۲)

۶۲ " اور (فوجی) قوت سے اور گھوڑے باندھے رکھنے سے جہاں تک ممکن ہو ان کے (مقابلہ کے لئے) سامان مہیا کرو، تاکہ تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر اپنا خوف بٹھاؤ، اور اُن کے سوا دوسروں پر بھی، جن کو تم نہیں جانتے، اور اللہ اُن کو جانتا ہے، اور راہ خدا میں تم جو کچھ خرچ کروگے، وہ تم کو پورا پورا دیا جائے گا، اور تمہاری حق تلفی نہ ہو گی۔"

(الانفال ۸- آیت ۶۲)-

۶۳- وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ٥

(الانفال ۸- آیت ۶۳)

۶۳ " اور (اے پیغمبرؐ) اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اُس کی طرف جھکو، اور اللہ پر بھروسا رکھو۔ کیونکہ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔"

(الانفال ۸- آیت ۶۳)-

۶۴- وَاِنْ یُّرِیْدُوْآ اَنْ یَّخْدَعُوْکَ فَاِنَّ حَسْبَکَ اللّٰہُؕ ھُوَالَّذِیْٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْؕ اِنَّہٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ٥

(الانفال ۸- آیت ۶۴)

۶۴- "اور اگر وہ تم کو فریب دینے کا ارادہ کریں تو (کچھ پرواہ نہیں۔کیونکہ) درحقیقت اللہ تمہارے لئے کافی ہے، (اے پیغمبر!) وہی (خدائے قادر مطلق) تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مسلمانوں سے تم کو قوت دی، اور اُن (مسلمانوں) کے دلوں میں اُلفت پیدا کردی، اگر تم تمام زمین کے خزانے بھی صرف کردیتے تو بھی اُن کے دلوں میں اُلفت نہیں پیدا کرسکتے تھے، مگر اللہ نے اُن میں اُلفت پیدا کی، بے شک وہ غالب اور حکیم ہے۔"

(الانفال ۸- آیت ۶۴)-

۶۵- یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ٥

(الانفال ۸- آیت ۶۵)

۶۵ "اے پیغمبر! اللہ اور مومنین میں سے وہ لوگ جو تمہارے فرمانبردار ہیں، تم کو کافی ہیں۔"

(الانفال ۸- آیت ۶۵)

۶۶- یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِؕ

(الانفال ۸- آیت ۶۶)

۶۶- "(اے پیغمبر!) مسلمانوں کو (ایذا دینے والوں کے ساتھ) لڑنے کے لئے آمادہ کرو۔"

(الانفال ۸- آیت ۶۶)

۲۶- وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاھَرُوْھُمْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ مِنْ صَیَاصِیْھِمْ وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا٥

(الاحزاب ۳۳- آیت ۲۶)

۲۶- "اور اہل کتاب (یہود) میں سے جن لوگوں نے اُن (مشرکین) کی مدد کی تھی، اللہ نے اُن کو اُن کے قلعوں سے نیچے اُتارا اور اُن کے دلوں میں ایسا رُعب ڈالا کہ تم (لڑنے والوں کے) ایک فریق کو قتل اور ایک کو قید کرنے لگے۔"

(الاحزاب ۳۳- آیت ۲۶)

۲۹۔قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ لَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّ ھُمْ صٰغِرُوْنَ ٥ (التوبہ ۹۔آیت ۲۹)	۲۹۔"اہل کتاب میں سے جو لوگ نہ خدا کو مانتے ہیں اور نہ روز آخرت کو، اور نہ اُن چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام بتایا ہے، اور نہ دین حق کو تسلیم کرتے ہیں، اُن لوگوں سے لڑو۔یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں"۔[۱] (التوبہ ۹۔آیت ۲۹)۔
۱۲۴۔یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِّنَ الْکُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَۃً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ٥ (التوبہ ۹ آیۃ ۱۲۴)	۱۲۴"اے ایمان والو!ان کفار میں سے جو لوگ تمہارے آس پاس ہیں اُن سے لڑو، اور چاہیئے کہ وہ تم لوگوں میں شدت (کرار اپن) معلوم کریں، اور یہ جان لو کہ اللہ اُن کے ساتھ ہے جو (زیادتی سے) بچنے والے ہیں"(التوبہ ۹۔آیت ۱۲۴)

[۱] اگر اس آیت کا تعلق جنگ تبوک سے نہیں ہے تو یہاں اہل کتاب سے مراد یہودیان خیبر ہیں۔سر ولیم میور اس کو یہود و نصاریٰ کے برخلاف مخالفانہ اعلان کہتے ہیں، اور یہ لکھتے ہیں کہ:۔

"اسلام کی علیحدگی اور اس کی وہ حیثیت جو مذہبی آزادی کے خلاف روز بروز بڑھتی جاتی تھی اُس اعلان سے کافی "طور پر ظاہر ہوتی ہے جو یہود و نصاریٰ کے برخلاف جاری کیا گیا تھا، کہ وہ خانہ کعبہ کی متبرک رسوم ادا کرنے اور "اُس کے مقدس حدود میں داخل ہونے کے قابل نہیں ہیں، اور یہ کہ احکام الٰہی کے بموجب آنحضرت ؐ کو اُن سے "جنگ کرنی چاہیئے، تاوقتیکہ وہ اسلام کی فوقیت کو تسلیم کر کے جزیہ ادا کرنا قبول کریں"۔ (سیرت محمدی جلد دوم صفحہ ۲۸۹)

جس حکم کا حوالہ سر ولیم میور نے دیا ہے، اُس کا تعلق اُن لوگوں کے برتاؤ سے ہے جنہوں نے مسلمانوں کے برخلاف ہتھیار اُٹھائے تھے، نہ کہ اُن کی عام حالت سے۔یہود و نصاریٰ کے برخلاف اس بات کا کوئی اعلان جاری نہیں کیا گیا تھا کہ وہ خانہ کعبہ کی متبرک رسوم ادا کرنے اور اس کی مقدس حدود میں داخل ہونے کے قابل نہیں ہیں۔برعکس اسکے نصاریٰ نجران کو، جبکہ وہ مدینہ پہنچے، حضرت پیغمبر (صلعم) نے اپنی مسجد میں ٹھیرایا۔اور وہیں وہ لوگ اپنی نمازیں پڑھتے تھے۔(ابن ہشام صفحہ ۴۰۲)۔

۳۰- بنی قریظہ سعد بن معاذ[1] کے فیصلہ پر رضامند ہو گئے تھے، جو اَوسی

یعنے اُن کے معین و مددگار بنی اوس کے قبیلہ سے تھا۔

سعد بن معاذ کا فیصلہ

آنحضرت ؐ نے اس فیصلہ پر اتفاق کیا۔ سعد نے حکم دیا کہ قیدیوں میں سے مردوں کو قتل کرنا چاہیئے۔ آنحضرت ؐ نے اس فیصلہ کو ناپسند کیا اور یہ فرمایا "تُو نے ایک مِلک (پادشاہ) کے فیصلہ کی مانند فیصلہ کیا ہے"۔ لفظ مَلِک سے آپ کی مراد تھی "ایک خود مختار حکمران"۔ بخاری (کتاب الجہاد) کی سب سے معتبر روایت میں لفظ مَلِک (بمعنی پادشاہ) موجود ہے۔ مگر بخاری کے تین اَور مقاموں (کتاب المناقب، کتاب المغازی، اور کتاب الاستیذان) میں راوی کو شک ہے کہ آنحضرت ؐ نے لفظ "اللہ" فرمایا تھا، یا لفظ "مَلِک"۔ مسلم نے بھی لفظ مَلِک لکھا ہے، اور ایک جگہ یہ جملہ بالکل نہیں دیا گیا۔ سعد بن معاذ کے انتقال کے بعد صرف اُس کی یادگار کو عظیم الشّان بنانے کے لئے، اس واقعہ کے بعض راویوں نے یہ بیان کر دیا کہ آنحضرت ؐ نے یہ فرمایا تھا کہ سعد نے ایک مَلَک (فرشتہ) کی مانند فیصلہ کیا ہے، بعض راویوں نے لفظ مَلِک (پادشاہ) کی تعبیر اس طرح کی ہے کہ اُس کے معنی "اللہ" ہیں۔ آنحضرت ؐ نے لفظ مَلَک بمعنی فرشتہ، یا لفظ مَلِک جو مجازاً بمعنی "اللہ" مستعمل ہوتا ہے، ہرگز ارشاد نہیں فرمایا، آپ نے صرف مِلک فرمایا، جس کے لفظی معنی "بادشاہ" یا "حکمران مطلق" کے ہیں[2]۔

۳۱- یہودیان خیبر کے برخلاف جو مہم بھیجی گئی تھی اُس کی حیثیت محض دفاعی تھی۔

یہودیان خیبر کے مقابلہ میں دفاعی مہم

جب سے بنی نضیر اور بنی قریظہ اسلامی جمہوریت کے برخلاف سازش کرنیکی پاداش میں مدینہ سے جلاوطن ہو کر اہل خیبر سے جا ملے تھے اُسی وقت سے اہل خیبر اس جرم کے مرتکب ہوئے کہ اُنہوں نے قرب وجوار کے قبیلوں کو مدینہ پر

[1] ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۸ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۹۰۹ء۔ تہذیب الاسماء امام نوادی صفحہ ۲۷۷ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۸۴۹ء
[2] بیضاوی جلد دوم صفحہ ۱۲۶۔ ملاحظہ ہو۔

حملہ کرنے کے لئے برانگیختہ کرنا شروع کر دیا، بنی غطفان کے ساتھ ربط و اتحاد پیدا کیا، اُنہوں نے احزاب یعنی قبائل عرب کے اُس جتھے کے ساتھ شامل ہو کر جنگ میں نمایاں حصہ لیا تھا، جس نے مشترکہ قوت سے مدینہ پر حملہ کرنے کی غرض سے جنگ خندق میں مدینہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ ان لوگوں نے اور بالخصوص سلام بن ابوالحقیق نضری نے جو بنی نضیر کا سردار تھا، بنی فزارہ اور دیگر بدوی قبائل کو مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے بھڑکایا۔ اُنہوں نے مسلمانوں پر حملے کرنے کے لئے بنی سعد بن بکر کے ساتھ اتحاد پیدا کیا۔ بنی سعد یعنی قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ منجملہ اُن احزاب (گروہ) کے تھے جنہوں نے مدینہ کا محاصرہ کیا تھا۔ تھوڑے عرصہ بعد اُسیر بن زارم[1] نے جو بنی نضیر مقیم خیبر کا سردار تھا، مدینہ پر مشترکہ قوت سے حملہ کرنے کے لئے بنی غطفان کے ساتھ اُسی قسم کے تعلقات قائم کئے، جیسے کہ اُن کے پہلے سردار نے قائم کئے تھے۔ بنی غطفان مع بنی فزارہ اور بنی مُرّہ کے جو اُن کے قبیلہ کی شاخیں تھیں، فدک کے قُرب و جوار میں جو خیبر میں واقع ہے، ہمیشہ شرارت کے منصوبے باندھتے رہتے تھے۔ یہ لوگ بہت عرصہ سے اہل مدینہ کو دھمکیاں دے رہے تھے، اور اپنے حملوں کا خوف دلا رہے تھے۔ ہجرت کے ساتویں سال آنحضرتؐ کو بروقت خبر ملی کہ اہل خیبر اور بنی غطفان باہم ملکر جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپ جلدی سے مدافعت کے لئے روانہ ہوئے، اور فوراً خیبر کی طرف کُوچ کیا۔ آپ نے اُن کی باہمی امداد کے روکنے کے لئے بمقام رجیع[2] قیام فرمایا، جو خیبر اور غطفان کے درمیان واقع تھا۔ پس یہ حملہ یکایک اور بلا اشتعال طبع نہ تھا، جیسا کہ سر ولیم میور کہتے ہیں۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں :-

---

[1] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۶۵ و ۶۶ و ۶۶۔ [2] ابن اثیر جلد ۲ صفحہ (۱۶۶)۔

"محمد (صلعم) کو یہودیان خیبر کی طرف سے غالباً کسی ابتدائی حملہ کا انتظار تھا (اُس قبیلہ کی
"سرسبز زمینوں اور دیہات ہی کو اپنے پیروؤں کے لئے آنحضرت ۂ نے مخصوص کیا تھا) یا
"آپ کا ایسا خیال تھا کہ اُن کے معین و مددگار بنی غطفان کی طرف سے کوئی ایسی وجہ
"ہاتھ آجائے جس سے آپ کو حملہ کرنے کا بہانہ مل جائے۔ مگر جب کوئی موقع ایسا نہ ملا
"تو آپ نے اسی سال کے موسم خزاں میں یکایک اور بلا اشتعال طبع اُن کے علاقہ
"پر حملہ کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا[1] +

جو کچھ میں اُوپر بیان کرچکا ہوں، اُس سے یہ بات ظاہر ہو جائیگی کہ خیبر کا
حملہ اپنی حیثیت میں محض دفاعی تھا +

باب پنجم

نصارٰی یا رومی

۳۲۔ آنحضرت ۂ کی سب سے پچھلی مہم تبوک[2] کی مہم تھی اور یہ بھی محض دفاعی

تبوک کی مہم جو سب سے پچھلی تھی۔

تھی۔ شام سے آنے والے مسافر اور تاجر یہ خبر لائے تھے کہ شام کی سرحد پر رومیوں کی طرف سے بڑی فوج جمع ہوئی ہے۔ اُنھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ شاہنشاہ یونان ہرقل یعنی قیصر روم نے جو اُس وقت حمص میں مقیم تھا، فوج کو ایک سال کی تنخواہ پیشگی دے دی ہے، تاکہ سپاہی ایک طولانی مہم کے لئے سازوسامان سے بخوبی درست اور تیار ہو سکیں، صحرائے شام کے قبائل

[1] سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ (۶۱) ابن ہشام صفحہ ۸۹۵۔ [2] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۱۸ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۹۰۹ء۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ مطبوعہ یورپ۔

بنی لخم، بنی جذام، بنی عاملہ، اور بنی غسان، رومی نشانوں (جھنڈوں) کے ارد گرد جمع ہو رہے تھے، اور مقدمۃ الجیش (ہراول) پہلے سے بمقام بلقاء موجود تھا۔ آنحضرت صلعم نے اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے فی الفور عزم کیا۔ جب آپ سرحد شام کے قرب وجوار میں بمقام تبوک پہنچے تو آپ نے کسی فوج کو مقابلہ کے لئے نہ پایا۔ وہاں اُس خطرہ کا جس کے پیش آنے کا اندیشہ تھا، کوئی نشان موجود نہ تھا، اور اسی لئے آنحضرت صلعم نے مع اپنی فوج کے مدینہ کو مراجعت فرمائی۔ یہ واقعہ ہجرت کے نویں سال پیش آیا تھا۔

۳۳۔ پیغمبر اسلام (صلعم) کے تمام غزوات کا بیان اس پر ختم ہو جاتا ہے۔

خاتمہ میں اُمید کرتا ہوں کہ میں نے عمدہ اور معقول دلائل سے، اور نہایت ہی یقینی اور نہایت ہی معتبر تاریخی ذرائع سے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ یہ **تمام غزوات ابتدائی جنگ یا حملہ کی حیثیت نہیں رکھتے تھے**، بلکہ وہ برعکس اس کے محض **مدافعت اور حفاظت کی لڑائیاں تھیں**، ابتدائی مسلمانوں پر اس لئے ظلم کئے گئے کہ اُنہوں نے دین محمدی کو قبول کیا تھا، اُن کے مُلکی اور مذہبی حقوق تلف کئے گئے، وہ وطن سے نکالے گئے، مال ومتاع سے محروم کئے گئے، اور ان سب مصیبتوں کے بعد، **قریش** اور اُن کے **احزاب** (گروہ) یعنے یہود اور دیگر قبائل عرب نے اُن پر ابتداءً حملہ کیا۔ اُنہوں نے نہ تو **انتقام** لینے کے لئے جنگ کی تھی، اور نہ دین اسلام کو بزور اسلحہ قبول کرانے کے لئے، اور نہ اُن **قافلوں** کے لُوٹنے کے لئے جو اُن کے شہر کے قریب سے گزرتے تھے۔ جنگ کی اجازت مسلمانوں کو صرف اس لئے دی گئی تھی کہ مُشرکین اُن سے جنگ کرنے یا اُن پر حملہ کرنے میں سبقت کرتے تھے، اور ظلم وتعدّی کرتے تھے، اُنہوں نے بلاوجہ صحیح مسلمانوں کو اُن کے وطن سے بے وطن کیا تھا۔ پس مسلمانوں نے

اُن ہی لوگوں کے مقابلہ میں ہتھیار اُٹھائے، جنہوں نے اولاً مسلمانوں کو ترک وطن پر مجبور کیا اور بعد ازاں اُن پر حملہ کیا۔ لہٰذا یہ فعل **قانونِ اقوام** اور مقدس **قانونِ قدرت** کے بالکل مطابق تھا۔ اہلِ مدینہ نے آنحضرت صلعم کو صرف دشمنوں سے بچانے کا معاہدہ کیا تھا[1]۔ وہ قریش کے اُس قافلہ کو جو مدینہ کے پاس سے گُزر رہا تھا، لُوٹنے کے لئے نہ تو جا سکتے تھے اور نہ جانا چاہتے تھے، اور آنحضرت صلعم اور آپ کے انصار بھی اس کام کے روادار نہ تھے، اور نہ ہو سکتے تھے ؂

باب ششم

مذہبی مزاحمت

۳۴۔ اُن لوگوں نے بڑی غلطی کی ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ:-

آنحضرت صلعم نے مذہبی مزاحمت کی ہرگز تعلیم نہیں دی۔

"مسلمانوں کا ایک عام فرض جس کی پابندی اُن کے لئے لازمی قرار دی گئی تھی یہ ہے کہ وہ کافروں پر خُدائی انتقام (غضب الٰہی) نازل کرنے کا وسیلہ بنیں۔ اُن کو قتل کیا جائے تا وقتیکہ وہ جزیہ ادا نہ کریں، جزیہ ادا کرنے کی صورت میں اُن کو کچھ اور تکلیف نہ دی جائے، یہاں تک کہ وہ خود ہی جہنم میں داخل ہو جائیں[2]۔"

آنحضرت صلعم نے قریش اور یہود کے ساتھ اس وجہ سے کہ وہ آپ کی رسالت کے منکر تھے جنگ نہیں کی، اور نہ اس وجہ سے کہ آپ اُن پر غضب الٰہی نازل کرنے کا

[1] ابن ہشام صفحہ ۴۳۴ مطبوعہ یورپ۔ بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۵۸ مطبوعہ یورپ۔
[2] "اسلام زیر حکومت عرب" از میجر آر۔ ڈی۔ اوسبورن مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء صفحہ ۲۷۔

ذریعہ تھے، بلکہ برعکس اس کے آپ نے یہ کہا کہ "میں تو صرف ایک نذیر ہوں، (یعنی عذاب الٰہی سے ڈرانے والا)۔

دیکھو آیات مندرجہ ذیل :-

۲۸۔ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ (الکہف ۱۸۔ آیت ۲۸)	۲۸ "اور (اے پیغمبر!) لوگوں سے کہو کہ حق (یعنے قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے، پس جو شخص چاہے مانے، اور جو چاہے نہ مانے"۔ (الکہف ۱۸۔ آیت ۲۸)۔
۲۵۷۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۚ (البقرہ ۲۔ آیت ۲۵۷)	۲۵۷ "دین میں زبردستی (کا کچھ کام) نہیں ہے"۔ (البقرہ ۲۔ آیت ۲۵۷)۔
۷۳۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۚ (المائدہ ۵۔ آیت ۷۳)	۷۳ "بے شک جو لوگ ایمان لائے ہیں (یعنے مسلمان) اور جو یہودی ہیں اور صابی اور نصاریٰ ان میں سے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے۔ اور نیک عمل کرے، تو (قیامت میں) اُن پر کوئی خوف نہ ہوگا، اور نہ وہ رنج و غم میں مبتلا ہوں گے"۔ (المائدہ ۵۔ آیت ۷۳)

عین جنگ کی حالت میں بھی مشرکوں کو اجازت تھی کہ وہ آکر وعظ سنیں، اور پھر اُن کو اُن کی امن کی جگہ واپس بھیج دیا جاتا تھا[1]۔ آنحضرت ؐ کی جنگیں مشرکین سے جزیہ وصول کرنے کی غرض سے بھی نہیں تھیں، جزیہ اُن ہی لوگوں پر لگایا جاتا تھا جو آپ کی پناہ میں آئے تھے، پھر بھی اُن باقاعدہ محصولوں (زکوٰۃ و صدقات وغیرہ) سے

[1] دیکھو سورۂ توبہ ۹۔ آیت ۶۔ اصل آیت اس کتاب کے فقرۂ ۱۷ میں پہلے نقل ہو چکی ہے۔

جو مسلمانوں کو اسلامی جمہوریت کے مصارف کے لئے ادا کرنے پڑتے تھے۔ یہ لوگ بری تھے۔ برعکس اس کے آنحضرت ؐ نے صرف حفاظت خود اختیاری کی صورتوں میں ہتھیار اُٹھائے تھے، جیسا کہ پہلے ثابت ہو چکا ہے۔ اگر آنحضرت ؐ قیام مدینہ کے بعد، قریش اور اُن کے مددگاروں کے متواتر حملوں سے اپنی جان بچانے میں غفلت کرتے تو ظنّ غالب تھا کہ آپ مع اپنے پیروؤں کے نیست و نابود ہو جاتے۔ پس وہ اپنی جان بچانے کے لئے اور نیز اپنی اخلاقی و مذہبی آزادی کی حفاظت کی غرض سے لڑتے تھے۔

یہ لڑائیاں کس معنی میں مذہبی لڑائیاں تھیں؟

۳۵- اس معنی میں اس لڑائی کو مذہبی جنگ کہہ سکتے ہیں، کیونکہ مخالفت مذہبی بناء پر شروع ہوئی تھی، اور قریش نے مسلمانوں کو اسی وجہ سے تکلیفیں دے دے کر جلاوطن کیا تھا کہ انہوں نے دین آبائی یعنی بُت پرستی کو ترک کر کے دین اسلام یعنی ایک سچّے خدا کی پرستش اختیار کی تھی، مگر وہ اس معنی میں ہرگز مذہبی لڑائی نہ تھی کہ کفّار سے زبردستی اسلام قبول کرانے کے لئے اُن پر حملہ میں سبقت کی جائے۔

سر ولیم میور کی کیسی بڑی غلطی ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ جنگ مذہبی حیثیت سے تجویز کی گئی تھی۔ صاحب موصوف یہ لکھتے ہیں :-

"مکّہ سے مسلمانوں کی جلاوطنی کے باعث یہ لڑائیاں فی الحقیقت درست اور بجا تھیں، مگر جنگ کا "بڑا اور واقعی نتیجہ پوشیدہ نہ رہا، وہ یہ کہ اسلام کی فتح ہو۔ مسلمانوں کو لڑنے کا حکم تھا، تاوقتیکہ "خالص خدا کا دین نہ ہو جائے۔"[1]

جن آیتوں سے مذہبی مزاحمت پر استدلال کیا جاتا ہے اُنکی تفسیر

۳۶- قرآن مجید کی جن آیات کی طرف اُوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں :-

[1] سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۷۹۔

۱۸۶۔ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ○

(البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۶)

۱۸۶۔ "اور جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کی راہ (یعنے دین کی حمایت) میں اُن سے لڑو، اور زیادتی نہ کرو، کیونکہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے"

(البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۶)۔

۱۸۷۔ وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ج وَلَا تُقَاتِلُوْھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقَاتِلُوْکُمْ فِیْہِ ج فَاِنْ قَاتَلُوْکُمْ فَاقْتُلُوْھُمْ ؕ کَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ ○

(البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۷)

۱۸۷۔ "اور اُن کو (جو تم سے لڑتے ہیں)، جہاں پاؤ قتل کرو، اور جہاں سے اُنہوں نے تم کو نکالا ہے (یعنے مکہ سے) تم بھی اُن کو وہاں سے نکال دو، اور فتنہ و فساد، خونریزی سے بھی زیادہ سخت ہے، اور جب تک حرمت والی مسجد (خانۂ کعبہ) کے پاس وہ خود تم سے نہ لڑیں، تم بھی اُس جگہ اُن سے نہ لڑو، پس اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی اُن کو قتل کرو، ایسے کافروں کی یہی سزا ہے"۔

(البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۷)۔

۱۸۸۔ فَاِنِ انْتَھَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

(البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۸)

۱۸۸۔ "پھر اگر وہ باز آئیں تو اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے"۔

(البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۸)

۱۸۹۔ وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ ؕ فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ○

(البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۹)

۱۸۹۔ "اور اُن سے یہاں تک لڑو کہ ملک میں فتنہ، فساد باقی نہ رہے، اور اللہ کا حکم چلے (یعنے مسلمانوں کو مذہبی آزادی مل جائے) پھر اگر وہ (فساد سے) باز آئیں (تو اُن پر کسی طرح کی زیادتی نہیں کرنی چاہیئے) زیادتی تو ظالموں کے سوا کسی پر روا نہیں ہے"۔ (البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۹)

قرآن مجید کی ان آیتوں سے عموماً، اور پچھلی آیت سے خصوصاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ

جنگ، حفاظت خود اختیاری کی بنا پر، اور صلح، امن اور مذہبی آزادی کے قائم رکھنے اور فتنہ (ایذا رسانی) کے دفع کرنے کے لئے، مجبوراً تجویز کی گئی تھی۔

کفار کی ایذا رسانی (فتنہ) کے روکنے سے غرض یہ تھی کہ دین اسلام اُس مذہبی مزاحمت اور زبردستی سے آزاد اور بری ہو جائے، جو مسلمانوں کو دوبارہ بُت پرستی کی طرف لوٹ آنے کے لئے مشرکوں کی طرف سے عمل میں لائی جاتی تھی، یا بعبارت دیگر خالص اور کامل طور پر خدا کا دین ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم کو اپنے مذہب میں آزادی حاصل ہو جائے، کوئی تم کو ایذا نہ دے سکے، اور بُت پرستی اختیار کرنے اور اسلام ترک کرنے پر مجبور نہ کر سکے، اُس وقت تمہارا دین خالص اور آزاد ہوگا، اور تم کو شرک پر مجبور کئے جانے کا اندیشہ باقی نہ رہے گا۔

سورۂ ہشتم (انفال) میں بھی اُسی آیت کا اعادہ کیا گیا ہے:۔

۳۹۔ قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ یَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ (الانفال ۸- آیت ۳۹)	۳۹۔ ”جو لوگ کافر ہیں اُن سے کہو کہ اگر (شرارت سے) باز آجائیں[1]، تو اُن کے پچھلے قصور معاف کر دئے جائیں گے اور اگر پھر ایسا کریں گے[2]، تو اگلے لوگوں کی روش پڑ چکی ہے[3]، (وہی اُن کا حال ہوگا)۔“ (الانفال ۸- آیت ۳۹)۔
۴۰۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ	۴۰۔ ”اور ان سے لڑو یہاں تک فتنہ فساد نہ رہے اور اللہ کا دین پورا پورا چلے (یعنے مسلمانوں کو پوری مذہبی آزادی مل جائے) پھر اگر وہ باز آجائیں، تو جو کچھ وہ کریں گے اللہ

[1] یعنے تم پر حملہ کرنے اور تم کو ایذا دینے سے باز آجائیں، اور تم کو تمہارے گھروں میں داخل ہونے، اور مسجد الحرام (خانۂ کعبہ) کی زیارت سے نہ روکیں۔

[2] یعنے اگر تم پر دوبارہ حملہ کریں اور جنگ کی ابتدا کریں۔

[3] مُراد اُن لوگوں سے ہے جنہوں نے بدر میں شکست کھائی تھی۔ بیضاوی جلد ا صفحہ ۳۶۷ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۸۴۸ء۔

بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ○	اُس کو دیکھتا ہے (اُسی کے موافق اُن کو جزا دے گا)“۔
(الانفال ۸۔ آیت ۴۰)	(الانفال ۸۔ آیت ۴۰)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قریش کے مقابلہ میں صرف اُسی حالت میں جنگ تجویز کی گئی تھی جبکہ وہ باز نہ آئیں، اور صرف اُن کے **فتنہ** کے انسداد اور دفعیّہ کے لئے تھی، اور جب مُزاحمت اور ایذارسانی دفع ہو جائے، یا باقی نہ رہے، اُس وقت کہا جا سکتا ہے کہ دین اسلام تمامتر خدا کا دین ہو گیا، اور مسلمان **خدائے حقیقی** کے ساتھ کسی کو شریک قرار دینے پر مجبور نہیں رہے۔

سر ولیم میور کی رائے اور اُن کی لغزش

۲۷۔ سر ولیم میور اپنی کتاب کے آخری باب میں، جو آنحضرت ؐ کی صورت (خُلق) اور سیرت (خُلق) کے متعلق ہے آپ کے **مدنی زمانہ** پر ریویو (نظر) کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں:۔

”مذہبی مزاحمت نے **آزادی** کی جگہ، اور **زبردستی** نے **ترغیب** کی جگہ جلد لے لی۔

”اسلام کا امتیازی نشان اب یہ کلمہ ہو گیا کہ، جہاں پاؤ کافروں کو قتل کرو:۔

”خدا کی راہ میں لڑو یہاں تک کہ مخالفت کُچلی جائے، اور دین صرف خدا ہی کا ہو جائے“۔[۱]

یہاں **سر ولیم میور** اپنی پہلی رائے سے صریح طور پر **اختلاف** کرتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب کی **چوتھی جلد** کے صفحہ ۳۲۶ پر پہلے تسلیم کر چکے ہیں کہ جو طریقہ آنحضرت ؐ نے مدینہ میں اختیار کیا تھا، وہ یہ تھا کہ لوگوں سے کوئی تعرّض نہ کیا جائے، اور وہ آہستہ آہستہ بلا اکراہ و اجبار مسلمان ہو جائیں، اور جب آپ فتحمند ہو کر مکّہ میں داخل ہوئے، اُس وقت بھی آپ نے اُسی تجویز کے اختیار کرنے کا قصد کیا تھا۔ صاحب موصوف کے الفاظ یہ ہیں:۔

”اس تحریک نے آنحضرت ؐ کو زمانۂ قیام مکّہ کے مختصر کرنے پر مجبور کیا۔ اگرچہ اس شہر نے خوشی

---

[۱] سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۳۱۹۔

"سے آپ کے اقتدار کو تسلیم کیا تھا، مگر جملہ باشندگان مکہ نے اس نئے مذہب کو قبول نہیں کیا
"تھا، یعنے باضابطہ طور پر آپ کے دعویٰ پیغمبری کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ شاید آپ نے اس وقت
"بھی اُسی طریقہ پر کاربند رہنے کا قصد کیا، جو مدینہ میں اختیار کیا تھا، وہ یہ کہ لوگوں سے
"کوئی تعرض نہ کیا جائے، اور وہ آہستہ آہستہ بلا اکراہ و اجبار مسلمان ہو جائیں"۔

یہ واقعہ ہجرت کے آٹھویں سال کے آخر کا ہے۔ آنحضرت ؐ کی وفات ہجرت کے گیارھویں سال کے شروع میں ہوئی ہے، پس یہ سوال قدرتی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ یہ انقلاب جو بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ؐ نے مذہبی مزاحمت شروع کر دی تھی کس وقت ہوا؟ اور سر ولیم میور کیسے اور کس بناء پر کہتے ہیں کہ اس انقلاب کا نشان اُسی وقت سے ملتا ہے جبکہ آپ مدینہ میں وارد ہوئے تھے؟ یہود کا قبیلہ بنی قریظہ جس نے اہل مدینہ کے برخلاف بغاوت کی تھی، اس کے ساتھ ہجرت کے پانچویں[۵] سال جو سلوک کیا گیا، اُس کی بابت سر ولیم میور یہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ؐ نے اُس وقت تک لوگوں کو اسلام لانے پر مجبور کرنے کا یا اُس کے قبول کرنے کی وجہ سے اُن کو سزا دینے کا کوئی اظہار نہیں کیا۔ میور صاحب کے الفاظ یہ ہیں:-

"جن صریح وجوہات کی بنا پر آنحضرت ؐ نے اپنا کام شروع کیا تھا، وہ محض پولٹیکل (سیاسی)
"تھیں، کیونکہ اب تک آپ نے لوگوں کو اسلام لانے پر مجبور کرنے یا اُس کے قبول نہ کرنے کی
"وجہ سے اُن کو سزا دینے کا کوئی اظہار نہیں کیا تھا[۱]"

ایک فٹ نوٹ (ذیلی حاشیہ) میں صاحب موصوف یہ رائے اس طرح ظاہر کرتے ہیں:-

"آنحضرت ؐ اپنے الہام و وحی میں اب تک اُسی اصول مسلّمہ کا اعادہ کرتے رہے، جس پر آپ
"مکہ میں کاربند تھے، اور وہ یہ تھا کہ 'میں تو عام طور پر وعظ و نصیحت کرنے والا ہوں'

[۱] سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۲۸۲

"جیسا کہ باب آئندہ میں دکھایا جائے گا"

آگے چل کر سر ولیم میور آنحضرت ؐ کے ورود مدینہ کے بعد پہلے دو سال کا حال بیان کرتے کرتے (جلد سوم کے صفحہ ۳۲ پر) ایک فٹ نوٹ (ذیلی حاشیہ) میں اس امر کو ان لفظوں میں تسلیم کرتے ہیں :۔

"ہم محمد (صلعم) کے ارادہ میں کوئی ایسی ترقی نہیں دیکھتے جس سے صاف طور پر مفہوم ہوتا ہو "کہ آپ دوسروں پر اپنے دین کا بار زبردستی ڈالنا چاہتے تھے۔ فریقین کی موجودہ حالت "جو اس وقت تھی، ایسی حالت میں اس اصول کا پیش کرنا خطرناک ہوتا۔"

رائے مذکور پر مزید بحث

۳۸۔ بیانات مذکورہ بالا سے یہ امر صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت ؐ کے قیام مدینہ کے تین جداگانہ زمانوں میں یعنے پہلے دو سال میں پانچویں سال میں، اور آٹھویں سال میں، ہر ایک زمانہ کی بابت سر ولیم میور نے خود تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت ؐ کا کوئی ارادہ نہ تھا کہ لوگوں سے زبردستی اپنا مذہب قبول کرائیں، اور نہ آپ نے اس امر کا اظہار کیا کہ لوگوں کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے یا اس کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے اُن کو سزا دی جائے اور یہ کہ اہل مدینہ آہستہ آہستہ بلا اکراہ و اجبار مسلمان ہوئے تھے، اور یہی طریقہ آپ نے فتح مکّہ کے وقت اختیار کیا تھا۔

سر ولیم میور کی یہ رائے کہ "**مذہبی مزاحمت نے آزادی کی جگہ اور زبردستی نے ترغیب کی جگہ جلد لے لی**" دعوائے بے دلیل اور اُن کی آراء سابقہ کے بالکل خلاف ہے۔ لہٰذا اب اس رائے کا کوئی موقع و محل باقی نہیں رہا۔ ۸ھ کے اختتام تک، جبکہ مکّہ فتح ہوا، یہ بات مسلّم ہے، کہ مسلمانوں کی طرف سے مذہب کو زبردستی منوانے کے لئے کوئی اذیت یا مزاحمت عمل میں نہیں آئی۔ آنحضرت ؐ کی وفات ۱۱ھ کے ابتدا میں واقع ہوئی۔ درمیان کے دو سال میں جنگ کا شور و غوغا معدوم ہو گیا تھا، عرب کے تمام اطراف و جوانب سے وفد اور سفارتیں

آنحضرت ؐ کی خدمت میں حاضر ہونی شروع ہو گئی تھیں، اور مذہبی مزاحمت یا کسی شخص کے بجبر و اکراہ دین اسلام قبول کرنے کی ایک مثال بھی موجود نہیں ہے[1]۔

[1] سر ولیم میور جو آنحضرت ؐ پر، بزمانہ قیام مدینہ، مذہبی ایذا رسانی کا الزام لگانے میں نہایت سرگرم ہیں، اُن کو آنحضرت ؐ کے دہ سالہ قیام مدینہ کے زمانہ میں، جو واقعات و حوادث سے معمور ہے، مذہبی تعصب یعنی بزورِ شمشیر مسلمان بنانے کی صرف ایک مثال بہت تلاش اور جستجو کرنے پر دستیاب ہوئی ہے۔ میرا اشارہ سفارت خالد کی حکایت کی طرف ہے یہ سفارت ۱۰ھ میں نصارائے بخران کے ایک قبیلہ، بنی حارث کی طرف روانہ کی گئی تھی، یہ لوگ آنحضرت ؐ کے ساتھ صلح کا عہد نامہ کر چکے تھے، اور مسلمانوں نے اس بات کی ضمانت اور ذمہ داری کی تھی اور اُن کو پورا اطمینان دلا دیا تھا کہ وہ اپنے دین کی پیروی میں آزاد ہیں۔ سر ولیم میور کے بیان کے موافق خالد بن ولید کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ اُن کو اسلام قبول کرنے کے لئے دعوت دی جائے، اور اگر انکار کریں تو تین دن کے بعد اُن پر حملہ کیا جائے، اور اطاعت پر مجبور کیا جائے (میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۲۲۴) آنحضرت کے تذکرہ نویسوں نے اس حکایت کا جو حال بیان کیا ہے وہ ایسا لغو ہے کہ اُس کا یقین نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ واقعہ بالکل صحیح ہے کہ بنی حارث یعنے نصارائے بخران نے صرف ایک سال پیشتر ۹ھ میں اپنا ایک وفد آنحضرت ؐ کی خدمت میں روانہ کیا تھا، اور امن و حفاظت کی شرائط آپ سے طے ہو گئی تھیں (میور صاحب کی سیرت محمدی جلد دوم صفحہ ۲۹۹۔ اور ابن ہشام صفحہ ۴۰۱) سر ولیم میور کا یہ عذر کہ بنی حارث دو فرقوں میں منقسم تھے، ایک عیسائی، اور دوسرا بُت پرست، اور یہ کہنا کہ خالد کی یہ کارروائی قبیلہ بنی حارث کے اُس حصہ کے ساتھ عمل میں آئی تھی جو اس وقت تک بُت پرستی کی تاریکی میں پھنسا ہوا تھا، سراسر بے بنیاد ہے، اگرچہ یہ عذر اُن کی عجیب قسم کی زیرکی اور ذکاوت پر دلالت کرتا ہے جس کے ذریعہ سے انہوں نے سفارت خالد کی بابت موضوع روایت کی تطبیق اس واقعہ کے ساتھ کر دی ہے کہ بنی حارث نے آنحضرت ؐ کے ساتھ، حفظ و امان اور رواداری اور آزادی کا معاہدہ کیا تھا۔

صاحب موصوف ایک نوٹ لکھتے ہیں:۔
"میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ خالد کی یہ کارروائی بنی حارث کے اُس قبیلہ کے خلاف عمل میں آئی تھی جو اس وقت تک بُت پرست تھا۔ بہر صورت قبیلہ مذکور کے اس عیسائی حصہ کے خلاف نہ تھی جس کے ساتھ پہلے معاہدہ ہو چکا تھا" (سیرت محمدی جلد چہارم، فٹ نوٹ صفحہ ۲۲۴)۔
اسلام سے بہت عرصہ پہلے بنی حارث کے عیسائی ہو جانے کا حال ہشامی صفحہ ۴۰۱ و ۴۰۲۔ اور تاریخ گبن باب چہل و دوم صفحہ ۲۰۷ فٹ نوٹ۔ اور میور صاحب کی سیرت محمدی جلد اول مقدمہ ۲۲۸ یا ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۳۔ ابن ہشام صفحہ ۹۵۸ ملاحظہ ہو۔

آنحضرت ؐ نے قیام مدینہ کے زمانہ میں صبر و تحمل اور ترغیب و تحریص کی اُس پالیسی (مصلحت) سے ہرگز انحراف نہیں کیا، جو اپنی رسالت کی کامیابی کے لئے آپ نے (حسب فرمان الٰہی) قرار دی تھی - اور اس اصول کو فی الفور یا کچھ مدت کے بعد کسی وقت میں بھی آپ نے تبدیل نہیں کیا - مدینہ میں آپ نے اُسی فیاضانہ عقیدہ کا وعظ فرمایا کہ دیگر مذاہب کے عقائد کا لحاظ رکھا جائے (یعنی کسی کو زبردستی مسلمان نہ بنایا جائے) اور لوگوں کو بار بار اس امر کا یقین دلایا کہ میں صرف واعظ اور ہادی ہوں اور کُھلّم کُھلّا ظاہر کر دیا کہ ہمارے مذہب کی رو سے دین کے معاملہ میں جبر اور زبردستی کا کوئی واسطہ نہیں ہے -

یہ **آیات قرآنی مدنی** ہیں، جو امر زیر بحث کے متعلق مدینہ میں آنحضرت ؐ پر نازل ہوئی ہیں :-

۵۹- اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝

(البقرہ ۲- آیت ۵۹)

۵۹ "بے شک جو لوگ ایمان لائے ہیں (یعنی مسلمان) اور جو یہودی ہیں، اور نصارے اور صابی، ان میں سے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے، اور نیک عمل کرے، تو (قیامت میں) اُن کو اُن کا اجر اُن کے پروردگار کی طرف سے ملے گا، اور اُن پر کوئی خوف نہ ہوگا، اور نہ وہ رنج و غم میں مبتلا ہوں گے۔"

(البقرہ ۲- آیت ۵۹)

۱۹- وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ

۱۹ "اور (اے پیغمبر!) اہل کتاب اور (عرب کے) اُمّی (ناخواندہ) لوگوں سے کہو کیا تم اسلام لاتے ہو؟ پس اگر اسلام لے آئیں، تو بے شک راہ راست پر آ گئے،

تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ۝ (آل عمران ۳-آیت ۱۹)	اور اگر مُنہ پھیر لیں، تو (اے پیغمبر!) تم پر (احکام الٰہی کا) پُہنچا دینا ہے، اور بس، اور اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے" (آل عمران ۳-آیت ۱۹)
۹۹-مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝ (المائدہ ۵-آیت ۹۹)	۹۹" پیغمبر کے ذمہ صرف (احکام الٰہی کا) پُہنچا دینا ہے اور جو کچھ تم لوگ عُلانیہ کھلا کرتے ہو اور جو چھپا کر کرتے ہو، اللہ اُس کو جانتا ہے"۔ (المائدہ ۵-آیت ۹۹)
۵۴-قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ (النور ۲۴-آیت ۵۴)	۵۴" (اے پیغمبر لوگوں سے) کہو کہ اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر تم روگردانی کرو (تو تبلیغ رسالت کا) جو بار رسول پر ڈالا گیا ہے اُس کے جواب دِہ وہ ہیں، اور (اطاعت کا) جو بار تم پر ڈالا گیا ہے اس کے جواب دِہ تم ہو، اور اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے، اور رسول کی ذمہ داری تو صرف (احکام کا) صاف طور پر پہنچا دینا ہے"۔ (النور ۲۴-آیت ۵۴)
۲۵۷-لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ ۚ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ	۲۵۷" دین میں زبردستی (کا کچھ کام) نہیں ہے ہدایت، گمراہی سے الگ ظاہر ہو گئی ہے، پس جو شخص جھوٹے معبودوں[۱] کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے، تو اُس نے مضبوط رسّی کو پکڑ لیا، جو ٹوٹنے والی نہیں ہے، اور اللہ سُنتا اور

[۱] یہ ایک نام ہے، جس کا اطلاق ایک یا زیادہ بُتوں پر ہوتا تھا، خاص کر ایک "لات" اور "عزّےٰ" پر، جو مکہ کے قدیم بُت تھے۔ (بیضاوی جلد ا صفحہ ۲۳۱ مطبوعہ یورپ)۔

سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ (البقرہ ۲ - آیت ۲۵۷)	جانتا ہے"۔ (البقرہ ۲ - آیت ۲۵۷)۔
۸۲- مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْہِمْ حَفِیْظًا (النساء ۴ - آیت ۸۲)	۸۲- "جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے مُنہ گردانی کی تو (اے پیغمبر! تم سے اس کی باز پُرس نہ ہوگی) ہم نے تم کو ان لوگوں کا پاسبان بنا کر نہیں بھیجا" (النساء ۴ - آیت ۸۲)

۳۹- اسلام کا امتیازی کلمہ ہرگز یہ نہیں تھا کہ "جہاں پاؤ کافروں کو قتل کرو"

آنحضرتؐ کی جنگوں کا مقصد۔

بلکہ یہ جملہ محض حفظ نفس اور جنگ دفاعی کے موقع پر کہا گیا تھا، اور صرف اُن لوگوں سے متعلق تھا جنہوں نے مسلمانوں کے برخلاف ہتھیار اُٹھائے تھے۔

آیات سورۂ بقرہ ۲- آیت ۱۸۹ و سورۂ انفال ۸- آیت ۴۰، فقرہ ۷ و فقرہ ۳۷ میں پہلے نقل ہو چکی ہیں، اور اُن کے سیاق اور مفہوم سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیتیں صرف اُن باشندگان مکّہ کے ساتھ جنگ کرنے کی تاکید کرتی ہیں، جو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ ان آیتوں میں لڑائی کا مقصد ٹھیک ٹھیک بیان کیا گیا ہے، اور اُن کا مفہوم صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایذا رسانی اور خانہ جنگیاں موقوف ہوں، مگر سر ولیم میور نے لفظ "فتنۃ" کا ترجمہ "جنگ یا مخالفت" کیا ہے۔ خود صاحب موصوف نے اپنی کتاب کی جلد دوم صفحہ ۴۷ اسکے فٹ نوٹ (ذیلی حاشیہ) میں اسی لفظ کا ترجمہ "ایذا رسانی" کیا ہے، دیکھو آیۃ:-

۱۰- اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ الخ (بروج[2] ۸۵- آیۃ ۱۰)	۱۰- "درحقیقت وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذا دیتے ہیں" الخ (بروج ۸۵ - آیت ۱۰)

[1] بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۸ء - [2] بیضاوی جلد دوم صفحہ ۳۹۶-

اس آیت میں اصل لفظ فتنوا[1] ہے جو لفظ "فتنہ" سے مشتق ہے میں نہیں جانتا کہ میور صاحب ایک ہی لفظ کے جو ایک ہی کتاب میں واقع ہے، خواہ مخواہ دو ترجمے کیوں کرتے ہیں، (دیکھو سورۂ بقرہ آیت ۱۸۷- اور سورۂ انفال آیت ۴۰)۔

باب ہفتم

قرآن مجید کی نویں سورۃ یا سورۂ براۃ

۴۰۔ سر ولیم میور، قرآن مجید کی بعض آیات سورۂ نہم کا ذکر کرتے ہوئے جو ۹ھ میں حج اکبر کے موقع پر نازل ہوئیں، اور سورۂ مذکورہ کی ابتدائی سات آیتوں (یعنی پہلی آیت سے ساتویں آیت تک) کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں:-

قرآن مجید کی نویں سورت کا ابتدائی حصہ صرف قریش سے متعلق ہے جنہوں نے نقض عہد کیا تھا

جو احکام اس سورۃ میں درج ہیں بوجہ مصالحت ہوجانیکے ان پر عملدرآمد نہیں ہوا

"یہ آیتیں جو ابھی نقل کی گئی ہیں، دین محمدی کی تکمیل کرنے والی تھیں، "جہاں تک کہ اس کا تعلق بت پرست قبائل و اقوام سے تھا۔ صلح کے چند واقعات کو "مستثنٰے کر کے اُن سب لوگوں کے برخلاف جنگ کا ایک عام اعلان کیا گیا، جس میں "صلح کی کوئی گنجایش نہ تھی"[2]

یہ بات صحیح نہیں ہے۔ صاحب موصوف اور اُن کے پیرو یہی غلطی کرتے ہیں کہ سورۂ نہم (براءۃ) کی ابتدائی آیتوں کی بابت فرض کر لیتے ہیں کہ وہ دراصل ۹ھ کے

---

[1] لفظ "فتنوا" ماضی مطلق کا صیغہ جمع غائب ہے اور اس کا مصدر "فتنہ" ہے۔

[2] سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۲۱۱۔

اختتام پر بعد فتح مکّہ نازل ہوئی ہیں، اُن کی غرض یہ ہے کہ بُت پرستوں کے ساتھ مسلمانوں کا جو معاہدہ اور اتّحاد تھا، وہ منسوخ سمجھا جائے، حرم مکّہ کے اندر اور باہر ہر جگہ اُن سے لڑنے کی اجازت سمجھی جائے، اور یہ کہ جہاں کہیں وہ ملیں اُن کو قتل کیا جائے، اُن کا محاصرہ کیا جائے، اور اُن پر گھات لگائی جائے[۱] - یہ سورۃ بالعموم نقض عہد کرنے اور ناقابل مصالحت جنگ کا اعلان کرنے سے دراصل کوئی تعلق نہیں رکھتی اور جس موقع کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے، اُس موقع پر ابتداءً نازل نہیں ہوئی تھی، قرآن مجید کی سورۂ نہم کی ابتدائی آیتیں، جن کو میں نے ضروری تشریح کے ساتھ فقرہ (۱۷) کے آخر میں تمام وکمال نقل کردیا ہے، اُن کی شان نزول ابتداءً فتح مکّہ سے قبل ہے، جبکہ وہاں کے بُت پرستوں (قریش) نے صلح حدیبیہ کو توڑا تھا۔اُن کے نقض عہد کا حال آیات ۴، ۸، ۱۰، ۱۳، میں صاف طور پر بیان کیا گیا ہے، اور جن بُت پرستوں نے عہد شکنی نہیں کی، اُن کے عہد ناموں کو پورا کرنے اور اُن کا لحاظ رکھنے کے لئے اُن ہی آیتوں میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے۔پس جو حملہ آور نقض عہد کے مرتکب ہوئے تھے اور جنہوں نے بنی بکر کے اُس حملہ میں جو اُنہوں نے بنی خزاعہ پر کیا تھا، دوسرے لوگوں کو مسلمانوں کے برخلاف ہتھیار اُٹھانے کے لئے اغوا کیا تھا، ایسے ہی حملہ آوروں کی بابت مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آیات زیر بحث کی اشاعت کی تاریخ سے چار ماہ کے بعد اُن سے لڑیں، اُن کا محاصرہ کریں اور اُن کو قید کرلیں۔مگر خوش قسمتی سے ابوسفیان نے اشہر الحرم (متبرک مہینوں) کے شروع ہونے سے قبل، اور چار ماہ کی مدّت منقضی ہونے سے پیشتر ہی مصالحت کرلی۔ اہل مکّہ نے بغیر خونریزی کے اطاعت قبول کی، لہٰذا یہ امر صاف ظاہر ہے کہ

[۱] "اسلام اور اُس کا بانی" از جے۔ڈبلیو۔ ایچ۔سٹابرٹ۔بی اے صفحہ ۱۷۹ مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ء

بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۷۶ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۸ء۔

قرآن مجید کی سورۂ نہم کے شروع میں جو احکام درج ہیں، اُن کا عمل درامد کبھی نہیں ہوا۔ وہ ایک "غیر تعمیل شدہ خط" کی مانند رہے، اور میں خیال کرتا ہوں کہ ہمیشہ اسی طرح رہیں گے۔ جہاں تک مجھے علم ہے تقریباً تمام یورپین مؤرّخ اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ سورۂ نہم ۹ جو عموماً سورۂ براۃ کے نام سے بھی موسُوم ہے، اس کی ابتدائی آیتوں کا اعلان آنحضرت صلعم نے ۹ھ کے آخر میں کیا تھا۔ مگر حقیقت امر یہ ہے کہ اشہر الحرُم (متبرک مہینوں) کے آغاز سے پہلے ۸ھ میں غالباً بماہ شعبان اُن کا اعلان ہو چکا تھا، یعنے اُس زمانہ میں جبکہ آنحضرت صلعم نے ماہ رمضان میں جانب مکّہ کُوچ کیا تھا، اور یہ کُوچ جنگ کے ارادہ سے نہ تھا، کیونکہ جنگ ماہ ذیقعدہ و ذیحجہ، و محرّم کے گزرنے کے بعد واقع ہونے والی تھی (اس سے پہلے لڑائی ہو نہیں سکتی تھی)، بلکہ آپ کا عزم اس غرض سے تھا کہ اس مصالحت اور قرار داد کی بناپر جو آنحضرت صلعم اور ابو سفیان کے درمیان طے ہو چکی تھی، مکّہ پر قبضہ کریں۔ اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ قرآن مجید کی سورۂ نہم کی ابتدائی آیتیں ابتداءِ ۹ھ کے آخری مہینے میں نازل اور شائع ہوئی تھیں، تو اس صورت میں یہ آیتیں بیکار اور بیفائدہ ہوئی جاتی ہیں، بغیر اس کے کہ اُن میں کوئی مقصد و مدّعا مضمر ہو۔ ان آیتوں میں اُن ہی لوگوں سے لڑنے کی ہدایات مذکور ہیں، جنہوں نے بعض معاہدوں کو توڑا تھا، مسلمانوں کے مقابلہ میں دوسروں کو مدد دی تھی، اور خود بھی اُن پر حملہ کیا تھا۔ ان آیتوں نے اُن قبائل کے ساتھ اعلان جنگ کیا تھا، جو خون کے رشتوں اور حُسن معاہدہ کا کچھ لحاظ نہ رکھتے تھے، اور جنہوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ابتداءِ جنگ کی تھی۔ جس زمانہ میں ان آیتوں کے اعلان کا دعوےٰ کیا جاتا ہے۔ ۹ھ کے آخری مہینے میں اور تمام ۱۰ھ میں اُس زمانہ میں یا اُس کے بعد تمام عرب

ہیں ایسے اشخاص کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ اس زمانہ میں تو تقریباً تمام عرب بطوع و رغبت آنحضرتؐ کا مطیع و فرماں بردار ہو چکا تھا۔"

اس تمام مدت میں عرب کے ہر ایک قبیلہ سے مدینہ میں سفارتیں آتی رہیں اور پیغمبر اسلامؐ اُن کو حفاظت و حمایت اور دوستانہ سلوک کا اطمینان دلاتے تھے۔ طبل جنگی کی صدا اور قرنا کا شور اس وقت مدینہ سے معدوم ہو چکا تھا۔ اس بنا پر ہم بالیقین کہہ سکتے ہیں کہ یہ آیتیں سال نہم کے آخر میں نازل نہیں ہو سکتی تھیں، اور نہ اُس موقع پر نازل ہوئیں جیسا کہ متعدد مؤرخین کا دعوٰی ہے، جن میں مسلمان اور یورپین دونو شامل ہیں۔ نظر بوجوہ مندرجہ بالا آیات مذکورۃ الصدر کے نزول کا سب سے زیادہ مناسب موقع و محل وہی ہے جب کہ قریش اور اُن کے مددگاروں نے ۸ھ میں صلح نامہ حدیبیہ کو توڑا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکّہ باہمی مصالحت سے مفتوح ہو گیا۔ بہت سے مسلمان مفسر اس امر میں متفق الرائے ہیں۔ لہٰذا یہ آیتیں جن میں عہد شکنوں اور حملہ آوروں کے مقابلہ میں ہتھیار اُٹھانے کا حکم ہے، اور نیز یہ حکم ہے کہ جہاں کہیں وہ ملیں، یعنے خواہ حرم (خانہ کعبہ کی مقدس مسجد) کے اندر یا باہر اُن کو تہ تیغ کیا جائے، مگر ان آیتوں کے احکام کی تعمیل اس لئے نہیں کی گئی کہ قریش نے مسلمانوں سے مصالحت کر لی تھی۔

۱؎ بیضاوی جلد اول صفحہ ۱۰۵۔

باب ہشتم

قریش کے قافلوں کی ادّعائی مزاحمت

۴۱۔ مورخین یوروپ جنہوں نے آنحضرت ؐ کی سیرت لکھی ہے، اس بات کا دعوےٰ کرتے ہیں کہ ہجرت کے کچھ عرصہ بعد مسلمانوں نے قریش کے متعدد قافلوں کو جو مُلک شام کی طرف آمد و رفت رکھتے تھے مزاحمت کر کے تاخت و تاراج کیا۔

قریش کے قافلوں کی ادّعائی مزاحمتیں جن کی تعداد (۹) بیان کی جاتی ہے۔

یہ ادّعائی یورشیں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) آنحضرت ؐ کے وارد مدینہ ہونے سے سات ماہ بعد ایک مُہم بسر کردگی حضرت حمزہؓ روانہ کی گئی، جس نے ایک قافلہ پر جس کا سردار **ابو جہل** تھا، یکایک حملہ کیا۔[1]

(۲) اس کے ایک ماہ بعد ایک جماعت **ابو عبیدہؓ** کے ماتحت ایک اور قافلہ کے تعاقب میں جس کا سردار **ابو سفیان** تھا، روانہ کی گئی۔[2]

(۳) ایک اَور مہینہ گزرنے کے بعد ایک تیسری یورش بسر کردگی سعدؓ اُس رستہ پر گھات لگانے کے لئے روانہ ہوئی جہاں قریش کے قافلہ کے گزرنے کی توقع تھی۔[3]

(۴) ہجرت کے بارہ ماہ بعد خود آنحضرت ؐ نے بمقام **ابوا** قریش کے ایک

[1] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۲۔ [2] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۲ -
[3] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۳ +

قافلہ کو لوٹنے کے لئے ایک چوتھی کوشش کی[1]۔

(۵) اگلے مہینے آنحضرت ؐ نے دوبارہ **بواط** کی طرف کوچ کیا جس سے آپ کا مقصد صرف ایک قافلہ کو تاخت و تاراج کرنا تھا، جو **اُمیہ بن خلف** کی ذاتی حفاظت میں قیمتی مال و اسباب سے مملو تھا[2]۔

(۶) دو تین ماہ بعد ایک اور مالدار قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے جو **ابوسفیان** کی ماتحتی میں شام کی طرف جاتا تھا، آنحضرت ؐ **عشیرہ** کی جانب روانہ ہوئے[3]۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ان تمام مہموں میں مسلمانوں کو کامیابی نہیں ہوئی، بلکہ ہر مہم میں قافلے اپنی ہوشیاری اور خبرداری کی وجہ سے مسلمانوں کے تعقّب سے صحیح و سالم بچ نکلے[4]۔

(۷) ماہ رجب ۲ھ میں کوئی چھ آدمیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کو قریش کے قافلہ کی گھات لگانے کے لئے، مقام **نخلہ** کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا گیا۔ بمقام نخلہ ان لوگوں کو ایک کشمکش پیش آئی، جس میں قافلہ کا ایک بدرقہ مارا گیا۔ اور دو قیدی معہ مالِ مسروقہ مدینہ کی طرف لائے گئے۔ اس پر آنحضرت ؐ بہت ناراض ہوئے اور آپ نے **عبداللہ بن جحش** سے فرمایا، "میں نے تجھے متبرّک مہینے میں لڑنے کا حکم ہرگز نہیں دیا تھا"[5]

(۸) قریش کا وہ قافلہ جو مسلمانوں کے تعاقب سے صحیح و سالم راہ میں بچ کر نکل گیا تھا جیسا کہ پہلے نمبر ۶ میں بیان ہو چکا ہے، مکہ کی طرف واپس جا رہا تھا۔ آنحضرت ؐ کو اُس کے واپس لوٹ آنے کا اندیشہ تھا اور آپ نے حملہ کا ارادہ کیا،

---

[1] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۳۔ [2] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۴۔ [3] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۴۔
[4] میں نے ان مہمات کے ذکر میں سر ولیم میور کے بیان کی پوری پیروی کی ہے۔ دیکھو سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۶۴ - ۶۹
[5] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۵ - ابن ہشام صفحہ ۴۲۵۔

جس کا انجام یہ ہوا کہ بدر کی مشہور لڑائی پیش آئی[1]۔

(۹) کہا جاتا ہے کہ یہ تمام غارتگری کی مُہمیں، جو مکّہ کے قافلوں کی مُزاحمت کے لئے عمل میں آئیں، ہجرت کے پہلے اور دوسرے سال میں یعنی جنگ بدر سے پہلے واقع ہوئی تھیں۔ اب مجھے مسلمانوں کی تاخت و تاراج کی صرف ایک باقیماندہ مثال بیان کرنی ہے، جو قریش کے قافلہ پر کی گئی، اور ۶ھ میں بمقام العیص وقوع میں آئی۔ یہ حملہ بالکل کامیاب ہوا[2]۔

۴۲۔ میں پہلے (فقرات ۲۱ لغایت ۲۴ میں) بصراحت بیان کر چکا ہوں کہ یہ ابتدائی مُہمیں جو نمبر ۱ سے نمبر ۸ تک درج کی گئی ہیں، ان کی تائید مُعتمد اور مستند روایتوں سے نہیں ہوتی، اور میں یہ بھی بیان کر چکا ہوں کہ مہم نمبر ۴ و نمبر ۵ و نمبر ۶ کی نوعیت کی بابت ظنِّ غالب کیا ہے؟

> اُن حالات میں جو آنحضرت ؐ کے گرد و پیش تھے قافلوں کی مُزاحمت ناممکن تھی۔

اُس وقت آنحضرت ؐ اور آپ کے پیرو جس حالت میں تھے اُس کے لحاظ سے لڑائی کی چھیڑ چھاڑ یا لوٹ مار کا حملہ اُن کے لئے ایک امرِ محال تھا۔ مدینہ کے باشندوں نے جہاں پیغمبر (صلعم) مع اپنے اصحاب کے پناہ گزین ہوئے تھے، اور جن کی دعوت پر آنحضرت ؐ اُن کے شہر میں داخل ہوئے تھے، باقرار صالح بذریعہ حلف شرعی اس بات کا عہد کیا تھا، کہ ہم پیغمبر (صلعم) کو آپ کے دشمنوں سے اسی طرح بچائیں گے، جس طرح کہ ہم اپنے عیال و اطفال کو بچاتے ہیں، تاوقتیکہ آنحضرت ؐ خود اُن پر حملہ آور نہ ہوں[3]۔ آنحضرت ؐ نے اُن کے ساتھ یہ مقدس عہد و

---

[1] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۶۔ بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۵۸۔ [2] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۶۳۔

[3] "اہل مدینہ نے پیغمبر (صلعم) کو صرف (دشمنوں کے) حملہ سے بچانے کا عہد و پیمان کیا تھا، نہ کہ قریش پر حملہ کرنے میں آپ کے ساتھ شامل ہونے کا" (سیرت محمدی از میور جلد سوم صفحہ ۶۴ یا بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۵۸ مطبوعہ یوروپ سنہ ۱۸۴۸ء۔) ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۸۔ آغانی جلد ۴ صفحہ ۲۰۔

پیمان کیا تھا کہ وہ لُوٹ مار نہ کریں، اور تاخت و تاراج کے مرتکب نہ ہوں[1]۔

نظر بوجوہ مندرجہ بالا، یہ بات محال تھی کہ اہل مدینہ اُن متواتر حملوں اور یورشوں کی اجازت دیتے یا اُن سے چشم پوشی کرتے جو (معترضین کے خیال کے موافق) آنحضرت صلعم نے قریش کے قافلوں پر کی تھیں، اور اگر بالفرض پیغمبر (صلعم) یا آپ کے رفقا میں سے بعض اشخاص ایسا کرنے کی جرأت کرتے، تو اہل مدینہ تو آپ کا ساتھ کسی طرح دے ہی نہیں سکتے تھے۔ مگر **فرض کرلو** کہ اہل مدینہ نے اس امر کی اجازت دیدی کہ آنحضرت قریش کے مقابلہ میں ہتھیار اُٹھا کر اُن کے ساتھ اپنی عداوت کا اظہار کریں، اور جب آنحضرت صلعم نے آس پاس کے قبائل کے مملوکات و مقبوضات پر (معاذ اللہ) مُداخلت اور دست درازی شروع کی، اُس وقت بھی اُنہوں نے کوئی روک ٹوک نہ کی، اور بلاوجہ خلاف انصاف قافلوں کو ستایا گیا، ان باتوں کو تسلیم کر کے میں یہ **سوال** کرتا ہوں کہ آیا یہ بات ممکن تھی کہ اہل مدینہ اُن مصائب آلام سے محفوظ رہیں، جن میں اُن کا مُبتلا ہونا اس وجہ سے یقینی تھا کہ انہوں نے پیغمبر (صلعم) کو پناہ دی تھی؟ انہوں نے عرصہ دراز تک **خانہ جنگیوں** کے دُکھ اُٹھائے تھے، اور **بُعاث** کی وہ خونریز لڑائی، جو چند سال قبل وقوع میں آئی تھی اور جس نے ملک پر فالج کا سا اثر ڈال کر اہل مُلک کو عاجز و ناتوان کر دیا تھا۔ ابھی تک اُن کی یاد میں بالکل تازہ تھی۔

قافلوں کی مزاحمت اگر وقوع میں آئی ہو تو وہ بطور انتقام تھی۔

۴۳۔ فرض کرو کہ مکّہ کے عام قافلوں کی یہ ادّعائی مزاحمتیں، مسلمانوں کی طرف سے فی الحقیقت

[1] بخاری نے رُواۃ کے معمولی سلسلہ کے ساتھ عبادہ بن صامت رضؓ سے یہ روایت کی ہے، "میں اُن نقیبوں میں سے ہوں جنہوں نے پیغمبر (صلعم) کے ساتھ معاہدہ کیا تھا کہ ہم خدا کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو شریک نہیں کریں گے، چوری نہیں کریں گے، زنا کے مرتکب نہ ہوں گے، قتل عمد کے مرتکب نہ ہوں گے، اور لوٹ مار نہیں کریں گے۔" (صحیح بخاری، کتاب المغازی۔ باب وفود انصار)۔

وقوع میں آئیں، جیسا کہ آنحضرت ؐ کے تذکرہ نویسوں نے بیان کیا ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ آیا وہ تمام مزاحمتیں اہل عرب کے "قانون بین الاقوام" یا "دستور قدیم" اور اقوام کے "جنگی قانون" کی رُو سے حق بجانب نہ تھیں؟ اس امر کا ثبوت قطعی طور پر ہو چکا ہے اور اُس میں کسی بحث و جدال کی گنجایش نہیں ہے، کہ مسلمانوں کو اُن کے ایذا دینے میں، اور نئے دین کے قبول کرنے والوں کو، جبکہ وہ اپنے امن پسند مذہب کے فرائض ادا کرنے میں مصروف تھے، ناقابل برداشت تکلیفیں پہنچا کر، وطن مالوف سے اُن کو جلاوطن کرنے میں پیش قدمی کرنے والے، اور پہلے حملہ کرنے والے مشرکین مکہ ہی تھے۔

اگر ابتدائے جنگ کے ان تمام اسباب کو اور نیز "قانون بین الاقوام" اور "قانون قدرت" کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے۔ کہ قانون اور انصاف دونو اس امر میں مسلمانوں کے طرفدار تھے کہ وہ اپنے خان و مان اور مال و متاع کو دوبارہ حاصل کرنے بلکہ اپنے مصائب کا انتقام لینے اور مظالم کی مکافات کرنے کے لئے بھی اپنے ظالموں اور ایذا دہندوں کے ساتھ جنگ کریں، تاوقتیکہ اُن کا وہ مقصد حاصل نہ ہو جس کے طالب وہ عرصۂ دراز سے تھے۔ جب خود اہل مکہ نے اوّل اوّل مسلمانوں کے خلاف جنگ کا صور پھونکا، تو حفاظت خود اختیاری کے حق اور نیز جنگی ضرورت نے مسلمانوں کو مجبور کیا کہ دشمن کے مال و متاع کو ضائع کردیں اور آمد و رفت کے اُن رستوں اور ذریعوں کو روک دیں جن سے اُس کی تجارت کو ترقی ہو رہی ہے، اس لئے کہ "جب ایک سلطنت دوسری سلطنت کے ساتھ برسر جنگ ہو تو اُسی وقت سے اُس کو بالعموم یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ دشمن کے تمام مال و متاع پر خواہ وہ کسی قسم کا ہو اور کہیں سے دستیاب ہو، قبضہ کر لے، اور جو مال و

متاع اس طرح حاصل ہو، اس کو اپنی ملکیت قرار دے کر خواہ اپنے استعمال میں لائے، یا جن لوگوں نے اس غنیمت کو حاصل کیا ہے اُن کو عطا کر دے[۱]۔

باب نہم

ادّعائی خونریزیاں

ادّعائی قتل وخونریزی کی شالیں جو مخالف پیش کرتے ہیں۔

۴۴۔ بعض مجرم، جن سے اسلامی جمہوریت کے خلاف سخت **بغاوت** کا جُرم سرزد ہوا تھا، قتل کیے گئے۔ ان مجرموں کا قتل اور قتل عمد کی بعض دیگر مثالیں جو معتبر شہادتوں پر مبنی نہیں ہیں، اُن کی بابت آنحضرت ؐ کے بعض یورپین تذکرہ نویس بیان کرتے ہیں کہ یہ خونریزیاں آپ کی منظوری وپسندیدگی یا آپکی مُسامحت اور چشم پوشی کی بدولت وقوع میں آئی ہیں۔ ان کی تعداد پانچ[۵] یا چھ[۶] ہے، اور اُن کو خونریزی (یا خفیہ قتل) کے نام سے اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ اُن قیدیوں کے مقدموں کی نہ تو کسی **جج** اور **جُوری** (پنچایت) کے ذریعہ سے تحقیقات کی گئی اور نہ کسی باضابطہ **کورٹ مارشل** (جنگی عدالت) کے ذریعہ سے ان ملزم اشخاص کے لئے یا تو پرائیویٹ (شخصی وذاتی) عداوت کی وجہ سے سزائے موت تجویز کی گئی تھی، دی گئی یا سلطنت کے خلاف سخت **بغاوت** کی وجہ سے، جو ایک ناقابلِ معافی جرم ہے مگر، جیسا کہ میں اس کے بعد ثابت کروں گا، یہ نہیں

---

[۱] دیکھو وہیٹن صاحب کی کتاب "اصول قانون بین الاقوام"، صفحہ ۴۱۹ مطبوعہ باسٹن ۱۸۵۵ء اور لیبر صاحب کی "تحریرات متفرقہ"، اور "پولٹیکل سائنس جلد دوم صفحہ ۲۵۰ مطبوعہ فلاڈیلفیا ۱۸۸۱ء۔

کہا جاسکتا کہ قتل کی زیر بحث صورتوں کی بابت آنحضرت ؐ نے اپنی پوری رضامندی ظاہر کی تھی، یا یہ کہ اُن کا ارتکاب آپ کی براہ راست ترغیب اور منظوری سے عمل میں آیا تھا۔

قتل کی یہ ادّعائی مثالیں حسب ذیل اشخاص کے متعلق ہیں۔ اور جن کی تعداد سات ہے۔

۱۔ عصماء بنت مروان۔ ایک یہودی عورت۔ (ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۸)۔

۲۔ ابو عفک۔ ایک یہودی۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۹۴۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۹)

۳۔ کعب ابن اشرف۔ ایک یہودی شاعر۔ (ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۱۔ ابن ہشام صفحہ ۵۴۸)۔

۴۔ سفیان بن خالد ہذلی۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۸۱)۔

۵۔ ابو رافع۔ ایک یہودی جس کا پورا نام سلاّم بن ابی الحقیق نضری ہے جو کعب ابن اشرف کے قتل کے بعد یہود خیبر کا سردار بنا تھا۔ (ابن ہشام صفحہ ۷۱۴، ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۶)۔

۶۔ اُسیر بن زارم۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۸۰۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۶)۔

۷۔ ابوسفیان کے قتل کا اقدام۔ (ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۸۔ ابن ہشام صفحہ ۹۹۲)۔

۴۵۔ قبل اس کے کہ ان صورتوں میں سے ہر ایک صورت کی شہادت کی صداقت اور عدم صداقت پر رائے دی جائے، اور یہ دکھایا جائے کہ آنحضرت ؐ کو کہاں تک ان باتوں کا علم تھا، میں مسٹر سٹینلے لین پول کے ایک اقتباس سے فائدہ اُٹھاؤں گا، صاحب موصوف نے مسٹر ای ڈبلیو۔ لین کی کتاب "انتخاب قرآن" کے مقدمہ میں جو خود اُنہوں نے

مسٹر پول کی رائے

لکھا ہے، اپنی نظرِ عمیق اور فکرِ صحیح سے، جیساکہ اُن کا دستور ہے اس خصوصیت میں حسب ذیل رائے ظاہر کی ہے :۔

"چھ مشہور یہودیوں کا قتل عموماً خونریزی یا خفیہ قتل سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ ہر مجرم کے قتل کے لئے خفیہ طور پر ایک مسلمان بھیجا گیا تھا۔ اس کی وجہ قریب قریب ایسی بدیہی ہے کہ اُس کے لئے کسی شرح کی ضرورت نہیں۔ مدینہ میں کوئی پولس، یا قانونی عدالتیں، یا جنگی عدالتیں نہیں تھیں، لہٰذا ضروری تھا کہ محمد (صلعم) کے پیروؤں میں سے کوئی نہ کوئی شخص موت کے فتوے کی تعمیل کرنے والا ہو، اور بہتر تھا کہ یہ کام چُپ چاپ کیا جائے، اس لئے کہ کسی شخص کا کُھلّم کُھلّا اُس کے قبیلہ کے سامنے قتل کیا جانا ایک نزاع اور زیادہ تر خونریزی و انتقام کا موجب ہوتا، یہاں تک کہ تمام شہر اُس فتنہ و فساد میں شامل ہو جاتا۔ اگر ایسے کاموں کے لئے لفظ "خفیہ قتل" کا اطلاق ہوتا ہے، تو یہ "خفیہ قتل" مدینہ کے اندرونی انتظام سلطنت کا جزوِ لاینفک تھا۔ اُن لوگوں کا قتل کیا جانا ضروری تھا، اور اُس کا سب سے بہتر طریقہ وہی تھا۔ میں نے اپنے اس قول میں یہ بات فرض کر لی ہے کہ محمد (صلعم) کو قتل کے فعل کی اطلاع تھی، اور وہ محض پرائیویٹ (شخصی) انتقام کی صورت نہ تھی، مگر جس بنا کی شہادت پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ قتل محمد (صلعم) کے حکم سے عمل میں آئے تھے، متعدّد صورتوں میں وہ شہادت بالکل ناکافی یا اس قدر مشتبہ ہے کہ ہم اس کو قابل اعتبار قرار نہیں دے سکے"۔[۱]

---

[۱] دیکھو "انتخاب قرآن" از مسٹر ایڈورڈ ولیم لین، "مع مقدمہ" از سٹینلے لین پول۔ مقدمہ کتاب مطبوعہ ٹروبنر اینڈ کو۔ لندن ۱۸۷۹ء۔

۱۔ عصماء بنت مروان

۴۶۔ میجر اوسبورن لکھتے ہیں کہ:۔

عصماء بنت مروان

"سب سے پہلی مقتول ایک عورت مسماۃ عصماء دختر مروان تھی،
"اُس نے پیغمبر (صلعم) اور آپ کے اصحابؓ کی ہجو میں کچھ اشعار نظم کئے تھے' اور آنحضرت ؐ
"نے غضبناک ہوکر علے الاعلان یہ کہا تھا کہ کون شخص مجھے اس عورت سے نجات
"دے گا؟ عُمیر نے جو ایک نابینا مگر جوشیلا مُسلمان تھا، یہ گفتگو سُنی اور آدھی رات
"کو چُپکے چُپکے اُس کمرہ میں گُھس گیا، جہاں عصماء مع اپنے بچّوں کے پڑی سوتی تھی،
"وہ اندھیرے میں اِدھر اُدھر ٹٹولنے لگا، یہاں تک کہ اُس کا ہاتھ سوتی ہوئی عورت
"پر پڑا، اور پھر فوراً ہی اُس نے اپنی تلوار اُس کے سینہ میں بھونک دی[۱]"

عربی مؤرّخوں نے عصماء کے قتل کی داستان کو مختلف طور پر بیان کیا ہے اور جن شہادتوں پر اس داستان کی بُنیاد ہے وہ بجاء خود آپس میں ایک متناقض اور متضاد ہیں۔ **واقدی، ابن سعد** اور **ابن ہشام** اس قتل کی بابت ایک نہایت عجیب بات بیان کرتے ہیں کہ **عمیر بن عدی نابینا** نے آدھی رات کو اُسے قتل کیا۔ ایک نابینا شخص رات کی سُنسان خاموشی میں ایک اجنبی آدمی کے مکان میں گُھس کر قتل عمد کا مرتکب ہو، اور کوئی اُسکو گرفتار نہ کرے، (کیا خوب)! **ڈاکٹر ویل** لکھتے ہیں کہ عمیر، عصماء کا پہلا شوہر تھا، اور ممکن ہے کہ کینہ دیرینہ اور ذاتی عداوت اس قتل کا باعث ہو۔ **ابن عساکر** اپنی تاریخ میں (دیکھو سیرت شامی[۲]) بیان کرتا ہے کہ عصماء، میوہ فروش تھی، اُس

---

[۱] "اسلام زیر حکومت عرب" از آر۔ ڈی اوسبورن صفحہ ۶۰ مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۷۶ء۔

[۲] "سیرت شامی" جس کا پورا نام "سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد" ہے شیخ (دیکھو صفحہ ۷۶)

کے قبیلہ کے کسی شخص نے اُس سے پوچھا "تمہارے پاس عُمدہ تر پھل بھی ہیں"؟ اُس نے کہا "ہاں" اور یہ کہہ کر اپنے گھر میں داخل ہوئی، وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ عصماء کچھ لینے کے لئے نیچے جھکی، اُس شخص نے چُپ وراست مُڑ مُڑ کر نظر کی اور یہ دیکھ کر کہ کوئی پاس موجود نہیں ہے، ایک سخت ضرب اُس کے سر پر لگائی اور اس طرح اس کا کام تمام کیا۔

۴۷۔ مؤرّخین یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ عصماء کے مصنّفہ اشعار سے ناراض ہو کر **عمیر بن عدی** نے بذات خود اپنی مرضی اور خواہش سے اس کے قتل کا بیڑا اُٹھایا تھا[1]۔ ممکن ہے کہ وہ حسد یا نفرت کی وجہ سے اپنے قاتل کی تلوار کی بھینٹ چڑھی ہو، مگر اس کے قتل سے درحقیقت آنحضرتؐ کا مطلق کوئی تعلّق نہ تھا۔ وہ اہل مدینہ کو دھوکا دے کر مسلمانوں کے ایک عہد نامہ کو توڑے جانے کا باعث ہوئی تھی، جس کے ذریعہ سے یہودیوں اور مسلمانوں کے حقوق اور حدود کا قطعی فیصلہ ہو گیا تھا، اسی لئے وہ اپنے ہاتھوں قانون کی حفاظت سے بری ہو گئی تھی۔

> عصماء کے قتل کی داستان قابل اعتبار نہیں۔

ابن اسحاق اس بارہ میں خاموشی سے گُزر جاتا ہے، اور عصماء کے متعلّق کسی معاملہ کا ذکر تک نہیں کرتا۔ **واقدی** اور **ابن سعد** یہ نہیں بیان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ابوعبداللہ محمد بن یوسف الدمشقی متوفی ۹۴۷ھ کی تصنیف ہے۔ صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں کہ مصنف نے تین سو سے زیادہ کتب تواریخ کا خلاصہ اس کتاب میں درج کیا ہے۔ افسوس ہے کہ یہ نایاب کتاب اب تک نہیں طبع ہوئی اور اب تک علمی دُنیا اس کے فائدہ سے محروم ہے۔ ریاست رامپور کے کتب خانہ میں اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ حیدرآباد میں بھی مولوی حسن الزمان صاحب کے پاس اس کا ایک نسخہ ہے۔ اور لکھنؤ میں مولانا حامد حسین صاحب مرحوم کے کتب خانہ میں اس کتاب کا ایک ناقص حصہ موجود ہے غالباً مصنّف مرحوم نے بزمانہ قیام لکھنؤ اس نسخہ سے فائدہ اُٹھایا ہوگا۔ (ملاحظہ ہو کشف الظنون جلد ۲ صفحہ ۲۰ مطبوعہ قسطنطنیہ سنہ ۱۳۱۱ھ و فہرست کتبخانہ ریاست رامپور صفحہ ۴۰۹ مطبوعہ سنہ ۱۹۰۲ء۔ فن سیر نمبر کتاب ۲۸ (حیدرآباد دکن ۱۹ فروری سنہ ۱۹۱۲ء) عبداللہ خاں کتب خانہ آصفیہ

[1] دیکھو واقدی کی کتاب مغازی صفحہ ۲۰۷۱ و ۳۰۷۱ مطبوعہ کلکتہ، بیپٹسٹ مشن پریس، باہتمام اے۔ وان کریمر۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۹۵ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۸۶۰ء۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۸)۔

کرتے کہ آنحضرتؐ نے عصماء کے اشعار سے جن میں اسلام کی توہین کی گئی تھی، تنگ آکر آزردگی سے یہ جملہ کہا کہ "اس عورت سے کون مجھے رہائی دے گا"؟[1] برعکس اس کے **واقدی** لکھتا ہے کہ عمیر نے خود اپنی مرضی سے اُس کی جان لینے کی قسم کھائی تھی[2]۔ صرف **ابن ہشام** نے، بغیر کسی سند اور حوالہ کے، یہ بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے عصماء کے اشعار سُن کر یہ ظاہر کیا کہ "کیا بنت مروان سے میرے لئے (یعنے مجھے اُس کے شر سے رہائی دینے کے لئے) کوئی نہیں ہے"؟ حکایت مذکور کے اس مضمون کی تصدیق **قدیم ترین مؤرّخوں** کی تائیدی شہادت سے نہیں ہوتی، اور ہم اُس پر کسی طرح کا اعتماد کرنے کے لئے مائل نہیں ہیں[3]۔

۲-ابوعفک

۴۸- بیان کیا جاتا ہے کہ **ابوعفک** نے جو قبیلہ **بنی عمرو** سے تھا، مسلمانوں کی سلطنت کے خلاف **عداوت** اور **بغاوت** کی آگ بھڑکا کر مسلمانوں کو غصہ دلایا تھا، یہ اُس زمانہ کا واقعہ ہے جبکہ ایک شخص مسمّٰی **حارث** بن سوید اس جُرم پر قتل کیا گیا، کہ اُس نے اپنے ایک رفیق کو ایسی حالت میں کہ وہ دونوں مل کر پہلو بہ پہلو جنگ **اُحد** میں دشمنوں سے لڑ رہے

ابوعفک

[1] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۱۸- [2] واقدی صفحہ ۱۷۲- طبع کلکتہ ۱۸۵۶ء-

[3] سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ

"ہشامی میں لکھا ہے کہ محمد (صلعم) نے عصماء کے اشعار سے دق ہو کر علے الاعلان یہ کہا کہ "اس عورت سے کون مجھے رہائی دے گا"۔"

مگر ابن ہشام میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس کا ترجمہ "علے الاعلان" کیا جاسکے - ابن ہشام صفحہ ۹۹۵ مطبوعہ ۱۸۶۰ء- اصابہ جلد ۳ صفحہ ۶۴- ابن ہشام صفحہ ۵۵۰-

تھے، مار ڈالا تھا[1]- **بنی عمرو** کے ایک مسلمان نے **ابو عفک** کے قتل کا عہد کیا، اور یکایک اُس پر حملہ کر کے اپنی تلوار کی ایک بیرحمانہ ضرب سے اُس کا کام تمام کر دیا- **ابن اسحاق** کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے **ابو عفک** کی بابت کہا تھا کہ "اس موذی سے کون مجھے نجات دے[2] گا؟"

یہ مؤرّخ اس بات کی **سند** یا ماخذ بیان نہیں کرتے، وہ یہ نہیں بتاتے کہ اُن کو کس ذریعہ سے اُن الفاظ کی اطّلاع حاصل ہوئی، جو آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں کہ آپ نے **ابو عفک** کی نسبت اپنے اصحاب کی روبرو فرمائے تھے، اس کے ساتھ ہی یہ امر مقتضائے انصاف نہیں ہے کہ **ابن اسحاق** اور دیگر مورّخین جن سے اپنے دعوائے کے اصلی ماخذ بتانے میں فروگزاشت ہوئی ہے، اُن کی شہادت کی تحقیق وتنقید اور موازنہ کئے بغیر ہی اس معاملہ میں جلدی سے بلا غور و خوض کوئی رائے قائم کر لی جائے- قطع نظر اس کے جو الفاظ اُوپر نقل کئے گئے ہیں، وہ **قطعی حکم** کے مرادف نہیں ہیں، اور اس آخری شرط (قطعی حکم) کو مان لینے کے بعد بھی اُن کا مفہوم "**قتل و خونریزی**" قرار دینا صحیح نہیں ہے- **سر ولیم میور** لکھتے ہیں کہ "ابن سعد صاف کہتا ہے کہ یہ فعل پیغمبر صلعم کے حکم سے عمل میں آیا تھا" (جلد سوم صفحہ ۱۳۳- فٹ نوٹ)- مگر کاتب مذکور (یعنے ابن سعد) یا دیگر مؤرّخین کے لئے اپنے وہم اور تخیّل سے آزادانہ طور پر کام لینا، یا نہایت کمزور بنیاد پر خواہ قطعاً بغیر کسی معقول بنیاد کے ایسے احکام

[1] ابن ہشام صفحہ ۹۹۴ و ۹۹۷ و ۱۸۲-

[2] ابن ہشام صفحہ ۹۹۴- واقدی نے یہ جملہ نہیں لکھا- برعکس اس کے وہ یہ کہتا ہے کہ سالم بن عمیر نے یہ عہد کر لیا تھا کہ ابو عفک کو قتل کرے یا مر جائے + واضح ہو کہ ابن سعد کی بھی یہی رائے ہے اور یہی الفاظ ہیں جو واقدی نے بیان کئے ہیں- ملاحظہ ہو ابن سعد جلد دوم صفحہ ۱۹- مطبوعہ بریلی سنہ ۱۹۰۹ء-

اپنے دل سے گھڑ لینا، جو آنحضرتؐ نے ہرگز نہیں دئے، بہت آسان بات ہے۔ تذکرہ نویسوں کا میلان ہمیشہ اس امر کی طرف ہے کہ امرِ واقعی سے قطع نظر کر کے **اصحاب رسول** کو اُن کی ذمہ واری سے سبکدوش کیا جائے، اور کل الزام آنحضرتؐ کے ذمہ ڈال کر اصحاب کے افعال کو حق بجانب قرار دیا جائے۔

۲۔ کعب بن اشرف

۴۹۔ **کعب بن اشرف** ایک بااثر یہودی تھا، اور قبیلۂ **بنی نضیر** سے تعلق رکھتا تھا۔ **جنگ بدر** میں اہل مکّہ کی شکست سے سخت برافروختہ ہو کر وہ تھوڑے عرصہ بعد مکّہ کو روانہ ہو گیا، اور اُس نے قریش کو مسلمانانِ مدینہ سے انتقام لینے کے لئے جوش دلایا۔ مدینہ واپس آکر علانیہ اسلامی جمہوریت سے **اظہار عداوت** کیا۔ وہ ایک دغاباز اور زمانہ ساز آدمی تھا، کیونکہ اُس نے نہ صرف مسلمانوں کی وفاداری سے **انحراف** کیا، بلکہ اُن کے دشمنوں کے درمیان **بغاوت** کا وعظ بھی کیا۔ ایسی حالتوں میں وہ **قانون جنگ** اور **قانون بین الاقوام** کی رو سے قتل کا مستوجب تھا، اور اسی لئے مدینہ میں اُس کا سر قلم کیا گیا تھا۔ طریقۂ قتل یہ تھا کہ ایک ناگہانی حملہ یا دھوکے سے اس کا کام تمام کیا گیا، مگر آنحضرتؐ نے نہ تو اُس کے خُفیہ قتل کے لئے اور نہ قتل عمد کے لئے سخت احکام ہرگز جاری نہیں کئے۔ **وہ اپنی دغابازی کی وجہ سے سزائے موت کا سزاوار تھا**، اور ایسے وقت جبکہ **جُوری** (پنچایت) کے ذریعہ سے مُجرموں کی سزاوہی کے لئے کوئی **قانونی عدالت** موجود نہ تھی، یہ سزا باضابطہ طور پر اس کو دی گئی، کیونکہ اُس صورت میں قانونی سزا کے عمل میں لانے کے لئے ہر شخص مجاز تھا۔ اگر اس امر کو

کعب بن اشرف

تسلیم کرلیا جائے کہ آنحضرت ؐ نے یہ دعا کی تھی کہ "اے پروردگار! ابن اشرف کی علانیہ بغاوت اور اس کے اشعار کی وجہ سے کسی طریقہ سے جو تیرے نزدیک عمدہ ہو، مجھے ابن اشرف سے نجات دے" یا یہ فرمایا تھا کہ کون شخص ابن اشرف کے ہاتھ سے مجھے آرام دے سکتا ہے[1]"؟ تو بھی یہ الفاظ قتل یا قتل عمد کے حکم کی حد تک نہیں پہنچتے، اور قتل مخفی کا مفہوم تو کسی طرح بھی پیدا نہیں ہوتا۔

کعب کے قتل میں آنحضرت ؐ کی کوئی شرکت نہیں ہوسکتی تھی

۵۰۔ جن راویوں اور مؤرّخوں نے آنحضرت ؐ کے غزوات کا حال قلمبند کیا ہے، وہ بالعموم ایسے واقعات کے متعلّق غلط اور غیر معتبر تفاصیل بیان کرتے ہیں، جو ہرگز لائق اعتماد نہیں ہیں سب سے **قدیم مؤرّخ محمدؒ بن اسحاق** جس کی تصنیف موجود ہے، یہ نہیں بیان کرتا کہ پیغمبر (صلعم) نے کعب سے نجات پانے کے لئے کبھی دعا کی۔ یا اپنے اصحاب سے اس امر کا ذکر کیا، حالانکہ سب سے **پچھلے مؤرّخ** اور راوی ہم کو یہ بتاتے ہیں کہ پیغمبر ؐ نے اپنے خاص حکم سے کعب کے قتل کی منظوری دے دی تھی۔

سر ولیم میور کہتے ہیں :۔

"میرا یہ دعوٰے ہرگز نہیں ہے کہ بیان مذکورہ بالا کی ہر ایک تفصیل خواہ وہ محمد (صلعم)
"کی ترغیب کی بابت ہو یا قاتلوں کے فریب کی بابت شک و شبہ سے بری ہے۔ اس قسم کے
"تماشوں کے ایکٹر (نقّال)، ایسے نہیں تھے کہ اپنی کارگزاریوں کی عظمت بڑھانے اور اُن
"کی شان و شوکت دکھانے کے لئے اُن کو راستی سے دست بردار ہونے میں کچھ تامّل ہوتا۔
"ممکن ہے کہ اُن کی خواہش یہ بھی رہی ہو کہ دغابازی کے ایسے فعل کو جس پر اس زمانے کا

[1] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۲۱ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء۔ مغازی واقدی صفحہ ۱۸۶ و ۱۸۷۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۱۰۔

"دادنیٰ درجہ کا، خلاق بھی چونکہ اُٹھتا تھا، صحیح قرار دیئے گئے لئے اُس کی ذمہ داری کا
"بار معصوم پیغمبر پر ڈال دیا جائے۔ مگر ان دونو باتوں کی اہمیت کا باقاعدہ طور پر لحاظ رکھنے
"کے بعد بھی، اس معاملہ میں اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کافی وجہ باقی رہتی ہے - کہ یہ
"قتل بدترین صورت سے وقوع میں آیا، اور خود محمد (صلعم) نے بذات خود اُس کی حمایت
"کی، یا یوں کہو کہ ترغیب دی[1]"۔

اس بارہ میں کوئی قوی شہادت موجود نہیں ہے، جس کی بناء پر کعب کے قتل کے لئے آنحضرت ؐ کی ترغیب کا ثبوت دیا جا سکے۔ قتل کعب کی داستان کا دارومدار سب سے بڑھ کر اُن روایات پر ہے جو جابر بن عبداللہ[2] اور ابن عباس سے بوساطت عکرمہ[3] مروی ہیں۔

ان میں سے کوئی شہادت بھی معتبر نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ لوگ نہ تو عینی گواہ ہیں، نہ انہوں نے آنحضرت ؐ کو قتل کی ترغیب دیتے یا حمایت کرتے سُنا ہے، اور نہ یہ اپنی روایت کا حوالہ اور سند بیان کرتے ہیں۔ جابر بن عبداللہ اُس وقت لڑکے ہی تھے۔ اُن کو بوجہ اُن کی کمسنی کے[4] جنگ احد میں بھی شریک ہونے کی اجازت نہیں دی گئی، جو کعب ابن اشرف کے قتل زیر بحث کے بعد وقوع میں آئی تھی۔ ابن عباس ؓ جابر سے بھی زیادہ کمسن تھے، اور اس کے علاوہ جس زمانہ کا یہ واقعہ ہے، اُس وقت وہ مکّہ میں مقیم تھے۔[5] عکرمہ، ابن عباس

---

[1] سیرت محمدی از سر ولیم میور، جلد سوم - صفحہ ۱۴۷ - ۱۴۸ -
[2] دیکھو بخاری کتاب مغازی اور مسلم کتاب الجہاد -
[3] محمد بن سعد کاتب واقدی اور محمد ابن اسحاق - محمد ابن اسحاق نے ابن ہشام میں صفحہ ۵۵۱ پر روایت کی ہے -
[4] دیکھو اصابہ فی تمیز اصحابہ (یعنی اصحاب رسول کی سوانح عمری کا لغت) از ابن حجر عسقلانی حصہ اول نمبر ۱۰۲۱ صفحہ ۴۳۴، طبع کلکتہ -
[5] اس وقت ابن عباس کی عمر صرف پانچ سال کی تھی، اور وہ مکّہ میں تھے۔ اسی وجہ سے اس معاملہ میں اُن کی شہادت نہیں ہو سکتی -

کا غلام تھا، اور جھوٹی روایتیں اور حدیثیں بنانے کا عادی اور اس وجہ سے بد نام تھا۔[1]

۴۔ سُفیان بن خالد ہُذلی

۱۵۔ جنگ اُحد میں مسلمانوں کی شکست کی وجہ سے مدینہ میں جو انقلاب واقع ہوا اُس کے بعد عرب کے مختلف مقامات میں بڑے بڑے مجمع ہوئے۔ **بنی لحیان** اور دیگر قرب و جوار کے قبائل اپنے سردار **سفیان بن خالد ہذلی** کے جھنڈے کے گرد، بمقام **عُرنہ** جمع ہوئے اور اس امر کا مصمّم ارادہ کر لیا کہ اس موقع کو جبکہ **جنگ اُحد** میں مسلمانوں کی قسمت کا پانسا اُلٹ گیا ہے، اور وہ شکست کھا چکے ہیں، ہرگز ہاتھ سے نہ دیا جائے۔[2]

سفیان بن خالد ہُذلی

سر ولیم میور کہتے ہیں کہ:-

"محمد (صلعم) نے یہ سمجھ کر کہ اُن کی حرکات کا دار و مدار سفیان پر ہے عبد اللہ بن "اُنیس کو اُس کے قتل کی ہدایات دے کر روانہ کیا۔"[3]

قاصد یہ حکم پا کر اس خدمت کی انجام دہی کے لئے آمادہ ہوا۔ جس کی تکمیل اُس نے اس طور پر کی کہ یکایک بلا اطلاع **سفیان** کو قتل کر ڈالا۔ قتل کی **"ہدایات"** کی بابت نہ تو **ابن اسحاق** نے کچھ لکھا ہے، اور نہ **ابن ہشام** اور **ابن سعد** نے۔ ممکن ہے کہ **عبد اللہ بن اُنیس** کو **سُفیان** اور اُسکی

[1] یحییٰ بن سعید الانصاری، علی بن عبد اللہ بن عباس، ابن المسیّب، عطاء، ابراہیم بن میسرہ، محمد بن سیرین، قاسم، اور عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ عکرمہ دروغ گو تھا (دیکھو میزان الاعتدال ذہبی جلد ۲ صفحہ ۱۸۷، کوکب دراری شرح صحیح بخاری از شمس الدین کرمانی، اور معرفت انواع علم حدیث از ابوعمر الدمشقی)۔

[2] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۳۵ - ابن ہشام صفحہ ۹۸۱ +

[3] سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد سوم صفحہ ۲۰۰۔

فوج کی نقل و حرکت کے ملاحظہ کے لئے یا اس کی بابت خبر لانے کے لئے بھیجا گیا ہو، مگر یہ بات فرض کر لینے کے بعد بھی کہ آنحضرت ؐ کا فرض منصبی سُفیان کا قتل کرنا ہی تھا ایسا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ آپ نے اُس کو قتل کی تعلیم دی تھی۔

۵۲- اہل عرب کے درمیان تعلّقات جنگ میں سلطنتوں کا قانون بین الاقوام

> سفیان کا قتل متذکرہ بالا حق بجانب تھا۔

اور زمانہ قدیم کا **جنگی قانون** اور **دستور**، بلکہ یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ گزشتہ صدی عیسوی کا **یورپین قانون بین الاقوام** بھی، اس وسیع اصول کو جائز قرار دیتا تھا کہ "جنگ میں دشمن کے برخلاف جو کچھ بھی کیا جائے، جائز ہے، اُس کو قتل کیا جا سکتا ہے، اگرچہ وہ نہتا اور بے پناہ ہو، اُس کے مقابلہ میں دھوکے کا برتاؤ کر سکتے ہیں، اُس کو زہر بھی دے سکتے ہیں، یہاں تک کہ اُس کی جان و مال پر نہایت ہی غیر محدود حق حاصل ہو جاتا ہے[1]"۔ جنگ کی حالت میں خیانت یا بدعہدی کے سوا دُشمن کے ساتھ ہر قسم کا دھوکا کرنے کی اجازت تھی۔ **بنکر شوک** جس نے **"قانون بین الاقوام"** کی بابت لکھا ہے اور جو **پفنڈارف** کا جانشین اور **وُلف** اور **وٹیل** کا پیشرو ہے۔ اس مبحث پر یہ لکھتا ہے کہ :-

"صرف خیانت یا بدعہدی کو چھوڑ کر میں ہر قسم کے دھوکے کو جائز رکھتا ہوں، نہ اس لئے کہ "دشمن کے مقابلہ میں کوئی امر ناجائز ہے، بلکہ اس لئے کہ جب دشمن سے ہمارا عہد و پیمان "ہو جائے تو جہاں تک کہ اُس وعدہ کا تعلق ہے، اُس پر دشمن کا اطلاق نہیں ہو سکتا[2]"۔

سُفیان کے معاملہ میں کوئی خیانت یا دغابازی یا بدعہدی

---

[1] "اصول قانون بین الاقوام" از ہنری ویٹن یل۔ یل۔ ڈی طبع ششم منجانب ولیم بیچ لارنس مطبوعہ باسٹن ۱۸۵۵ء۔ حصہ اول باب اول صفحہ ۲۷ جس پر بنکر شوک کا قول نقل کیا گیا ہے، اور صفحہ ۱۶۔۱۴ پر بنکر شوک اور وُلف کا قول نقل کیا گیا ہے۔

[2] ایضاً باب دوم صفحہ ۴۷۰۔

نہیں ہوئی تھی، اور نہ آنحضرت صلعم نے اُس کے قتل کے لئے کوئی اجازت دی تھی- اگر عبد اللہ ابن انیس کا بھیجنا ثابت ہو جائے (مگر یہ امر ثابت نہیں) تو آنحضرت صلعم نے اُس کو سفیان کے مقابلہ میں جو جنگ کی تمام تیاریاں کر چکا تھا اور متعدد بدوی قبائل کو آنحضرت صلعم پر حملہ کرنے کے لئے جمع کر چکا تھا اس لئے بھیجا تھا کہ اُس سے لڑ کر اُس کو قتل کرے- یہ ایک سیدھا اور راست بازانہ طریق عمل تھا جو قانون جنگ کے دستور کے مطابق جائز تھا- آنحضرت صلعم نے صاف اور صریح طور پر خیانت- فریب اور خفیہ قتل کی ممانعت کی تھی ایک موقع پر اپنے سپہ سالاروں اور سپاہیوں کو ایک جنگی مہم پر روانہ کرتے وقت آپ نے یہ الفاظ فرمائے تھے کہ:-

"دغابازی اور خیانت نہ کرنا، مقتولوں کی لاشوں کو پارہ پارہ نہ کرنا (مثلہ) اور کسی بچے کو قتل نہ کرنا[1]"

آپ نے ایک زرّیں اصول بھی معیّن فرما دیا تھا کہ:-

"ایمان خونریزی (یا خفیہ قتل) کا مانع ہے- کسی مومن کو خونریزی کا مرتکب نہ ہونا چاہیے[2]"

۵- ابو رافع

۵۳- ابو رافع جو سلّام بن ابو الحقیق نضری کے نام سے بھی مشہور ہے- بنی نضیر کا سردار تھا اُس نے مدینہ میں مسلمانوں سے جنگ کی تھی، اور خیبر کی طرف جلاوطن کیا گیا تھا- جنگ احزاب میں اکثر بدوی قبائل کو　**ابو رافع**

[1] مسلم- بروایت بریدہ، دیکھو مشکوٰۃ جلد پنجم باب الکتاب الی الکفار ربع سوم صفحہ ۳۳۲ مطبوعہ لاہور- ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۴- ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۵۹- [2] ابو داؤد، کتاب الجہاد جلد دوم صفحہ ۲۶-

مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے جمع کرنے میں اُس نے نمایاں حصّہ لیا، جبکہ اُنہوں نے مدینہ کا محاصرہ کیا تھا۔ بعد ازآں اُس نے بنی فزارہ اور دیگر بدوی قبائل کو مسلمانوں پر چھاپا مارنے اور لُوٹ مار کرنے کے لئے جوش دلایا۔ مسلمانوں کی ایک جماعت اُس کو مناسب سزا دینے کے لئے روانہ کی گئی، جس کے ہاتھوں وہ مارا گیا۔ مگر اُس کے قتل کے بیانات تناقض اور اختلافات سے مملو ہیں۔ تاہم ان مختلف حکایتوں میں سے کسی میں یہ نہیں بیان کیا گیا کہ آنحضرت صلعم نے **ابورافع** کے خفیہ قتل کا حکم دیا ہو، **ابن اسحاق** نے تو ابورافع کا ذکر مطلق نہیں کیا۔

ابن ہشام لکھتا ہے کہ:۔

"ابورافع فوج احزاب کو آنحضرت صلعم کے مقابلہ میں لایا تھا، اور قبیلہ خزرج کے بعض اشخاص نے اُس کے قتل کی اجازت طلب کی تھی، اور آنحضرت صلعم نے اُنکو اجازت دیتی[1]"

سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے اُن کو حکم دیا تھا کہ "ابوالحقیق کا کام تمام کردیا جائے[2]" مگر **کاتب واقدی** (ابن سعد) جس کی صاحب موصوف پیروی کرتے ہیں، صرف اس قدر لکھتا ہے کہ "آپ نے اُس کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا" ابن سعد کے اصل الفاظ یہ ہیں "**وامرھم بقتلہ**"۔ "**کسی شخص کا کام تمام کردینا**" پوشیدہ قتل عمد کا مفہوم پیدا کرتا ہے۔ "جو خفیہ قتل یا خونریزی" کا مرادف ہے، مگر اصل کتاب کے الفاظ کا مفہوم ایسا نہیں ہے۔ **ایک جماعت کو دشمن[1] کے قتل کرنے یا اُس[2] سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کرنا**، دونو باتوں کا مطلب ایک ہی ہے، اور ایسا

---

[1] سیرت محمدی (بربنائے محمد ابن اسحاق) از عبدالملک ابن ہشام صفحہ ۷۱۴۔ اور ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۱۲۔

[2] سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد چہارم صفحہ ۱۴۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۶

فعل جنگی قانون یا قانون بین الاقوام کے بموجب جائز ہے، کیونکہ عرب کا طریقہ جنگ اکثر یہ تھا کہ ایک آدمی سے ایک ہی آدمی لڑتا تھا۔

۶- اُسیر بن زارم[۱]

۵۴- اُسیر بن زارم جو بنی نضیر کا سردار تھا، مسلمانانِ مدینہ سے سخت عداوت رکھتا تھا، اور مسلمانوں سے لڑنے کے لئے ایک مخالف قبیلہ یعنے بنی غطفان کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ اس قبیلہ کی طرف سے مدینہ پر تاخت و تاراج کرنے کی غرض سے سُرعت کے ساتھ تیاریاں کی گئیں، اور اُسیر اس مہم کا ہیرو (سردار) قرار دیا گیا۔ اس پر آنحضرتؐ نے اُس فتنہ انگیز باغی کو مدینہ میں لے آنے کا کام عبداللہ بن رواحہ اور بعض دیگر اشخاص کے سپرد کیا، اور یہ وعدہ کیا گیا کہ اگر عبداللہ پیغمبر (صلعم) کی خواہش کے مطابق اُسیر کو سمجھا کر لے آئے تو اُس کو یعنے (اُسیر بن زارم) کو خیبر[۲] کا گورنر (حاکم) بنایا جائے گا، اور اُس کے ساتھ نمایاں اعزاز و اکرام کا برتاؤ کیا جائے گا۔ اُسیر نے حکم کی تعمیل کی اور مع اپنے ہمراہیوں کے مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ عبداللہ

اُسیر بن زارم

---

[۱] یہ شخص یسیر بن زارم کے نام سے بھی مشہور ہے۔ ملاحظہ ہو ابن ہشام صفحہ ۹۸۰۔

[۲] چونکہ خیبر اس وقت تک فتح نہیں ہوا تھا اس لئے نہ تو آنحضرتؐ ایسا وعدہ کر سکتے تھے اور نہ یہودیوں کو اس بات کے یقین کرنے کی ترغیب ہو سکتی تھی اس لئے یہ داستان غلط ہے خلیفہ سید محمد حسن صاحب مرحوم نے اپنی کتاب اعجاز التنزیل صفحہ ۹۹-۳ مطبوعہ ۱۳۰۶ھ اور سر سید احمد خاں مرحوم نے اپنی تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۸۹ مطبوعہ علیگڑھ ۱۳۰۶ھ میں غلط لکھا ہے کہ اُسیر بن زارم حکومت خیبر کے لالچ کی وجہ سے عبداللہ بن رواحہ کے ساتھ مدینہ آنے پر راضی ہو گیا، تاریخ سے ثابت ہے کہ اُسیر بن زارم شوال ۶ھ میں قتل ہوا، اور خیبر جمادی الاول ۷ھ میں فتح ہوا۔ یعنے قتل اُسیر بن زارم کے ایک سال کے بعد۔ ایسی حالت میں آنحضرتؐ اُسیر بن زارم کو ایسی حکومت کا لالچ کیونکر دے سکتے تھے کہ جو ہنوز اُن کے قبضہ میں نہیں آئی تھی۔ (ملاحظہ ہو ابن سعد جلد دوم صفحہ ۶۶ و ۶۷ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء اور ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۶۵ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۷ء)۔

بن اُنیس اور اُسیر ایک ہی اُونٹ پر سوار تھے۔ ابھی چھ میل بھی نہیں چلے تھے کہ اُسیر اپنی روانگی مدینہ کے ارادہ پر پشیمان ہوا، اُس نے عبداللہ کی تلوار کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا، عبداللہ نے اُونٹ سے کُود کر اُسیر کی ٹانگ کاٹ ڈالی، اُس نے بھی اس اثناء میں اپنے ڈنڈے سے جس سے اُونٹ کو ہانک رہا تھا عبداللہ کے سر کو زخمی کیا[۱]۔

اب خواہ اُسیر خفیہ طور پر قتل کیا گیا ہو، یا دغا سے مارا گیا ہو، خواہ اس نے فریب کا ارادہ کیا ہو، اور عبداللہ نے حفاظت خود اختیاری کے طور پر اُس کو قتل کیا ہو، خواہ کچھ ہی صورت ہو اُسیر کی موت کے بیان میں یقیناً کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ آنحضرت م نے اُس کو "خفیہ پیغام دے کر اُس یہودی سردار کا کام تمام کرنے کے لئے بھیجا تھا۔" جیسا کہ سر ولیم میور تصریح کرتے ہیں[۲]۔ قدیم ترین مؤرّخین مثلاً ابن اسحاق نے اس حکایت کو بیان کیا ہے، اور زمانہ مابعد کی روایات غیر مطابق یکطرفہ، اور ناقص ہیں۔ باوجود ان غلطیوں کے کسی بیان سے ہم کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اُسیر کو قتل کرنے یا اُس سے لڑنے کے لئے احکام جاری کیئے گئے ہوں، اور خُفیہ طور پر قتل کرنے کا تو احتمال بھی نہیں۔

۷۔ اقدام قتل ابوسُفیان بن حرب

۵۵۔ ابوسُفیان نے آنحضرت م کے خُفیہ قتل کرنے کے لئے ایک بدوی عرب کو مدینہ روانہ کیا تھا۔ اس قاتل کی بدنیّتی کا پتہ لگ گیا۔ اقدام قتل ابوسُفیان

[۱] ابن ہشام صفحہ ۹۸۰- ۹۸۱ + ابن سعد جلد دوم صفحہ ۶۶-

[۲] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۳۱ و ۱۷- حیون الاثر صفحہ ۲۵۷ نسخہ قلمی کتب خانہ آصفیہ نمبر ۶۷ فن سیر ملاحظہ ہو۔

اور جس غرض سے وہ آیا تھا، اُس نے اُس کا اقرار کرلیا- ابن سعد کاتب واقدی نے بیان کیا ہے کہ :-

"آنحضرت ؐ نے اسی وجہ سے عمرو بن اُمَیّہ ضُمری کو ابو سُفیان کے قتل کے لئے بھیجا تھا[1]"

ہشامی کے قول کے موافق آنحضرت ؐ نے خُبیب بن عدی اور اس کے رفقا کے قتل کا براہ راست انتقام لینے کے لئے جو بمقام رجیع قتل کئے گئے تھے، عمرو بن اُمَیّہ ضُمری کو ابوسفیان سے لڑنے اور اُس کو قتل کرنے کی غرض سے مامور کیا تھا[2]- اب ابن اسحاق اور واقدی اس بارہ میں بالکل خاموش ہیں، ابن ہشام قتل کی بابت کچھ ذکر نہیں کرتا- صرف ابن سعد کاتب واقدی نے یہ روایت درج[3][5] کی ہے کہ آنحضرت ؐ نے قتل ابو سُفیان کا حکم دیا تھا، جس سے زمانۂ مابعد کے مؤرّخوں نے نقل کیا ہے- اس روایت کی تقویت کے لئے کوئی خالص اور بے لوث شہادت موجود نہیں ہے، اور نہ یہ روایت واقعی اور صحیح ہے، یہی وجہ ہے کہ ابن اسحاق بلکہ واقدی نے بھی، جو وضعی روایتوں کے نقل کرنے پر زیادہ مائل ہے، اس کو قبول نہیں کیا-

۵۶ مسٹر واشنگٹن آئرونگ اقدامِ قتل مذکور کا حوالہ دے کر حسب ذیل لکھتے ہیں :-

آئرونگ اور میور صاحبان کے اقوال اور اس امر میں مصنف کی آخری بحث

"محمد (صلعم) اپنی زندگی کے اس زمانہ میں، کئی مرتبہ قاتلوں کے ہاتھوں سے قتل ہوتے ہوتے بال بال بچے- خود آنحضرت ؐ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اپنے دشمن سے رہائی پانے کے لئے آپ نے (معاذ اللہ) عیارانہ وسائل

[1] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۲۰- یا ابن سعد اصل عربی جلد ۲ صفحہ ۶۸ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء-
[2] ابن ہشام صفحہ ۹۹۲-۹۹۳ مطبوعہ یورپ- [3] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۶۸- [4] ابن ہشام صفحہ ۳۶۳- ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۲۴- بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۲۵۰-

"کو استعمال کیا، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ آپ نے ابوسفیان کے قتل کے لئے عمرو بن اُمیہ ضمری
"کو خفیہ پیغام دے کر بھیجا تھا مگر سازش کُھل گئی اور قاتل نے تیزی کے ساتھ بھاگ کر اپنی
"جان بچائی۔ مگر یہ الزام اچھی طرح ثابت نہیں ہوتا، اور یہ امر (کسی کو خفیہ طور پر قتل کرانا)
"آنحضرت ﷺ کی عام خصلت اور سیرت کے برخلاف ہے[1]"

سر ولیم میور لکھتے ہیں :۔

"اس امر میں امکان کا شائبہ ہے کہ یہ روایت بنی اُمیہ کے فریق مخالف نے ابوسُفیان کو
"بدنام کرنے کی غرض سے وضع کی ہو، کہ وہ ایسا شخص تھا کہ محمد (صلعم) نے اس کو کشتنی
"و گردن زدنی سمجھا تھا۔ مگر اُن روایتوں کی شہادت کے مقابلہ میں جو بظاہر بے لاگ ہیں اور
"جن پر مؤرّخین کا اتّفاق ہے، ایسا خیال قابل وقعت نہیں ہے[2]"

مگر حقیقت یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے حکمِ قتلِ ابوسُفیان کی بابت ایسی روایات کا وجود نہیں ہے جو بظاہر بے لاگ ہوں، اور جن پر مؤرّخین کا اتّفاق ہو، ایک اَور صرف **ایک روایت ابن سعد کی ہے**، جو بالکل غیر معتبر ہے، اور وہ بھی اُسی شخص کی زبانی جو قتل کا اقدام کرنے والا تھا، یہ شخص اسلام سے پیشتر ایک پیشہ ور قتّال و سفّاک اور ڈاکو تھا، لہٰذا اس کا بیان ہمارے لئے لائق اعتبار نہیں ہے۔

اگر بالفرض یہ امر تسلیم کر لیا جائے کہ آنحضرتؐ نے **ابوسفیان** کے قتل کیلئے جو آپکے قتل کے لئے پہلے ہی کسی شخص کو بھیج چکا تھا، ضرور کسی آدمی کو روانہ کیا تھا، جیسا کہ ابن سعد نے بیان کیا ہے، تاہم یہ فعل مدافعت اور حفاظت خود اختیاری کے لحاظ سے حق بجانب تھا۔ یہ ایک طرح کا انتقام تھا، انتقام محض نہیں، بلکہ صرف ایسا ذریعہ تھا

[1] "محمد اور آپ کے جانشین" از واشنگٹن آئرونگ صفحہ ۱۱۸ مطبوعہ لندن ۱۸۶۹ء۔
[2] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم، صفحہ ۲۰ فٹ نوٹ۔

جس سے اپنی جان کی حفاظت، اور دشمن کو اُس کے فعل کی جزا دینی مقصود تھی۔ اور یہ بات جنگی قانون کے بموجب جائز ہے[1]۔

باب دہم

قیدیان جنگ وغیرہ کے قتل میں ادّعائی بے رحمیاں

قیدیاں جنگ کے ساتھ سلوک

۵۷۔ بعض جنگ کے قیدیوں کو قوانین جنگ کے موافق اُن کے جُرموں کی پاداش میں قتل کی سزا دی گئی تھی۔ جس کے وہ مستحق تھے۔ بعض یورپین مؤرّخ، جنھوں نے آنحضرت ؐ کی سیرت لکھی ہے، یہ دعوے[1] کرتے ہیں کہ اُن قیدیوں کا قتل بیرحمانہ تھا، اور کُفر اور پولٹیکل (سیاسی) مُخالفت کے سوا اُن کا کوئی جُرم نہ تھا[2]۔

مقتول اشخاص حسب ذیل تھے:۔

۱۔ نضر بن حارث۔

۲۔ عقبہ بن ابی معیط۔

۳۔ ابو عزہ شاعر۔

۴۔ مُعاویہ بن مُغیرہ۔

قیدیان جنگ کی بابت قانون اقوام۔

۵۸۔ ہر ایک قیدی کی حالت پر نظر کرنے سے پہلے بطور تمہید مجھے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ قانون بین الاقوام اور قانون جنگ

---

[1] دیکھو "مضامین پولٹیکل سائنس" از فرانسس لیبر ایل۔ایل۔ڈی جلد دوم صفحہ ۲۵۰۔

[2] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۳۰۷۔

کی رو سے جنگ کا قیدی ایک پبلک (ملکی) دشمن ہے، خواہ وہ مُسلّح ہو یا جنگ میں مدد دینے کے لئے مخالف کی فوج میں شامل ہو، اور جو میدان جنگ میں لڑتا ہوا یا مجروح ہوکر ہسپتال میں زیر علاج ہو، شخصی حیثیت سے اپنے آپ کو دُشمن کے حوالے کردے یا بذریعہ عہد و پیمان کے، غرضیکہ گرفتار کنندوں کے ہتّے چڑھ جائے، خواہ کسی طرح ہو، ایسا شخص دشمن ہی سمجھا جائیگا۔ **تمام سپاہی** خواہ کسی قسم کے ہتھیاروں سے مسلّح ہوں، **تمام اشخاص** جن کا تعلق مخالف مُلک کے عام بلوے سے ہو، **تمام لوگ** جو فوج کی قوّت بڑھانے، اور بلاواسطہ مقصد جنگ کو ترقّی دینے کے لئے فوج سے تعلّق رکھتے ہوں، بجز ایسے اشخاص کے جو **مذہبی پیشوا** (عبّاد و زہّاد و علمائے دین) ہوں، یا طبیب، ڈاکٹر، ملازمان شفاخانہ اور دایہ کی حیثیت سے شریک جنگ ہوں، تمام معذور اور بیکس آدمی، **یا افسران فوج**، خواہ میدان جنگ میں ہوں یا کہیں اَور، اگر وہ گرفتار ہو جائیں، **تمام دشمن** جو ہتھیار ڈال کر پناہ مانگ لیں، یہ سب قیدیان جنگ ہیں، اور اسی لئے جو مصیبتیں لڑائی کے قیدی کو جھیلنی پڑتی ہیں، اُن کو بھی جھیلنی پڑتی ہیں، اور جن حقوق کا وہ مستحق ہے وہی حقوق اُن کو دئے جاتے ہیں۔ ایک پبلک (ملکی) دُشمن ہونے کی حیثیت سے وہ کسی سزا کا مستوجب نہیں ہے، اور نہ اس سے کوئی انتقام لیا جاتا ہے، مثلاً یہ کہ فاتح قوم کی طرف سے قیدی کو تکلیف یا ذلّت دی جائے، اُس کو بیرحمی سے قید کیا جائے، بھوکا مارا جائے، قتل کیا جائے، اُس کی لاش کو پارہ پارہ کیا جائے، یا اُس کے ساتھ کوئی اَور وحشیانہ بیرحمی کی جائے۔ مگر لڑائی کا قیدی اپنے اُن جرموں کا جوابدہ رہتا ہے جو اس نے گرفتاری سے پہلے، گرفتار کنندہ کے لشکر یا اُس کی قوم کے برخلاف کئے ہوں، اور جن کی سزا اُس کے اپنے حُکّام نے اُس کو نہیں

دی۔ جملہ قیدیان جنگ اس امر کے مستوجب ہیں کہ اُن کے جرائم کا اُن سے انتقام لیا جائے۔

۱۔ نضر بن حارث

۵۹۔ قیدیان جنگ میں سے ایک شخص مسمّی نضر بدر کی لڑائی کے بعد اس جرم کی وجہ سے قتل کیا گیا کہ اُس نے مسلمانان مکہ کو سخت اذیتیں دی تھیں۔ نضر بن حارث نے اصحاب رسول کو جو سخت تکلیفیں پہنچائی تھیں مصعب نے وہ سب اس کو یاد دلائی تھیں (واقدی صفحہ ۱۰۱) لہٰذا قتل نضر کے معاملہ میں آنحضرت صلعم کی طرف سے اپنے دُشمنوں کے ساتھ کسی بیرحمی یا کینہ وری کا جوش ظاہر نہیں کیا گیا، جیسا کہ سر ولیم میور نے بیان کیا ہے[۱]۔ برعکس اس کے بعض محققین مثلاً ابن مندہ اور ابو نعیم نے اُس کے قتل کا انکار کیا ہے۔ (زرقانی جلد اول صفحہ ۵۱۴) وہ یہ کہتے ہیں کہ نضر بن حارث ۸ھ میں جنگ حُنین میں موجود تھا جو جنگ بدر سے چھ سال بعد واقع ہوئی تھی، اور آنحضرت صلعم نے اُس کو سَو اُونٹ دئے تھے۔ سر ولیم میور نے بھی نہایت خاموشی سے ایک فٹ نوٹ میں (جلد ۴ صفحہ ۱۵۱) نضر بن حارث کا نام درج کیا ہے کہ اُس کو بمقام حُنین سَو اُونٹ دئے گئے تھے[۲]۔ اسی نضر بن حارث کا نام اُن قدیم ترین مہاجرین کی فہرست میں دکھایا گیا

[۱] محمد (صلعم) نے اپنے دشمنوں کے ساتھ بیرحمی اور کینہ وری کا جوش سب سے پہلے بمقام اثیل ظاہر کرنا شروع کیا تھا۔ (میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۱۱۵)۔ اس کے بعد مصنف قتل نضر کا حال بیان کرتا ہے۔ ابن ہشام صفحہ ۴۵۸۔ واقدی صفحہ ۱۰۸۔ ابو داؤد جلد دوم صفحہ ۱۰۔ ابن ہشام اور ابن سعد نے یہ داستان بیان نہیں کی۔

[۲] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۱۱۰ میں بھی نضر کا نام اُن لوگوں کی فہرست میں درج ہے جن کو غنیمت حُنین میں سے سَو اُونٹ دئے گئے تھے۔

ہے جو ہجرت کر کے ابی سینا کی طرف چلے گئے تھے (زرقانی جلد اول صفحہ ۵۴۲)

ان اختلافات سے اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ قتل نضر کی داستان محض جھوٹی ہے۔ جن راویوں نے بمقام بدر نضر کے قتل ہونے کا ادعا کیا ہے وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اُس کی بیٹی یا بہن نے آنحضرت کے پاس آکر چند اشعار پڑھے، جن کو سُن کر آپ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اور آپ نے یہ فرمایا کہ "اگر میں پہلے یہ اشعار سنتا، تو اُس کے قتل کا حکم نہ دیتا"۔ جو اشعار آنحضرت ؐ نے سُنے تھے اُن میں سے ایک یہ ہے:-

ماکان ضرک لومننت وربما   من الفتیٰ وھو المغیظ المحنق

(ترجمہ) "اگر آپ احسان کر کے اُس کو آزاد کر دیتے، تو اس سے کوئی نقصان نہ ہوتا، اور بسا اوقات ایک جوانمرد ایسی حالت میں کہ وہ غیظ وغضب میں مبتلا ہو، دوسروں پر احسان کرتا ہے"۔

مگر زبیر بن[1] بکار کہتا ہے کہ:-

"میں نے بعض اہل علم کی گفتگو سُنی ہے جنہوں نے ان اشعار پر اس لئے اعتراض کیا ہے
"کہ وہ بالکل موضوع اور کسی دوسرے شخص کے گھڑے ہوئے ہیں، اور میں خیال کرتا ہوں
"کہ قتل نضر کی تمام داستان دروغ محض ہے[2]"۔

۲- عقبہ بن ابی معیط

۶۰- ایک اور قیدی مسمّٰی عقبہ بن ابی معیط ایسے ہی جُرم کی پاداش

[1] زبیر بن بکار یعنے ابو عبد اللہ نے ۲۵۶ھ میں بمقام مکہ معظمہ ایسے حال میں انتقال کیا جبکہ آپ وہاں کے قاضی تھے۔ ملاحظہ ہو الفہرست ابن ندیم صفحہ ۱۱۰ مطبوعہ یورپ ۱۸۷۲ء۔ آپ مشہور زبیر بن العوام کی اولاد میں سے ہیں۔

[2] زرقانی جلد اول صفحہ ۵۴۲ مطبوعہ مصر میں نضر بن حارث کی یہ تمام فرضی داستان نقل کی گئی ہے۔

قتل عقبہ میں جیسا کہ **نضر** کا جُرم تھا، بدر کی لڑائی کے بعد قتل کیا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت وہ قتل ہونے کو تھا، اُس نے سوال کیا کہ "میری چھوٹے لڑکے کی خبر گیری کون کرے گا؟" محمد (صلعم) نے جواب دیا "دوزخ کی آگ"! **یہ حکایت بالکل وضعی اور جعلی ہے**، اور اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ **عقبہ** کا تعلق قبیلہ "بنی نار" سے تھا، جس کا ترجمہ ہے "**آگ کے بچے**"۔ **واقدی** اس حکایت کی اسناد بیان نہیں کرتا، اور **ابن اسحاق** اپنے سے پیشتر صرف ایک سند بیان کرتا ہے، جس کی اسناد کا ایک اور درمیانی سلسلۂ مقام واقعہ تک منقطع ہے۔ **ابو داؤد** نے **مسروق** سے اس کی روایت کی ہے، اور اس نے **عبداللہ بن مسعود**رضؓ کی سند پر اُس کو بیان کیا ہے، **عبداللہ بن مسعود**رضؓ نے نہ تو یہ ذکر کیا کہ وہ اس موقع پر موجود تھے۔ اور نہ یہ بھی بیان کیا کہ انہوں نے بواسطہ یا بلاواسطہ آنحضرتؐ سے سُنا تھا۔ علاوہ بریں جن حالات میں **مسروق** نے اس داستان کو بیان کیا ہے، وہ نہایت مُشتبہ ہیں، اور ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں اختراع اور بُہتان سے کام لیا گیا ہے۔ **ضحاک ابن قیس** نے ایک ضلع کا انتظام سپرد کئے جانے کے لئے **مسروق** کو تجویز کیا تھا۔ **عمارہ بن عقبہ** نے اس پر اعتراض کیا، کیونکہ مسروق حضرت عثمان خلیفہ ثالث کے قاتلوں میں سے تھا۔ **مسروق** نے اس کے جواب میں بروایت **ابن مسعود**، عمارہ سے یہ کہا کہ "جب تیرا باپ قتل ہونے کو تھا تو اُس نے **آنحضرت**ؐ سے سوال کیا کہ "میرے چھوٹے لڑکے کی خبر گیری کون کرے گا"۔ **آنحضرت**ؐ نے فرمایا "دوزخ کی آگ"۔ لہٰذا میں تیرے لئے اسی شئے سے خوش ہوں جو **آنحضرت**ؐ نے تیرے باپ کے لئے پسند کی تھی[1]

[1] ابوداؤد صفحہ ۴۵۴۔ لاہور

عقبہ کے طریق قتل میں اور نیز اُس کے قاتل کی بابت اختلاف ہے۔ ابن اسحاق کا بیان یہ ہے کہ عاصم نے اس کو قتل کیا، اور ابن ہشام کا قول ہے کہ حضرت علی نے قتل کیا۔ ابراہیم التیمی کی رائے یہ ہے کہ عقبہ بمقام عرق الظبیہ قتل کیا گیا، اور محمد بن خبیب ہاشمی کی رائے یہ ہے کہ وہ مصلوب ہوا، جس سے دیگر مورخین کو اختلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اس کا سر قلم کیا گیا تھا۔ ان وجوہات کی بنا پر مجھے عقبہ کے قتل کئے جانے کا بالکل یقین نہیں ہے +

ایک لڑائی کے قیدی مسمٰے ابوعزہ کو بلا معاوضہ آزاد کیا گیا

۶۱۔ ابوعزہ جو اسیران بدر میں سے تھا، اور منجملہ اُن اشخاص کے تھا جو مسلمانان مکہ کو اذیت پہنچاتے تھے، اُس نے آنحضرت سے التجا کی کہ میری پانچ بیٹیوں پر رحم کھا کر مجھے چھوڑ دیا جائے۔ آنحضرت نے اُس کی جان بخشی کی اور اُس کو آزاد کر دیا۔[۳] یہ واقعہ صاف طور پر پیغمبر (صلعم) کی عام فیاضی اور جوانمردی پر دلالت کرتا ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل عقبہ کی داستان آنحضرت کے عام اخلاق و عادات کے برخلاف ہے۔ ان وجوہ سے عقبہ کے قتل کی حکایت کو ایک افسانہ سمجھ کر بخوبی رد کر سکتے ہیں۔

۳۔ ابوعزہ شاعر (عمر بن عبد اللہ)

ابوعزہ باغی ثابت ہوا اور قتل کیا گیا

۶۲۔ ابوعزہ کو جو اسیران بدر میں سے تھا، بغیر کسی فدیہ کے اس شرط

[۱] زرقانی جلد اول صفحہ ۵۱۴۔ مطبوعہ مصر
[۲] سیرت حلبی جلد دوم صفحہ ۲۷۱۔ مطبوعہ مصر۔
[۳] واقدی صفحہ ۱۰۵۔ انسان العیون یا سیرت حلبی جلد دوم صفحہ ۶۴ مطبوعہ مصر۔ ابن ہشام صفحہ ۵۵۶ یا ۵۹۱۔ مطبوعہ یورپ۔

پر آزاد کیا گیا تھا کہ وہ آنحضرت ؐ کے برخلاف کسی جنگ میں پھر کبھی ہتھیار نہ اٹھائے مگر وہ دغاباز ثابت ہوا۔ اُس نے عربوں کو آنحضرت ؐ سے لڑنے کی ترغیب دی، اور خود بھی مکّہ کی حملہ آور فوج کے ساتھ شامل ہوا۔ اُس پر سزا کا فتوےٰ جاری ہوا، اور وہ بمقام حمراء گرفتار کیا گیا، اور اس کو حسب ضابطہ سزاے موت دی گئی[1] یہ **قتل جنگ کے قوانین و دستورات کے بالکل مطابق تھا**۔ (دیکھو فقرہ ۵۸ کتاب ہذا)۔

۴۔ معاویہ بن مغیرہ

۶۳۔ معاویہ بن مغیرہ بھی لڑائی میں قید ہو کر آیا تھا، اُس کو تین دن کی مُہلت اس شرط پر دی گئی کہ اگر مدّت معیّنہ کے بعد وہ مدینہ میں موجود پایا گیا تو قتل کیا جائے گا۔ مدّت منقضی ہو گئی اور وہ پھر بھی مدینہ میں چھپا بیٹھا رہا۔ آخر کار اس کا پتہ لگ گیا، اور زید اور عمار نے حمراء الاسد سے واپس آنے پر پانچ چھ روز بعد اس کو قتل کر دیا۔ ظاہر ہے کہ معاویہ نے مقررہ معاہدہ کے خلاف کیا، اور اُس کا مدینہ میں پوشیدہ طور پر قیام رکھنا جاسوس یا مُخبر کی حیثیت[2] سے ہوگا، جو خفیہ طور پر اطلاع حاصل کرنا یا بھید لینا چاہتا ہو۔

قتل معاویہ بن مغیرہ

۶۴۔ سر ولیم میور جنہوں نے اس شخص کا نام عثمان بن مغیرہ لکھا ہے اُس معاملہ میں اس کے حامی و مددگار ہیں۔ صاحب موصوف

قتل ابن مغیرہ کا حق بجانب ہونا

[1] واقدی صفحہ ۵۰۱ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۶ء ہشامی صفحہ ۵۹۱۔ انسان العیون یا سیرت حلبی صفحہ ۲۶۴ مطبوعہ مصر + عیون الاثر فی المغازی والسّیر صفحہ ۳۲۸۔ قلمی نایاب در کتب خانہ آصفیہ۔
[2] ابن ہشام صفحہ ۵۹۱۔ واقدی صفحات ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ زرقانی جلد ۲ صفحہ ۷۲۔

لکھتے ہیں کہ:-

"وہ اپنی رعایت کی مدت کے آخری دن تک بے احتیاطی اور بے پرواہی سے مدینہ میں "ٹھیرا رہا، اور اس وقت وہ مکہ کو روانہ ہوا"۔[۱]

مگر **ابن ہشام** نے صاف طور پر لکھا ہے کہ" وہ تین دن کے بعد تک مدینہ میں ٹھیرا رہا اور وہیں چھپا ہوا پایا گیا"۔ **واقدی** کی روایت کے موافق بھی وہ چوتھے دن گرفتار ہوا تھا۔ مگر یہ امر حقیقت سے بعید ہے، کیونکہ خود **واقدی** کا بیان ہے کہ آنحضرت ؐ جنگ اُحد کے بعد **حمراء الاسد** میں پانچ روز مقیم رہے، پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ **ابن مغیرہ** نے چوتھے ہی دن **حمراء الاسد** سے واپس آنے والی اسلامی فوج سے بچ نکلنے کی کوشش کی ہو اور وہ اُسی روز رستہ بھول گیا ہو، جیسا کہ **سر ولیم میور** ظاہر کرتے ہیں -

ایک دشمن جس نے مدینہ پر چڑھائی کی اور آنحضرت ؐ پر حملہ کیا تھا اُس کو گرفتاری کے بعد صاف اور واضح شرطوں پر تین دن کی مہلت دی گئی کہ" اگر تم تین دن کے بعد یہاں موجود پائے گئے تو قتل کئے جاؤ گے"۔ اس کی سواری کے لئے **اونٹ** اور **زاد راہ** مہیا کر دیا گیا تھا، وہ پانچویں یا چھٹے روز اُسی جگہ کے قریب چھپا ہوا پایا گیا، جس کی وجہ سے اس کی جان گئی۔ یہ ہے امر واقعی مگر **سر ولیم میور** مغیرہ کے قتل کی بابت یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ وہ "اپنے دشمن (یعنی آنحضرت ؐ) کی فیاضی پر حد سے زیادہ بھروسا کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوا"۔[۲]

---

[۱] سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد سوم صفحہ ۱۸۵۔

[۲] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۱۸۵۔

اقدامِ قتلِ اسیران بدر

۶۵۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ :۔

اسیران بدر کی بابت سر ولیم میور کا غلط ترجمہ

"یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنگ بدر کے بعد تمام قیدیوں کو قتل کر دینے
"کا خیال کیا گیا تھا۔ روایت میں وارد ہوا ہے کہ خود آنحضرت ؐ نے
"اس فعل کی ہدایت کی تھی"

ایک فٹ نوٹ میں صاحب موصوف لکھتے ہیں :۔

"پس محمد (صلعم) نے کہا 'سعید سے اُس کے بھائی کی موت کا ذکر نہ کرنا' (یعنی معبد جو
"ایک قیدی تھا' (دیکھو حوالہ بالا صفحہ ۱۰۱ نوٹ) "مگر تم میں سے ہر شخص اپنے قیدی کو
"قتل کرے"۔ (واقدی صفحہ ۱۰۰)۔

پھر صاحب موصوف یہ بھی لکھتے ہیں :۔

"کوئی شخص اپنے بھائی کو قید نہ کرے بلکہ اُس کو قتل کرے" (صفحہ ۱۰۱)۔ مگر میں ان روایتوں
"پر زیادہ زور دینا نہیں چاہتا، بلکہ میرا میلان یہ ہے کہ یہ روایتیں قرآن (مجید) کی مندرجہ
"ذیل آیتوں کی بنا پر وضع کی گئی ہیں"[1]

ان روایتوں سے جن کو خود سر ولیم میور موضوع سمجھتے ہیں۔ قتل اسیران کے خیال کی تائید نہیں ہوتی۔ **واقدی** کی جن روایتوں کا حوالہ اوپر درج کیا گیا ہے، اُن کا صحیح ترجمہ حسب ذیل ہے :۔

پہلی عبارت "سعید سے اُس کے بھائی کے قتل (یعنے مقتول ہونے) کا حال بیان نہ کرنا' پس وہ ہر ایک قیدی کو جو تمہارے قابو میں ہے، قتل کر دے گا" (واقدی صفحہ ۱۰۰)۔ اس کا مطلب صاف صاف یہ ہے کہ **سعید** کو

[1] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۱۱۷۔

اس بات کی اطلاع نہ ہونے دینا کہ اُس کا بھائی جو عمر یا ابوبردہ کے ہاتھوں مقید ہو کر مقتول ہوا تھا، قتل کیا گیا ہے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو وہ غضبناک ہو کر ہر ایک قیدی کو جو اَب تمہارے قبضہ میں ہے، قتل کر دے گا۔ یہ نہایت عجیب بات ہے کہ سر ولیم میور اس جملہ کا ایسا ترجمہ کرتے ہیں کہ اُس کا مطلب یہ ہو جاتا ہے کہ "تم میں سے ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کر دے"!

دوسری عبارت "کسی شخص کو اپنے بھائی کے قیدی کو نہیں لے جانا چاہیئے تاکہ وہ قتل کیا جائے"۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم میں سے کسی کو دوسرے شخص کا قیدی نہیں دینا چاہیئے۔ اگر تم ایسا کرو تو شاید دوسرا شخص لڑائی میں اُس قیدی کو مار ڈالے۔ **سر ولیم میور نے اس جملہ کا مطلب بالکل غلط سمجھا ہے**۔

۶۶۔ چند موضوع روایتیں اس مضمون کی ہیں کہ قرآن مجید (سورہ انفال ۸۔ آیت ۶۸-۶۹) میں **اسیران بدر** کو رہا کر دینے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ پر عتاب نازل ہوا تھا، جن کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو لازم تھا کہ اُن کو قتل کر دیتے۔ آیات مذکورہ کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:-

> قیدیوں کو آزاد کرنے کی وجہ سے قرآن میں آنحضرتؐ پر کبھی عتاب نازل نہیں ہوا

مَاكَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۞ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۞ (الانفال ۸ آیات ۶۸-۶۹)

"نبی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اُسکے پاس قیدی رہیں جب تک (حتّٰی) کہ وہ ملک میں خونریزی نہ کر لے تم تو دُنیا کا مال و متاع چاہتے ہو اور اللہ آخرت (کی نعمتیں) دینی چاہتا ہے اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ اگر خدا کی طرف سے (معافی کی) تحریر نہ ہو چکی ہوتی، توجو کچھ تم نے (فدیہ) لیا ہے، اسکی سزا میں ضرور تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا"۔ (الانفال ۸ آیات ۶۸-۶۹)

آیت نمبر ۶۸ کا اگر صحیح ترجمہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قیدیوں کو قتل نہیں کرنا چاہیئے۔ لفظ "حتّےٰ" کے معنے ہیں "یہاں تک" یا "جب تک نہ" اور یہی لفظ علّت یا سبب کا کام بھی دیتا ہے۔ میں دوسرے معنے کو ترجیح دیتا ہوں اور اس طرح ترجمہ کرتا ہوں :۔

"کسی نبی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ قیدی اُس کے پاس اس غرض رہیں (یا لائے "جائیں) کہ وہ ملک میں خونریزی کرے"۔

اس کا **مطلب** یہ ہے کہ نبی کے لئے یہ بات زیبا نہیں ہے کہ اسیران جنگ کو اس غرض سے گرفتار کرے کہ اُن کو قتل کر دیا جائے۔ یہ مفہوم قرآن مجید کی دوسری آیت کے موافق ہے (دیکھو سورۂ محمد ۴۷۔ آیت ۴)، یہ آیت اسیرانِ جنگ کے ساتھ سلوک کی دو صورتوں میں سے ایک صورت پیش کرتی ہے، یعنے یا تو ان کو احساناً (بلا معاوضہ) چھوڑ دیا جائے یا فدیہ (معاوضہ) لے کر۔

اس آیت میں اوّل تو اُن لوگوں پر عتاب ہے جو قیدیوں کو قتل کرنا چاہتے تھے (نہ کہ آنحضرت صلعم پر) اور دوسرے اُن لوگوں پر جو اُن کو آزاد کرنے کے لئے فدیہ لینا چاہتے تھے۔ اُن کو چاہیئے تھا کہ بدون کسی مالی منفعت کے قیدیوں کو آزاد کر دیتے، اگر وہ اُن کی بلا معاوضہ آزادی میں کوئی خوبی سمجھتے۔

اسیران جنگ کے ساتھ آنحضرت صلعم کا فیاضانہ سلوک

۷۶۔ آنحضرت صلعم اسیران جنگ سے ہمیشہ مہربانی کا برتاؤ کرتے تھے، اور اُن کو قتل کرنے یا قید کرنے کے قدیم دستور کو قرآن مجید نے بہت کچھ متروک اور (آخر کار) منسوخ کر دیا تھا:۔

قرآن مجید میں ہے:۔

قرآن مجید حکم دیتا ہے کہ اسیران جنگ کو یا تو مفت چھوڑا جائے یا معاوضہ لے کر، مگر اُن کو نہ قتل کیا جائے، اور نہ غلام بنایا جائے۔

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓی اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۵ (محمد ۴۷- آیت ۴-۵)	"جب (لڑائی میں) کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو، تو اُن کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب ان کا زور توڑ لو تو اُن کی مُشکیں کس لو (یعنی قید کر لو) پھر اس کے بعد یا تو احسان رکھ کر یا معاوضہ لے کر (چھوڑ دو) یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے (لڑائی موقوف ہو جائے)"۔ (محمد ۴۷- آیت ۴-۵)

اسیران بدر کی بابت سر ولیم میور لکھتے ہیں:۔

"محمد (صلعم) کے احکام کے بموجب اہل مدینہ اور اُن مہاجرین نے جن کے پاس گھر تھے "قیدیوں کو اپنے مکانوں میں جگہ دی اور بڑی خاطر و مدارات سے اُن کے ساتھ پیش آئے"[۱]

ان قیدیوں نے بعد میں یہ کہا تھا:۔

"اہل مدینہ پر خدا کی رحمت ہو، انہوں نے ہم کو سواری دی جبکہ وہ خود پیدل چلتے تھے "انہوں نے ہم کو کھانے کے لئے گیہوں کی روٹی دی، جبکہ اس کی قلت تھی، اور خود کھجوروں "پر قناعت کی" (ابن ہشام صفحہ ۴۵۹)۔

یہ بات تعجب خیز نہیں ہے کہ جب ان قیدیوں کے دوست کچھ عرصہ بعد فدیہ دے کر اُن کو چھڑانے آئے، تو اُن میں بہتیرے آدمی جن کے ساتھ ایسا عمدہ سلوک کیا گیا تھا، علے الاعلان مسلمان ہو گئے، اور پیغمبر اسلام نے ان لوگوں کو بغیر فدیہ کے آزادی عطا فرمائی۔[۱]

بنی مصطلق کے قیدی بھی بلا ادائے معاوضہ رہا کئے گئے[۲]

---

[۱] میور صاحب کی سیرت محمدی، جلد دوم صفحہ ۱۲۲ - ۱۲۳

[۲] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۲۴۳ - ابن ہشام صفحہ ۷۲۵ - ابن سعد جلد دوم صفحہ ۴۶ -

بنی ہوازن جنگ حُنین میں قید ہوئے تھے، جو ہجرت کے آٹھویں سال میں پیش آئی تھی، مگر کسی معاوضہ (فاریہ) کے وصول کئے بغیر وہ سب آزاد کر ئے گئے پہلے آنحضرت صلعم نے اپنے قیدیوں کو رہائی دی، اور باشندگان مکّہ و مدینہ نے خوشی سے آپ کے نمونہ کی پیروی کی[۱]۔ ان قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی[۲]۔

جب آنحضرت صلعم کا لشکر ۶ھ میں بمقام حدیبیہ خیمہ زن تھا۔ اُس وقت قریش کے اسّی آدمیوں کی ایک جماعت، جیسا کہ مسلم نے اپنی "صحیح" میں بیان کیا ہے، یا حسب بیان ابن ہشام (صفحہ ۷۴۵) چالیس یا پچاس آدمیوں کی جماعت آپ کی لشکرگاہ کی چاروں طرف گشت کرتی تھی، اور ان کی غرض یہ تھی کہ بھولے بھٹکے مسلمانوں کو آنحضرت صلعم کے کیمپ (لشکرگاہ) میں شامل ہونے سے روک دیا جائے، اور چونکہ انہوں نے پتھروں اور تیروں سے خود لشکرگاہ پر بھی حملہ کیا تھا، اس لئے اُن کو گرفتار کرکے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر کیا گیا، آپ نے اپنی معمولی فیاضی سے اُن کو معاف اور آزاد کر دیا۔

خالد بن ولید نے اپنی فتح کے سال یعنے ۸ھ میں جبکہ وہ بنی جذیمہ کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجے گئے تھے، اُن لوگوں کو قید کرکے اُن کے قتل کا حکم دے دیا تھا۔ بعض مسلمانوں نے جو احکام قرآن سے زیادہ باخبر تھے، اور یہ جانتے تھے کہ قیدیوں کو یا تو بلا معاوضہ اور یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا چاہیئے، اس امر میں مداخلت کی اور اس پر یہ الزام لگایا کہ تم زمانہ جاہلیت کے فعل کے مرتکب ہوئے ہو۔ آنحضرت صلعم نے نہایت ناراض ہو کر اس عبر پر رنج و افسوس کا اظہار کیا، اور دو دفعہ فرمایا "اے خدا! جو کچھ خالد نے کیا ہے میں اُس سے

---

[۱] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۱۴۸ - ۱۴۹۔

[۲] ابن ہشام، صفحہ ۸۷۷۔ واقدی صفحہ ۳۸۶۔

بری ہو گئی"

قتل بنی قریظہ

۶۸۔ بنی قریظہ ایک یہودی قبیلہ تھا، اور مدینہ کے قرب وجوار میں آباد تھا،

> اہل مدینہ کے خلاف بنی قریظہ کی بغاوت شدید اور اُن کا قتل

اُن لوگوں نے اسلامی جمہوریت کے ساتھ اس امر کا عہدو پیمان کیا تھا کہ ہم حملہ آوروں کے حملہ سے شہر مدینہ کی حفاظت کریں گے۔ ۵ھ میں جبکہ دس ہزار قریش اور دیگر بدوی قبائل نے مدینہ کا محاصرہ کیا، (اور واقعہ غزوۂ خندق پیش آیا) تو بنی قریظہ نے مسلمانوں کی مدد کرنے کی بجائے اُن کی وفاداری سے منحرف ہو کر محاصرہ کرنے والے غنیم سے سازش کرلی۔ محاصرۂ مدینہ ختم ہونے کے بعد مسلمانوں نے اُن کا محاصرہ کیا، آنحضرت ؐ نے اُن کو خوفناک سزا نہیں دی، بلکہ اُسی ثالث (سعد بن معاذ) نے دی تھی جس کو انھوں نے خود منتخب اور مقرر کیا تھا۔ اُن میں سے بعض کا قتل ہونا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ اسیران جنگ تھے۔ بلکہ وہ باغی تھے۔ اُنھوں نے جنگ میں دغابازی کی تھی اور حسب منشائے قانون بین الاقوام سزائے موت کے مستحق تھے۔ اُن کا جرم یہ تھا کہ انھوں نے محاصرہ مدینہ کے وقت اہل مدینہ کے ساتھ سخت بدعہدی اور دغابازی کی تھی۔ جب بنی قریظہ نے مسلمانوں کی وفاداری سے منحرف ہو کر سلطنت اسلام کے دشمنوں کو امداد دی تھی، اس کے بعد ان میں اور مسلمانوں میں کوئی جنگ درحقیقت واقع نہیں ہوئی۔ مسلمانوں نے اُن کی سخت بدعہدی اور بغاوت کی سزا دینے

ل ابن ہشام صفحہ ۶۸۳ - ۶۸۵ - ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء - بخاری کتاب المغازی صفحہ ۶۲۲ مطبوعہ کانپور ۱۳۰۵ھ - ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۹۵ مطبوعہ یورپ - مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۱۰۹ - مطبوعہ لاہور۔

کے لئے اُن کا محاصرہ کیا تھا، اور اسی لئے یہ لوگ اسیران جنگ نہ تھے۔ اس قسم کے اسیران جنگ کو بھی جُرم بغاوت و بدعہدی کی سزا دی جاتی ہے۔ (واضح ہو کہ قاضی ابو یوسف نے بنو قریظہ کو باغیوں کی فہرست میں شریک کیا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب الخراج صفحہ ۲۴ ۱ مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ) عبد اللہ خاں۔

"باغی دشمن کے ساتھ میدان جنگ میں، جنگ کے قانون اور دستور کے موافق سلوک کرنا، باضابطہ گورنمنٹ کے لئے ہرگز اس امر کا مانع نہیں ہوتا کہ بغاوت کے سرغنوں یا خاص خاص باغیوں کے جُرمِ بغاوت کی تحقیقات کی جائے، اور ان کے ساتھ باغیوں کا سا سلوک کیا جائے، تاوقتیکہ وہ لوگ عام معافی نامہ کے فرمان میں داخل نہ ہو جائیں"[۱]

۶۹۔ بنی قریظہ کا تمام قبیلہ ہرگز مقتول نہیں ہوا اور نہ سب کے سب

> تمام بنی قریظہ ہرگز قتل نہیں کئے گئے

قیدی مرد ہی تہ تیغ کئے گئے[۲] مقتولوں کی تعداد نسبتہً بہت کم تھی۔ یہ بات کہ وہ آنحضرت ؐ کے حکم سے قتل نہیں ہوئے، اور نہ سب کے سب مارے گئے۔ اور نہ اس کی بابت خدا تعالیٰ کی منظوری صادر ہوئی،

[۱] دیکھو فرانسیس لیبر کی متفرق تحریرات جلد دوم مضامین پولٹیکل سائنس صفحہ ۲۷۳۔ مطبوعہ فلیڈلفیا ۱۸۸۱ء۔

[۲] بعض بنی قریظہ آزاد کئے گئے، منجملہ ان کے زبیر[۱] ابن باطا۔ عطیہ[۲] اور رفاعہ[۳] کا نام ہم کو معلوم ہے۔ آنحضرت ؐ نے ان لوگوں کو معاف کر دیا تھا۔ ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۶۷۔ ابن ہشام صفحہ ۶۹۱ و ۶۹۲ مطبوعہ یورپ۔ مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ مطبوعہ لاہور۔ تہذیب الاسماء صفحہ ۴۲۵ مطبوعہ یورپ۔ صحیح بخاری میں غزوہ بنی نضیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ "بنی نضیر جلا وطن کر دئے گئے اور بنی قریظہ کی عورتیں اور بچے مسلمانوں میں تقسیم کر دئے گئے اور لڑنے والے مرد قتل کروئے گئے۔ مگر بعض بنی قریظہ آکر آنحضرت ؐ سے مل گئے اور مسلمان ہو گئے۔ آپ نے اُن کو آزاد کر دیا"۔ (بخاری پارہ سولہ صفحہ ۳۶ مطبوعہ لاہور)۔

صحیح بخاری کی اس روایت سے ثابت ہے کہ سب بنی قریظہ قتل نہیں ہوئے بلکہ اکثر چھوڑ دئے گئے ہیں۔ (عبد اللہ خاں)۔

قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت سے ثابت ہے :۔

وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝

(الاحزاب ۳۳۔ آیت ۲۶)

"اور اہل کتاب (یعنے یہودیوں) میں سے جن لوگوں نے مشرکوں کو مدد دی تھی اللہ تعا نے اُن کو اُن کے قلعوں سے نیچے اُتارا اور اُن کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھادیا کہ بعض کو تم قتل کرتے تھے اور بعض کو قید"

(الاحزاب ۳۳۔ آیت ۲۶)۔

قتل کرنے اور قید کرنے کا فعل اُن ہی لوگوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو اس آیت کے مخاطب ہیں کہ یہ اُن کا ذاتی فعل ہے۔

(بیضاوی جلد دوم صفحہ ۱۲۶ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۸ء۔ تفسیر مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۲۷۵)۔ مطبوعہ طہران۔

۷۰۔ باقی ماندہ بنی قریظہ یعنے بالغ مرد، عورتیں اور بچے یا تو آزاد کر دیئے گئے، یا فدیہ دے کر انہوں نے رہائی حاصل کی۔ فدیہ کا کچھ حال ابن سیّد النّاس کی کتاب "عیون الاثر فی المغازی و السّیر" میں درج ہے۔ حضرت عثمان بن عفّان رض اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے (فدیہ) بہت سا روپیہ جمع کر لیا تھا۔ مگر سر ولیم میور بحوالہ ہشامی یہ لکھتے ہیں :۔

بنی قریظہ کی عورتیں اور بچے فروخت نہیں کئے گئے

"باقیماندہ عورتیں اور بچے نجد کے بدوی قبائل میں گھوڑوں اور ہتھیاروں کے بدلے فروخت کئے جانے کے لئے بھیجے گئے"۔[1]

مگر اس فرضی داستان کی کوئی سند موجود نہیں ہے۔ ابو المعتمر سلیمان[2]

---

[1] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۲۷۹۔ یا ابن ہشام صفحہ ۶۹۳ مطبوعہ یورپ۔

[2] سلیمان بن طرخان متوفی ۱۴۳ھ کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "الفہرست ابن ندیم" صفحہ ۱۵۶ مطبوعہ یورپ ۱۸۷۱ء تہذیب التہذیب جلد چہارم صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۵ھ۔ تاریخ یافعی قلمی نایاب مخزونہ کتبخانہ آصفیہ (دیکھو صفحہ ۱۰۶)

نے اپنی کتاب میں جس میں آنحضرتؐ کے غزوات کا ذکر ہے ایک اور حال بیان کیا ہے، جو زیادہ تر قرین قیاس ہے۔

مصنّف موصوف لکھتا ہے :-

"بنی قریظہ کا مال وغیرہ جو ہاتھ لگا تھا اُس میں سے سترہ[17] گھوڑے آنحضرتؐ نے لیکر اپنے لوگوں
"میں تقسیم[1] کردئے۔ باقی ماندہ کے دو برابر حصّے کئے، نصف حصہ تو سعد بن عبادہؓ[2] کے
"ساتھ شام کی طرف اور باقی نصف حصہ انس بن قیظی کے ساتھ بنی غطفان کے علاقہ
"میں بھیج دیا، اور یہ حکم دیا کہ وہاں ان جانوروں سے گھوڑوں کی نسل بڑھانے کا کام لیا
"جائے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور عمدہ گھوڑے حاصل کئے[3]۔"

۱۷- بالغ مرد جو قتل ہوئے تھے ان کی تعداد میں بہت مبالغہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ

مقتولوں کی مبالغہ آمیز تعداد۔

جب کوئی قتل ملک کے قانون بین الاقوام کے بموجب با ضابطہ طور پر وقوع میں آئے، تو اُس وقت تعداد مقتولین کی کمی یا بیشی کا خیال کوئی اہمیّت نہیں رکھتا۔ اس موقع پر سب سے بہتر یہی ہے کہ **مولوی سیّد امیر علی صاحب** ساکن کلکتہ کی کتاب کا ایک اقتباس پیش کر دیا جائے جو اُنہوں نے اس مضمون پر لکھی ہے، اور جس میں بڑی دانشمندی سے اس واقعہ کی تنقید کی ہے۔

صاحب موصوف لکھتے ہیں :-

"اب اگر مقتولوں کی طرف توجّہ کی جائے تو ہر شخص فوراً یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ اُن کی تعداد میں
"مبالغہ کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ چارسو[400] آدمی تھے، اور بعض نے اس تعداد کو نوسو[900] تک بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۵) حیدر آباد دکن صفحہ ۱۶۱- فن تاریخ نمبر ۶۸۷- تہذیب الاسماء امام نودی صفحہ ۵۶۶ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۸۲۹ء (عبداللہ خاں)۔ [1] مغازی واقدی صفحہ ۳۷۲ مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۵۶ء۔

[2] ابن ہشام نے بجائے سعد بن عبادہ کے سعد بن زید انصاری کا نام لکھا ہے۔ (عبداللہ خاں)

[3] مغازی واقدی صفحہ ۳۷۲ مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۵۶ء- قرۃ العیون حصۂ دوم جلد اول صفحہ ۱۲۴- تفسیر مجمع البیان طبرسی جلد ۲

"پہنچا دیا ہے، مگر عیسائی مورخین بانختلاف اقوال عموماً سات سَو سے آٹھ سَو تک بتاتے ہیں۔
"میں اس کو نہایت مبالغہ سمجھتا ہوں۔ چار سَو[4] کی تعداد میں بھی مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ روایات
"کا اس پر اتفاق ہے کہ **بنی قریظہ** کا سامان جنگ حسب تفصیل ذیل تھا:۔
"تین سَو[3] زرہ بکتر، پانچ سَو[5] ڈھالیں، پندرہ سَو[15] تلواریں وغیرہ۔ مال غنیمت کی مقدار کو زیادہ
"دکھانے کی غرض سے راویوں نے ان اعداد میں غالباً مبالغہ کیا ہے[1]۔ مگر اعداد مذکور کو صحیح
"مان کر اور اس امر کو ذہن نشین رکھ کر کہ اس قسم کے ہتھیار لڑنے والوں کی تعداد سے ہمیشہ
"بہت زیادہ رکھے جاتے ہیں، میں اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ جنگ میں شریک ہونے والوں
"کی تعداد دو سو[2] یا تین سَو[3] سے زیادہ نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ غلطی غالباً اس لئے پیدا ہوئی
"کہ جس قدر مسلمانوں کے قبضہ میں آئے اُن کی تعداد کو مقتولین کے تعداد کے ساتھ گڈ مڈ
"کر دیا ہے[2]۔
"دو سَو[2] بھی بڑی تعداد ہے۔ کیونکہ تمام قیدی رات کے وقت رملہ بنت الحارث[3] کے مکان
"میں رکھے گئے تھے، جو اتنی بڑی تعداد کے لئے کسی طرح کافی نہیں ہو سکتا تھا"

---

[1] ابن خلدون کی تحریر سے مقابلہ کرو، (مقدمہ ابن خلدون کا فرانسیسی ترجمہ از ایم ڈی سیلن، حصہ اول صفحہ ۱۴ مطبوعہ پیرس سنہ ع یا اصل عربی مقدمہ جلد اول صفحہ ۹ مطبوعہ پیرس۔ ابن خلدون نے اس جگہ مبالغہ آمیز شمار و اعداد پر بحث کی ہے)۔ (عبداللہ خاں)

[2] سیرت محمدی از مولوی سید امیر علی ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی۔اوڈی انرٹیل بیرسٹرایٹ لا صفحہ ۱۱۳ مطبوعہ ولیم اینڈ نارگیٹ۔ لندن سنہ ۱۸۷۳ء۔

[3] ابن ہشام صفحہ ۶۸۹ مطبوعہ یورپ۔ دیگر مورخین لکھتے ہیں کہ مرد، عثمان بن زید کے گھر میں اور عورتیں اور بچے رملہ بنت الحارث کے گھر میں قید رکھے گئے۔ دیکھو انسان العیون یعنی سیرت حلبی جلد سوم صفحہ ۹۳ مطبوعہ مصر +

باب یازدہم

بعض متفرق اعتراضات کا ابطال

۱- اُمّ قرفہ

ام قرفہ کا قتل قزاقی کی وجہ سے

۷۲- ایک عورت مُسمّاۃ اُمّ قرفہ (فاطمہ بنت ربیعہ) جو قزاقوں کی ایک بڑی جماعت کی سرغنہ ہونے کی حیثیت سے مشہور تھی، اُس کے بیرحمانہ قتل کی یہ حکایت کہ اس کی ہر ایک ٹانگ جُدا جُدا ایک ایک اُونٹ سے باندھی گئی، اور اس طرح چیر کر اُس کے دو ٹکڑے کر دئیے گئے امر واقعی نہیں ہے۔ صرف ابن سعد کاتب[۱] واقدی نے ایسا لکھا ہے، اور واقدی[۱]، ابن[۲] اسحاق اور ابن[۳] ہشام کی قدیم ترین تواریخ میں یہ حکایت پائی نہیں جاتی۔ ابن سعد کاتب واقدی بھی نہیں کہتا کہ آنحضرت صلعم نے اس کے قتل کا حکم دیا تھا (جلد دوم صفحہ ۶۵) سر ولیم میور کا یہ قیاس قرین انصاف نہیں ہے کہ اس خونخوارانہ فعل میں آنحضرتؐ بھی شریک تھے، اور صاحب موصوف کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ اُنھوں نے کہیں یہ نہیں پڑھا کہ پیغمبر (صلعم) نے ایسے بیرحمی کے سلوک پر اظہار ناراضی کیا ہو[۲]۔ مگر اول تو یہ بیان محض افسانہ ہے اور دوسرے یہ کہ روایتیں بالعموم ہمیشہ نامکمل ہوتی ہیں، اور وہ روایات دراصل

---

[۱] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۵ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء۔

[۲] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۱۳۔

جس موقع کے متعلق بیان کی جاتی ہیں، اُس موقع کے حالات کے لحاظ سے ایک جگہ مجملاً بیان کی گئی ہیں، تو دوسری جگہ اُن کا بیان بالتفصیل موجود ہے۔ ابن ہشام نے یہ بیان کیا ہے کہ" زید بن حارثہ نے **قیس بن مُسحّر** کو اُمّ **قرفہ** کے قتل کا حکم دیا تھا، پس اُس نے اُس کو سختی سے قتل کیا (اصل الفاظ " قَتْلاً عَنِیْفاً" ہیں۔جن کا ترجمہ ہے" سخت قتل" دیکھو ابن ہشام صفحہ ۹۸۰)۔ مؤرّخ موصوف نے یہ نہیں لکھا کہ جب وہ اس خوفناک سفارت (قتل اُمّ قرفہ) کو پورا کر کے واپس آیا تو آنحضرتؐ کو اس امر کی بابت اطلاع بھی دی گئی ہو۔ میں خیال کرتا ہوں کہ لفظ" عنیف" بمعنی شدید و درشت جو مؤرّخ نے دراصل استعمال کیا تھا، ممکن ہے کہ اسی لفظ کی وجہ سے بڑھتے بڑھتے دو اُونٹوں سے باندھ کر قتل کرنے کی کہانی بن گئی ہو، یعنی لفظ "عنیف" پر دور از کار شرحیں اور حاشیے چڑھانے سے مذکورہ بالا حکایت گھڑی گئی ہو۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ ایک اور روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُس کو دو گھوڑوں کی دُموں سے باندھا گیا تھا (دیکھو قسطلانی شرح بخاری جلد ششم صفحہ ۳۰۷ مطبوعہ لکھنو یا مطبوعہ مصر صفحہ ۳۶۵)۔

۲۔ قزّاقان عرنہ

قزّاقان عرنہ

۷۳۔ بعض قزّاقان عرنہ نے، جو حال ہی میں اسلام لائے تھے، مدینہ کے اُونٹ لئے تھے، اور راعی (نگہبان کو جس کا نام یسار تھا) کے ساتھ سخت بیرحمی کا سلوک کیا تھا، کیونکہ انہوں نے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے تھے اور اس کی زبان اور آنکھوں میں نوکدار برچھی کی انیاں چبھوئی تھیں، یہاں تک کہ وہ جان بحق ہوا۔ **کرز بن جابر فہری** نے

قزاقوں کا تعاقب کیا اور اُن کو گرفتار کر کے قتل کیا۔ سر ولیم میور کہتے ہیں کہ:-

"وہ موت کے سزاوار تھے، مگر جس طریقہ سے اُن کو موت کی سزا دی گئی وہ وحشیانہ
"اور بیرحمانہ تھا۔ آٹھ آدمیوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے، اور اُن کی آنکھیں نکالی
"گئیں۔ ان بدنصیب اعراب کے بیڈول جسموں کو جن کی آنکھیں نکالی گئی تھیں، الغابہ
"کے میدان میں سولی پر چڑھایا گیا، یہاں تک کہ ان کا دم نکل گیا۔"[1]

چونکہ ان قزاقوں نے نگہبان کے ہاتھ پاؤں کاٹے تھے۔ اس وجہ سے یہ بات مشہور ہو گئی کہ انتقام کے طور پر اُن کے ساتھ بھی ہاتھ پاؤں کاٹے جانے کا سلوک کیا گیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے مُثلہ بنانے (یعنی ہاتھ پاؤں ناک کان وغیرہ اعضاء کے قطع کیے جانے) کا حکم کسی حالت میں بھی نہیں دیا۔ اس دستور سے آنحضرتؐ کو اس قدر نفرت تھی کہ مختلف ذریعوں سے اس مضمون کی متعدد حدیثیں آپ سے مروی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے مُثلہ بنانے کی ممانعت فرمائی ہے، اس بنا پر کہ مبادا خدا

[1] دیکھو میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۱۹۔ بخاری پارہ ۱۶ صفحہ ۱۲۱ طبع لاہور میں یہ حکایت انس سے روایت کی گئی ہے، مگر انس اس امر کا گواہ نہیں ہو سکتا کہ آنحضرتؐ نے اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹے جانے کا حکم دیا ہو۔ کیونکہ انس خیبر کی مہم تک آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا تھا۔ اور اُن قزاقوں کا قتل اس سے پہلے واقع ہوا تھا (یعنے شوال ۶ھ کو۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۷) ابن مردویہ کی کتاب میں اسی مضمون کی وہ حکایت بھی جو جابر سے مروی ہے، مُعتبر نہیں ہے۔ کیونکہ جابر جس کا بیان یہ ہے کہ مجھے آنحضرتؐ نے قزاقوں کے تعاقب کے لئے بھیجا تھا اور میں نے یہ کام کیا تھا، اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ قسطلانی مصنّف مواہب نے ابن جریر طبری کی روایت کو جو اس بارہ میں بیان کی گئی ہے نامُعتبر یعنے "ضعیف" لکھا ہے۔ (دیکھو زرقانی شرح مواہب جلد دوم صفحہ ۱۶۱ مطبوعہ مصر)۔

کا حکم مجھے مُثلہ بنائے جانے کے لئے جاری ہو[1]۔

۴۷۔ سر ولیم میور اس کے آگے یہ لکھتے ہیں :۔

باضابطہ انتظام مجلس کے نہ ہونے کی وجہ سے قطع عضو یا جلاوطنی کی سزا عارضی طور پر بجائے قید کے تجویز کی گئی تھی ۔

"غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد (صلعم) کو یہ سزا حدود انسانیت "سے متجاوز معلوم ہوئی، چنانچہ آپ نے ایک الہام شائع کیا جس "میں سزائے قتل کو محض موت یا پھانسی تک محدود کیا۔ مگر قطعِ "ید اور قطع رجل کی منظوری ایک سزا کی حیثیت سے دی گئی ہے "اور سرقہ کے جرم میں بھی قطع ید کو ایک مناسب سزا قرار دیکر "اس کی تاکید کی گئی ہے، خواہ مجرم مرد ہو یا عورت۔ چنانچہ یہ وحشیانہ دستور تمام "اسلامی دُنیا میں جاری ہے، مگر آنکھیں نکال لینا شرعی سزاؤں میں داخل نہیں "سمجھا گیا[2]"

رہزنی، ڈکیتی اور سرقہ بذریعہ نقب زنی، ان سنگین جرائم کے لئے متبادل سزائیں تجویز کی گئی تھیں اور وہ یہ تھیں :۔

(۱) **سزائے موت** (۲) **قطع عضو** (۳) **جلا وطنی** (دیکھو سورہ مائدہ ۵۔ آیات ۳۷-۴۲)۔ یہ سزائیں واقعات جرم کے موافق مقرر کی گئی تھیں پچھلی دو سزائیں عارضی قسم کی تھیں، اور جیل خانوں اور قید خانوں کا باضابطہ انتظام نہ ہونے کی وجہ سے بجائے قید کے رکھی گئی تھیں۔ جب اسلامی جمہوریت بالکل ابتدائی حالت میں تھی، اس زمانہ میں حملہ آور قریش اور اُن کے مددگاروں

[1] ابن ہشام نے دیکھو صفحہ (۷۶۴ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۸۶۰ء) ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے سہیل بن عمرو کو مثلہ بنانے کے لئے اجازت طلب کی۔ مگر آنحضرتؐ نے جواب دیا میں اُس کو مُثلہ نہیں بناؤں گا، اگر میں ایسا کروں تو اللہ تعالیٰ مجھے مثلہ بنا ئیگا۔ اگرچہ میں پیغمبر ہوں"۔ شرح معانی الآثار جلد ۲ صفحہ ۱۰۴ مصنفہ امام طحاوی مطبوعہ کانپور سنہ ۱۳۰۱ھ۔

[2] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۱۹۔

کی چڑھائیوں اور لڑائیوں نے وہ مصیبت برپا کر رکھی تھی کہ مدینہ میں حفظ جان اور امن و اطمینان کی حالت باقی نہیں رہی تھی، اور ایسی انتظامی تجاویز عمل میں نہیں لائی جاسکتی تھیں، جن کے ذریعے سے جیل خانوں کی عمارت، حفاظت اور استقامت اور جیل خانوں کے عملہ اور قیدیوں کا انتظام کیا جاسکے جب اسلامی جمہوریت میں جیل خانے قائم ہو گئے اُسی وقت قطع عضو اور جلاوطنی کی بجائے قید کی سزا مقرر ہو گئی۔ چونکہ اسیرانِ جنگ عام مجرموں میں داخل نہیں ہیں، اس لئے آنحضرتؐ اُن کو بعض اہل مدینہ کے سپرد کر دیتے تھے، جیسا کہ جنگ بدر کے اسیروں کو آپ نے سپرد کیا تھا، تاکہ وہ اُن لوگوں کو بطور مہمان کے اپنے گھروں میں رکھیں، کیونکہ اُن کو (نظر بند رکھنے کے لئے قید خانے نہ تھے) رہے دیگر مجرم، یعنی رہزن، **قزاق**، **ڈاکو** اور **نقب زن** اُن کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا جاسکتا تھا، اور ایسی مہمان نوازی سے اُن کی خاطر و مدارات نہیں کی جاسکتی تھی۔ پس اُن کے لئے کوئی چارہ نہ تھا بجز اس کے کہ یا تو ایسے مجرموں کو جلاوطن کیا جائے، یا قطع عضو کی صورت میں اُن کو جسمانی سزا دی جائے۔[1]

۳۔ کنانہ بن الربیع کی عقوبت

۷۵۔ مؤرخین کا بیان یہ ہے، (اور سر ولیم میور کے الفاظ حسب ذیل ہیں) کہ:۔

کنانہ کی عقوبت

دو کنانہ، جو یہودیان خیبر کا سردار تھا، اُس نے اور اُس کے چچازاد بھائی نے برخلاف

[1] آنریبل سید احمد خاں بہادر سی۔آئی۔ای نے اپنی تفسیر القرآن جلد دوم میں اس مضمون پر قابلیت کے ساتھ پوری بحث کی ہے۔ دیکھو سورۂ مائدہ ۵۔ آیت ۳۶ کی تفسیر صفحات ۱۹۸۔۲۰۷ مطبوعہ علی گڑھ ۱۸۸۲ء۔

"اپنے معاہدہ کے اپنی دولت کا ایک حصّہ روک لیا تھا (یعنے مسلمانوں کے حوالہ نہیں کیا "تھا)۔ جب اس اقدام فریب دہی کا حال معلوم ہوا تو کنانہ بن الربیع کو بیرحمانہ سزا "دی گئی، یعنے اُس کے سینہ پر آگ رکھی گئی، اس اُمید پر کہ وہ اس بات کا اقرار کرلے "کہ باقیماندہ خزانہ فلاں مقام پر چھپایا گیا ہے۔ پھر محمد (صلعم) نے حکم دیا اور اُس سردار "اور اس کے چچازاد بھائی کے سر اُن کے جسموں سے قلم کیے گئے[۱]۔"

کنانہ سے استحصال بالجبر کرنے اور اس کو کچھ خزانہ چھپانے کی پاداش میں قتل کرنے کی داستان سراسر جھوٹی اور مصنوعی ہے۔ کنانہ نے محمدؐ بن مسلمہ کے بھائی محمود کو دغابازی سے قتل کیا تھا، اور اسی لئے وہ بطور قصاص قتل کیا گیا۔ اور قتل کے لئے محمدؐ بن مسلمہ کے سپرد کیا گیا۔ (ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۶۹) ایک بے سند روایت اس مضمون کی بیان کی گئی ہے کہ زبیر بن العوّام، کنانہ بن الربیع کے سینہ پر چقماق اور فولاد کے ذریعہ سے آگ نکال رہا تھا۔ اگر یہ قصّہ صحیح ہے تو بھی اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ آنحضرت ؐ کے حکم اور آپ کی منظوری سے ایسا کیا گیا ہو۔ برعکس اس کے متعدّد حدیثیں خود آنحضرت ؐ سے مروی ہیں، جن میں آپ نے کسی شخص کو آگ سے سزا دینے کی ممانعت فرمائی ہے۔ بخاری نے عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ "صرف خدا آگ کا عذاب دے سکتا ہے"۔ ابوداؤد نے عبداللہ بن عباسؓ سے یہ بھی روایت کی ہے کہ آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ "عذاب النار کسی شخص کو نہیں دینا چاہیئے۔ ایسا عذاب دینا مالک نار (خداتعالیٰ) ہی کا کام ہے[۲]۔"

---

[۱] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد ۲ صفحہ ۶۸۔ [۲] دیکھو مشکوٰۃ کتاب انتقام صفحات ۲۴۳-۲۴۴۔ یا بخاری صفحہ (۱۰۲۳) مطبوعہ کانپور ۱۳۰۵ھ ہجری۔ کنانہ بن الربیع کو محمدؐ بن مسلمہ نے قتل کیا تھا۔ حضرت زبیر نے قتل نہیں کیا۔ زرقانی جلد ۲ صفحہ ۲۷۳۔ سیرت حلبی جلد ۳ صفحہ ۱۶۱ مطبوعہ مصر۔ عیون الاثر قلمی نایاب مخزونہ کتب خانہ آصفیہ صفحہ ۲۲۶۔ مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۱۹ مطبوعہ لاہور۔ مغازی واقدی صفحہ ۲۱۶۔ مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۵۶ء۔

(تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۹۳)۔

۴۔ ایک مغنّیہ کا قتل

۷۶۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں :۔

ایک مغنّیہ کا ادّعائی قتل۔

"وہ اُس عام معافی نامہ اور اعلان امن سے جو اہل مکّہ کو دیا گیا تھا۔
"آنحضرت ؐ نے دس ۱۰ بارہ ۱۲ آدمیوں کو مستثنٰے کیا۔ مگر ان میں سے صرف
"چار آدمیوں کو درحقیقت قتل کیا گیا تھا . . . . . . اگلے دو شخص وہ تھے جو اسلام
"سے مرتد ہوگئے تھے، جو مدینہ میں خونریزی کر کے مکّہ کی طرف بھاگ کر چلے گئے تھے، اور
"حلفاً اسلام کو ترک کر چکے تھے۔ یہ دونو قتل کئے گئے، اور ایک جاریۂ مغنّیہ بھی جو اُن
"میں سے ایک شخص کی ملکیت تھی قتل کی گئی، یہ عورت ہجو آمیز اشعار کے ذریعہ سے
"پیغمبر (صلعم) کو ایذا دینے کی عادی تھی۔

"اُن کے نام عبد اللہ بن خطل[۱] اور مقیس بن صبابہ[۲] تھے۔ کہتے ہیں کہ پہلا شخص یعنے
"عبد اللہ بن خطل قتل عمد کا مرتکب ہوا تھا، اور دوسرے شخص (یعنے مقیس بن صبابہ)
"سے قتل بلا ارادہ سرزد ہوا تھا۔ عبد اللہ بن خطل کے پاس دو مغنّیہ عورتیں تھیں۔ ان

[۱] عبد اللہ بن خطل مسلمان ہوگیا تھا۔ آنحضرت ؐ نے ایک انصاری اور ایک مسلمان غلام کے ساتھ صدقہ وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ راستہ میں اس نے اپنے غلام کو کھانا پکانے کا حکم دیا۔ غلام اتفاقاً سوگیا اور کھانا پکانا بھول گیا اس خطا پر اس نے غلام کو قتل کر ڈالا اور مُرتد ہو کر فرار ہوگیا تھا۔ (ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۹۰-۱۹۱- مطبوعہ یورپ- تاریخ الخمیس صفحہ ۹۰ جلد دوم مطبوعہ مصر)۔

[۲] مقیس بن صبابہ کے بھائی ہشام بن صبابہ کو ۶ھ میں غزوہ بنی مصطلق (مریسیع) کے دوران میں ایک انصاری نے مشرک سمجھ کر غلطی سے قتل کر ڈالا۔ چند روز کے بعد ہشام کا بھائی مقیس بن صبابہ مسلمان ہوگیا اور آنحضرت ؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے مقتول بھائی کی دیت کا طالب ہوا۔ آنحضرت ؐ نے دیت کا حکم دیا۔ دیت لینے کے بعد مقیس نے اس انصاری کو (جس نے اسکے بھائی کو قتل کیا تھا) مار ڈالا اور مکہ کو فرار ہوگیا او مرتد ہوگیا۔ فتح مکہ کے بعد آنحضرت ؐ نے جن باغیوں کے قتل کا حکم جاری فرمایا تھا منجملہ ان کے مقیس بن صبابہ بھی تھا مقیس اس خبر کو سُن کر چھپ گیا مگر نمیلہ بن عبد اللہ کنانی کو پتہ چل گیا اور اس نے اُس کا کام تمام کر دیا۔ (ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۶-۱۴۸- ۱۹۰ مطبوعہ یورپ- تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۹۲ مطبوعہ مصر)

"دونو کے لئے سزائے موت کا حکم صادر ہوا، مگر ایک بچ نکلی، اور بعد ازاں رحم کرکے اس
"کی جان بخشی کی گئی، دوسری عورت کا قتل کیا جانا، اس موقع پر محمدؐ (صلعم) کا بدترین
"فعل تھا (معاذاللہ) جس کے آپ مرتکب ہوئے"[1]

عبداللہ بن خطل ایک نہایت بیرحمانہ قتل عمد کا مرتکب ہوا تھا، اور اغلب یہ ہے کہ وہ جاریہ مغنّیہ بھی، جس کا وہ مالک تھا اس کے جرم میں شریک تھی۔ اس عورت کا قتل اس بنا پر تھا کہ وہ اس فعل قبیح (قتل عمد) کے ارتکاب میں شریک جُرم یا معین و مددگار تھی۔ لہٰذا اُس کا قتل از روئے قانون جائز اور حق بجانب تھا۔ پس اس قتل کو بدترین فعل کیوں سمجھا جاتا ہے[2]؟ آنحضرتؐ کو صنف ضعیف (عورات) کا بہت ہی زیادہ خیال رہتا تھا، اور لڑائیوں میں آپ نے تاکید کی تھی کہ "عورتوں کو قتل نہ کیا جائے" (بخاری کتاب الجہاد صفحہ ۴۲۳ مطبوعہ کانپور ۱۳۰۵ھ ہجری۔ اور مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۱۰۱ مطبوعہ لاہور)، مگر قانون نے زن و مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا، یعنے مرد اور عورت دونو بلحاظ استحقاق اپنے اپنے جُرم کی سزا کے مستوجب ہیں۔

آنحضرتؐ کا اپنے دشمنوں کے ساتھ فیاضانہ سلوک

۷۔ فتح مکّہ کے موقع پر آنحضرتؐ کی **عالی ہمتی**، رحم اور **عفو و درگزر** کی مثال نہایت عجیب و غریب تھی مسٹر **سٹینلے لین پول** اپنی ذاتی فہم و فراست سے حسب ذیل لکھتے ہیں:۔

"مگر آخری سنگِ محراب ہجرت کے آٹھویں سال (سنہ ۶۳۰ء) میں نصب کیا گیا، (یعنی اس وقت

[1] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۱۳۱ فٹ نوٹ۔ اس مضمون کی پوری تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ الخمیس جلد دوم صفحہ ۹۰ تا ۹۴ مطبوعہ مصر۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۸۶ مطبوعہ یورپ۔ ابن ہشام صفحہ ۹۱۸ مطبوعہ یورپ

[2] ابن ہشام صفحہ ۸۱۹۔

"سب کام مکمل ہو گیا) جبکہ قریش کی ایک جماعت بنو بکر نے مسلمانوں کے ایک مددگار قبیلہ
"بنی خزاعہ پر حملہ کر کے صلح حدیبیہ کو توڑا اور محمد (صلعم) نے دس ہزار[1] آدمیوں کو ہمراہ لیکر
"جانب مکہ کوچ کیا، اور چونکہ قریش کو اپنے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی لہٰذا شہر
"مکہ فتح ہو گیا۔ اب وقت تھا کہ پیغمبر (صلعم) خونخوارانہ فطرت کا اظہار کرتے۔ آپ کے
"قدیم ایذا دہندے (قریش) آپ کے قدموں میں آپڑے ہیں۔ کیا آپ اس وقت
"اپنے بےرحمانہ طریقہ سے اُن کو پامال کریں گے، سخت عقوبت میں گرفتار کریں گے، یا
"اُن سے انتقام لیں گے؟

"یہ وقت اُس شخص کے اپنے اصلی رنگ میں ظاہر ہونے کا ہے۔ اس وقت ہم
"ایسے مظالم کے پیش آنے کے متوقع ہیں، جن کے سُننے سے بدن پر رونگٹے کھڑے
"ہوں، اور جن کا خیال کر کے اگر ہم پہلے ہی سے نفرین و ملامت کا شور و غل مچائیں
"تو بالکل بجا ہو۔

"مگر یہ معاملہ کیا ہے؟ کیا بازاروں میں کوئی خونریزی نہیں ہوئی؟ ہزار مقتولوں کی
"لاشیں کہاں ہیں؟ واقعات سخت اور بیدرد ہوتے ہیں (کسی کی رو رعایت نہیں کرتے)
"اور یہ ایک واقعی بات ہے کہ جس دن آنحضرتؐ کو اپنے دُشمنوں پر عظیم ترین فتح حاصل
"ہوئی، وہی دن آپ کو اپنے نفس پر سب سے زیادہ عالی شان فتح حاصل کرنے کا دن
"بھی تھا۔ قریش نے سالہا سال تک جو کچھ رنج اور صدمے دئے تھے، اور بےرحمانہ تحقیر و
"تذلیل کی مصیبت آپ پر ڈالی تھی، آپ نے کُشادہ دلی کے ساتھ اُن تمام باتوں سے
"درگُذر کی، اور مکہ کے تمام باشندوں کو ایک عام معافی نامہ دے دیا۔ جب محمد (صلعم)
"اپنے شدید ترین دُشمنوں کے شہر میں بحیثیت ایک فتحمند کے داخل ہوئے، تو صرف
"چار مجرم، جو ازروئے انصاف قصوروار قرار دے گئے تھے، واجب القتل اشخاص کی

[1] ابن ہشام صفحہ ۸۰۲۔

"فہرست میں داخل کیئے گئے۔ فوج نے آپ کی مثال کی تقلید کی اور خاموشی اور امن و
"امان کے ساتھ شہر میں داخل ہوئی۔ نہ کوئی مکان لوٹا گیا اور نہ کسی عورت کی بے حرمتی
"کی گئی۔"[1]

۵۔ ابوبصیر عتبہ بن اسید ابن جاریہ

۷۸۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ :۔

آنحضرت ؐ نے صلح نامہ حدیبیہ کے خلاف ابوبصیر کی کوئی حمایت نہیں کی۔

"پیغمبر (صلعم) نے ایک قطاع الطریق (رہزن) مسمّٰی
"ابوبصیر کی رعایت و پاسداری ایسے طریقہ سے کی جو
"صلح نامہ حدیبیہ کے الفاظ سے بمشکل مطابقت رکھتی تھی، اور اس کے مضمون کے خلاف
"تو یقیناً تھی۔"[2]

عہد نامۂ حدیبیہ جو قریش اور آنحضرت ؐ کے درمیان ہوا تھا اُس کی ایک شرط تھی کہ اگر کوئی شخص اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر آنحضرت ؐ کے پاس چلا جائے گا تو وہ اُس کے پاس واپس بھیج دیا جائے گا۔[3] تھوڑے عرصہ بعد ایک مسلمان مسمّٰی ابوبصیر (جس کا پورا نام عتبہ ابن اسید ابن جاریہ ہے) جو مکّہ میں مقیّد تھا۔ بھاگ کر مدینہ چلا آیا۔ **ازہر بن عبد عوف** اور **اخنس بن شریق** جو اس کے سرپرست تھے، انہوں نے دو نوکروں کو ایک خط دے کر آنحضرت ؐ کی خدمت میں بھیجا اور اُن کو یہ ہدایت کی کہ فراری کو اس کے گھر واپس لے آئیں۔ آنحضرت ؐ نے فوراً تسلیم کیا کہ **ابوبصیر** کو حوالے کر دینا ہمارا فرض ہے اگرچہ اس نے عذر کیا اور واپس جانے سے انکار کرنے کا سبب یہ بتایا کہ مجھے

[1] دیکھو "انتخاب قرآن" مصنفہ سٹینلے لین پول کا مقدمہ صفحہ ۶۷ مطبوعہ لندن ٹرنبر اینڈ کو ۱۸۷۹ء۔
[2] سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۳۰۸ یا ابن ہشام صفحہ ۷۴۷ مطبوعہ یورپ۔ [3] سیر محمدی جلد ۴ صفحہ ۲۵ ۔ ابن ہشام صفحہ ۷۵۱۔

مکّہ میں قریش کے ظلم وستم کی تکلیفیں اُٹھانی پڑتی تھیں مگر آنحضرت ؐ نے یہ حجت پیش کی کہ شرائط صُلح کا توڑنا میرے لئے زیبا نہیں ہے اور ہمارے مذہب میں وعدہ خلافی اور غدر جائز نہیں ہے۔ اور **ابوبصیر** کو مکّہ روانہ ہونے پر مجبور کیا گیا، مگر وہ صرف چند ہی میل گیا تھا کہ اس نے بمقام ذوالحلیفہ اُن ملازموں میں سے جن کی حراست میں تھا، ایک کی تلوار دھوکے سے چھین کر اُس کو قتل کر ڈالا، دوسرا ملازم مدینہ کو واپس بھاگ گیا، اور **ابوبصیر** بھی اُس کے پیچھے وہیں پہنچا۔ جب دوسرا شخص واپس آیا تو اس نے (ابوبصیر نے) یہ بحث اٹھائی کہ پیغمبر (صلعم) مجھے قریش کے حوالہ کرکے پہلے ہی عہد نامہ کی شرط کو حرف بہ حرف پورا کر چکے ہیں، مگر آنحضرت ؐ نے جواب دیا، ”اس شخص کی ماں کے حال پر افسوس (جس کا بیٹا ایسا نالائق نکلا!) اگر اس کے ساتھ کوئی شخص ہوتا تو یہ لڑائی کی آگ کو کیا کچھ بھڑکا دیتا“! جب **ابوبصیر** نے یہ سُنا تو وہ سمجھ گیا۔ کہ آنحضرت ؐ اُس کو اُس کے سرپرستوں[1] یعنے قریش کے پاس دوبارہ واپس بھیجنے والے ہیں، لہٰذا وہ ساحل سمندر کی طرف بمقام العیص چلا گیا، اور وہاں اور لوگوں کے ساتھ شامل ہوکر، جو مکّہ کی قید سے نکل کر اس کے ساتھ آملے تھے، مکّہ کے قافلوں کو لوٹا کرتا تھا۔“ (ابن ہشام صفحہ ۷۵۲ مطبوعہ یورپ۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۵۷)۔

اس داستان سے جس کو مجمل طور پر ابن اسحاق نے بھی بیان کیا ہے، اور **ہشامی**[1]، **زرقانی**[2] اور **ابن القیمؒ**[3] نے زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت ؐ نے صلح نامہ حدیبیہ کے الفاظ اور مضمون کی خلاف ورزی

---

۱ دیکھو زرقانی شرح مواہب لدنیہ جلد دوم صفحہ ۲۲۴ مطبوعہ مصر۔ ۲ زاد المعاد ابن قیم جلد اول صفحہ ۳۷۶ مطبوعہ کانپور ۱۲۹۸ھ۔ ۳ سیرت محمدیہ از محمد کرامت علی صاحب دہلوی کتاب سیرت محمدیہ، سیرت حلبی اور سیرت شامی سے جمع کی گئی ہے اور بمبئی میں نہایت بدتمیزی سے چھپی ہے +

کی تھی۔

آنحضرت ؐ نے **ابو بصیر** کی رعایت و پاسداری ہرگز نہیں کی بلکہ اس کے خلاف عہد نامہ حدیبیہ کی شرائط کے موافق اُس کو قریش کے حوالے کر دیا تھا۔ اور جب وہ واپس آیا تو اُس کے پاس اس امر کے باور کرنے کی ہر ایک وجہ موجود تھی کہ آنحضرت ؐ اُس کو دوبارہ اُسی جگہ بھیج دیں گے، جہاں سے وہ آیا تھا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ **ابو بصیر** ساحل سمندر کی طرف بمقام العیص چلا گیا تھا، جو آنحضرت ؐ کے علاقہ سے باہر تھا اور بالکل لب ساحل واقع ہوا تھا، اور وہاں سے گرفتار کر کے اس کو مکہ واپس بھیجنا آنحضرت ؐ کا فرض نہ تھا، درانحالیکہ وہ آپ کے پاس موجود نہ تھا بلکہ آپ کے علاقہ سے باہر تھا۔ جبکہ آنحضرت ؐ نے ایک دفعہ اس کو اُن لوگوں کے حوالے کر دیا جو اس کو واپس لے جانے کے لئے مدینہ بھیجے گئے تھے، اور پھر اس کو دوبارہ حوالے کئے جانے کا مطالبہ بھی نہیں کیا گیا، تو ایسی حالت میں اگر آنحضرت ؐ اس کو مدینہ میں اپنے پاس ہی رہنے دیتے، تو میں خیال کرتا ہوں کہ اہل عرب کے قانون بین الاقوام یا خود عہد نامہ حدیبیہ کی شرائط کے بموجب بھی آنحضرت ؐ پر انصافاً کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا تھا۔

۶۔ مددگاران قریش جنہوں نے مدینہ کا محاصرہ کیا تھا، اُن کے جتھے کو توڑنے کے لئے نعیم بن مسعود[۱] کا تقرر

آنحضرت ؐ نے دشمن کے کیمپ میں جھوٹی خبریں شائع کرنے کے لئے نعیم بن مسعود کو مقرر نہیں کیا تھا۔

۹۷۔ جب قریش اور اُن کے جتھے نے چند روز تک مدینہ

[۱] ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۹۔ ابن ہشام صفحہ ۶۸۱۔

کا محاصرہ کیا (یوم خندق کی طرف اشارہ ہے) تو مدینہ کی فوج کو شہر کی حفاظت اور جنگ کے لئے ہر وقت تیار رہنا پڑتا تھا، اور چونکہ اس فرض کا بار روز بروز بڑھتا جاتا تھا، اس لئے اسلامی فوج سخت پریشان اور درماندہ ہو گئی تھی۔ ایک شخص مسمّٰی **نعیم بن مسعود** نے، جو ایک ایسے قبیلہ عرب سے تھا، جس کا تعلق نہ تو مسلمانوں سے تھا اور نہ قریش سے، یہ بیان کیا کہ میں خُفیہ طور پر دل میں مسلمان ہوں اور پیغمبر اسلام صلعم کی خدمت میں عرض کی کہ میں اس موقع پر کچھ خدمت انجام دینی چاہتا ہوں، آنحضرت صلعم نے اس بات کو منظور کیا، اور اُس کو اس غرض سے مقرر کیا کہ اگر ممکن ہو تو مددگاران قریش (احزاب یعنے گروہ) کو محاصرہ سے باز رکھے اور یہ کہا کہ "لڑائی واقعی دھوکے کا کھیل ہے"۔ **نعیم** نے یہود اور قریش کے درمیان باہمی بے اعتباری کی تحریک پیدا کی۔ اُس نے یہودیوں سے کہا کہ تم آنحضرتؐ کے برخلاف جنگ نہ کرنا تاوقتیکہ اس امر کی ضمانت نہ ہو جائے کہ قریش تمہارا ساتھ نہ چھوڑیں گے اور اُول (رہن) کے طور پر اپنے کچھ آدمی تمہارے حوالے نہ کر دیں اور قریش سے یہ کہا کہ یہودی اُول کے طور پر تمہارے آدمی لینا چاہتے ہیں "تم اپنے آدمی اُنہیں نہ دینا، اُنہوں نے آنحضرت صلعم سے وعدہ کر لیا ہے کہ اُن لوگوں کو قتل کرنے کے لئے آپ کے حوالے کر دیں گے"۔[1]

یہ ایک روایت ہے، اور **دوسری روایت** اس مضمون کی ہے کہ خود یہودیوں نے اُول (رہن) کی درخواست کی تھی، مگر قریش نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ کہ **نعیم** نے یہودیوں کے پاس آکر کہا کہ جب تمہارا قاصد اُول کے مطالبہ کے لئے آیا تھا، میں وہاں **ابو سفیان** کے پاس موجود تھا اور **ابو سفیان** تمہارا مطالبہ پورا کرنے والا نہیں ہے۔[2]

[1] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد ۳ صفحہ ۲۶۶ یا ابن ہشام صفحہ ۶۸۱۔ [2] سیرت حلبی، یا انسان العیون جلد ۳ صفحہ ۹۷ مطبوعہ مصر ۱۲۸۰ھ۔

ایک تیسری روایت واقدی کی کتاب مغازی الرسول کے ضمیمہ میں بیان کی گئی ہے، جو معتمر بن سلیمان بن طرخان کا لکھا ہوا ہے، اس میں یہ حکایت مطلق بیان نہیں کی گئی، بلکہ ایک بالکل مختلف بیان اس مضمون کا ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں قریش کا ایک جاسوس تھا، جس نے عبداللہ بن رواحہ کو یہ کہتے سُنا تھا کہ یہودیوں نے قریش سے یہ خواہش کی ہے، کہ ستر آدمی اُن کے پاس بھیج دئے جائیں، اور جب یہ لوگ پہنچ جائیں گے تو یہودی اُن کو قتل کریں گے۔ نعیم بن مسعود قریش کے پاس گیا جو اُس کے پیغام کا انتظار کر رہے تھے۔ اور جو کچھ سُنا تھا اُن سے کہہ دیا، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے[1]۔ یہ بیان اس کہانی سے جو ابن ہشام اور میور صاحب نے درج کی ہے، بالکل متناقض ہے، مگر بہر کیف اس حکایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت نے نعیم بن مسعود کو جھوٹ بولنے یا فریب دہی کی خبریں شائع کرنے کی اجازت دی تھی۔

۸۰۔ سر ولیم میور کی رائے حق بجانب نہیں ہے، جبکہ صاحب موصوف یہ لکھتے ہیں :-

قانون بین الاقوام کی بموجب جنگ میں دھوکے کی اجازت

"جھوٹ اور دھوکے سے غنیم کی جمعیت کو منتشر کرنے کے لئے نعیم بن مسعود کا تقرر ہم بے شک پسند نہیں کر سکتے۔ مگر یہ امر عرب کی نگاہ میں آنحضرت کی خصلت پر شاید کوئی خلاف اثر پیدا نہ کرے[2]"۔

آگے چل کر میور صاحب لکھتے ہیں :-

"جب فوج احزاب (گروہ) نے مدینہ کا محاصرہ کیا تو محمد (صلعم) ایک دغا باز آدمی مسمی نعیم بن مسعود

[1] مغازی واقدی صفحہ ۳۶۸-۳۶۹۔ جو زیر اہتمام وان کریمر ۱۸۵۶ء میں بمقام کلکتہ طبع ہوئی ہے۔

[2] سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۲۸۲۔ ابن ہشام صفحہ ۶۷۵۔

"دو سے مدد لینے کے خواستگار ہوئے، تاکہ وہ جھوٹی اور فریب دہی کی خبریں پہنچا کر دشمنوں میں
" (باہمی) بے اعتباری کا بیج بو دے، کیونکہ آپ نے کہا تھا کہ لڑائی دھوکے کے کھیل کے
" سوا اور کیا ہے[1]"

پہلی روایت سے جس کو میور صاحب نے نقل کیا ہے اور جس کے بالکل برعکس ایک دوسری روایت ایسی ہی قوی موجود ہے، زیادہ سے زیادہ صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے عربی کی ایک مشہور مثل "اَلحرب خدعۃٌ" کا ذکر کر کے جنگ میں "خدع" کو جائز قرار دیا ہے۔ **قانون جنگ یا قانون بین الاقوام** نے بھی اس امر کی اجازت اور منظوری دی ہے، کیونکہ لڑائی میں دھوکا دینا "جنگی مجبوری" ہے، (جس کے بغیر چارہ نہیں) اور جنگ کے قانون اور رسم و رواج کے بموجب جائز ہے۔

ایک زمانہ حال کا مصنف **قانون بین الاقوام** کی بابت حسب ذیل لکھتا ہے:-

"جنگی مجبوری اس امر کو جائز رکھتی ہے کہ مسلح دشمن یا دیگر اشخاص جن کی تباہی اتفاقیہ
" طور پر ناگزیر ہو، اُن کی جان یا اُن کے اعضائے جسمانی کو علانیہ ضائع و برباد کیا جائے،
" جبکہ فریقین بوقت جنگ مسلح ہو کر لڑ رہے ہوں، وہ اس امر کی اجازت دیتی ہے کہ دشمن
" کے مال و اسباب کو بالکل ضائع کر دیا جائے، تجارت سفر یا آمد و رفت کی خشکی اور تری کی
" راہوں کو مسدود کر دیا جائے، اور خور و نوش یا اسباب زندگانی کو اُس سے باز رکھا جائے
" اور دشمن کے ملک کا جو کچھ سامان فوج کی رسد یا حفاظت کے لئے ضروری ہو، اس پر اپنا
" قبضہ کر لیا جائے، اور اس کو دھوکا دیا جائے جس سے کسی ایسے قول و قرار کی خلاف ورزی
" لازم نہ آئے جو دوران جنگ میں معاہدوں کے متعلق یا تو واقعی طور پر فریقین کے درمیان

[1] سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۳۰۸-۳۰۹

"ہو چکا ہو یا جنگ کے قانون جدید کے بموجب اُس کا وجود مسلّم ہو"۔[1]

۸۱۔ مگر فرض کرو (بفرض محال)، کہ زمانۂ حال کا اخلاق آنحضرت صلعم کی اس کارروائی کو پسند نہیں کرتا، جو (بقول سر ولیم میور) عرب کی نگاہ میں آنحضرت کی خصلت پر کوئی خلاف اثر مشکل سے پیدا کر سکتی تھی، تو کیا اخلاقی رائے اور قیاس میں اختلافات نہیں ہوتے؟ **اخلاقی اتحاد** جس کی مختلف زمانوں میں توقع رکھی جاتی ہے، وہ معیار یا واقعات کا اتحاد نہیں ہوتا، بلکہ میلان کا اتّحاد ہوتا ہے۔

مسٹر لیکی کا اخلاقی معیار

مسٹر لیکی اخلاقی معیار کی بابت لکھتے ہیں:۔

"بعض وحشی اپنے ضعیف والدین کو قتل کر دیتے ہیں، شایستہ قومیں بھی بغیر کسی "پشیمانی کے قتل اولاد کی مرتکب ہوتی رہتی ہیں، اہل روما میں جو لوگ سب سے بہتر "تھے اُن کو بھی شمشیر آزمائی کے کرتبوں میں کوئی بات بیجا نہیں معلوم ہوتی تھی، پولیٹکل "(سیاسی) یا انتقامی خونریزیاں صدہا سال سے جائز اور قابل تسلیم سمجھی گئی ہیں۔ غلام "بنانا بعض اوقات قابل عزت سمجھا گیا ہے، اور بعض اوقات قابل الزام۔ یہ سب واقعات "اس امر کا قطعی ثبوت ہیں کہ ایک ہی فعل ایک زمانہ میں بے ضرر اور دوسرے زمانہ میں "مجرمانہ سمجھا جا سکتا ہے، لہٰذا یہ امر یقیناً صحیح ہے کہ اگر مؤرّخانہ تنقید کی جائے تو اُس ظاہری "بیقاعدگی کی تشریح یا تخفیف اسی طرح ہو سکتی ہے کہ یہ اختلافات خاص خاص حالات کا "مقتضا ہیں۔ یہ بات اکثر ظاہر کی گئی ہے کہ تیغ آزمائی کے کرتب اوّلاً انسانی قربانی کی "ایک شکل تھی، جو مذہبی وجوہ سے اختیار کی گئی تھی۔ چونکہ وحشی لوگ اکھڑ اور خانہ بدوش "زندگی بسر کرتے تھے، اور اُن کے لئے اپنے قبیلہ کے عمر رسیدہ اور بیکس اشخاص کی "حفاظت ناممکن تھی، اس لئے قتل والدین کو قاتل اور مقتول دونوں ایک رحمدلی کا کام "سمجھتے تھے۔ قبل اس کے کہ دادرسی کا ایک کارگر طریقہ باضابطہ طور پر قائم ہو شخصی انتقام ہی

[1] دیکھو لیبر کی متفرق تحریرات جلد دوم صفحہ ۲۵۰۔

" جرائم سے محفوظ رہنے کا ذریعہ تھا، اور پولٹیکل خونریزی ہی تعدی و دست درازی سے
" بچنے کا وسیلہ تھی۔ بعض وحشیوں کا چوری کے جُرم کو محسوس نہ کرنا اس وجہ سے ہے کہ وہ
" اپنی تمام چیزیں مشترک رکھنے کے عادی تھے۔ اہل سپارٹا کا قانون جو چوری کو جائز
" رکھتا تھا، اس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ وہ لوگوں میں فنون جنگ کی مہارت پیدا کرنی چاہتے
" تھے، مگر خاص وجہ یہ تھی کہ لوگوں کے دلوں سے دولت جمع کرنے کا خیال دور کرنا چاہتے
" تھے، غلامی کے رواج کا محرک رحمدلی کا خیال تھا تاکہ فاتحین اپنے قیدیوں کو قتل کرنے
" سے باز رہیں۔ یہ تمام باتیں صحیح اور درست ہیں۔ مگر اُن کا ایک اَور جواب بھی ہے جو
" زیادہ تر عام ہے۔ اس امر کی توقع نہیں کی جا سکتی، اور نہ یہ کسی کا دعویٰ ہے کہ اخلاقی
" اصول کے اطلاق کی بابت ہر زمانہ میں لوگ متفق الرّائے تھے، البتہ اس بات پر زور
" دیا جاتا ہے کہ یہ اصول ہمیشہ یکساں رہے ہیں۔ جو باتیں ہم کو انتہا درجہ کی سفّاکی
" اور ظلم معلوم ہوتی ہیں اُن میں سے بعض باتیں اُسی ہمدردی کے خیال سے دل
" میں پیدا ہوئی تھیں، جس کی خوبی کا تمام زمانوں میں تسلیم کیا جانا اُن ہی بیرحمیوں کو
" پیش کر کے باطل کیا جاتا ہے۔ اور جہاں یہ صورت نہیں ہے وہاں بھی صرف اسی
" قدر نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ انسانیت کا معیار اُس زمانہ میں بہت ادنےٰ درجہ کا تھا،
" مگر یہ بات بہر حال تسلیم کی جاتی تھی کہ انسانیت اور رحمدلی ایک نیکی ہے اور ظلم ایک
" بدی ہے[1]"

قتل یہود کی بابت ادّعائی اجازت

۸۲- آنحضرت صلعم کے بعض تذکرہ نویسوں نے بیان کیا ہے اور یورپ کے بعض

ابن سنینہ کا قتل

تذکرہ نویسوں نے سرگرمی سے نقل کیا ہے کہ " کعب ابن اشرف

[1] دیکھو یوروپین اخلاق کی تاریخ آگسٹس کے عہد سے شارلیمین کے عہد تک" از ولیم ایڈورڈ ہارٹ پول لیکی ایم۔ اے جلد اصفحات ۱۰۱-۱۰۲-

کے قتل کے بعد اگلی صبح کو محمد (صلعم) نے اپنے اصحاب کو عام اجازت دیدی تھی کہ جو کوئی یہودی تم کو اتفاق سے کہیں مل جائے، تم اُس کو قتل کر دو"[1] اور یہ کہ ایک مسلمان **محیصہ** نامی کا ایک یہودی سوداگر **ابن سنینہ** کو قتل کرنا اسی حکم کا بلاواسطہ نتیجہ تھا۔ **سر ولیم میور** اس کے آگے یہ لکھتے ہیں:۔

"جب **حویصہ** نے **محیصہ** کو اپنے جتھے کے آدمی یعنے ایک یہودی کو قتل کر کے اُس "کی دولت پر قبضہ کر لینے کی وجہ سے ملامت کی تو محیصہ نے جواب دیا بخدا! جس نے مجھے "اُس یہودی کے قتل کا حکم دیا تھا، اگر وہ مجھے تیرے قتل کا بھی حکم دیتا تو میں ایسا ہی کرتا "**حویصہ** نے کہا، ہیں! کیا تو محمد (صلعم) کے حکم پر اپنے ہی بھائی کو قتل کر دیتا۔ اس خبطی "(متعصب) نے جواب دیا، ایسا ہی کرتا۔ **حویصہ** نے جواب دیا، درحقیقت یہ عجیب بات "ہے، کیا یہ نیا مذہب اس حد تک پہنچ گیا ہے، واقعی یہ عجیب وغریب دین ہے، اور "**حویصہ** اسی وقت سے مسلمان ہو گیا"[2]

ابن اسحاق لکھتا ہے کہ یہ داستان قبیلۂ بنی حارثہ کے ایک آزاد کردہ غلام نے مجھ سے بیان کی تھی، اور اس نے محیصہ کی بیٹی سے روایت کی ہے، جس نے اپنے باپ سے اس کو سنا تھا۔[3]

(۱) اب سُنئے کہ اس پُراسرار شخص (بنی حارثہ کے آزاد کردہ غلام) کا حال بالکل معلوم نہیں ہے، لہذا اس داستان پر کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) قاتل جس کا نام ابن ہشام نے **محیصہ** بیان کیا ہے۔ اُس کی بیٹی کی بابت ہم کو کوئی علم نہیں ہے۔

---

[1] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۱۴۸۔ ابن ہشام صفحہ ۵۵۳۔
[2] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۱۴۹ یا مغازی واقدی صفحہ ۱۹۱۔
[3] ابن ہشام صفحہ ۵۵۴۔

(۳) خود محیّصہ کی خصلت ایسی قابل عزت نہیں ہے کہ اُس کے بیان کو ذرا بھی سچّا اور قابل اعتماد قرار دیا جا سکے۔

(۴) آخر میں ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ جو داستان بیان کی جاتی ہے کہ آنحضرت نے اپنے اصحاب کو عام اجازت دیدی تھی کہ جو یہودی کہیں ملے اُس کو قتل کر دیا جائے، اور اسی لئے محیصہ نے ابن سنینہ کو قتل کر دیا تھا، اور حویّصہ نے اسلام قبول کر لیا تھا، اس حکایت کے خلاف ایک اور روایت ابن ہشام نے (صفحہ ۵۵۴ لغایت ۵۵۵ پر) بیان کی ہے، جس نے ابو عبیدہ سے روایت کی ہے، اور ابو عبیدہ نے ابی عمرو المدنی سے روایت کی ہے کہ قتل بنی قریظہ کے دوران میں (دیکھو فقرہ ۶۸ کتاب ہذا) ایک شخص مسمّی کعب بن یہوذا کو قصاص کے لئے محیصہ کے سپرد کیا گیا تھا۔ جب اس نے مجرم کو قتل کیا تو حویّصہ نے جو ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا اپنے بھائی کو ملامت کی محیّصہ نے جواب دیا کہ "جس نے مجھے اس یہودی کے قتل کا حکم دیا تھا، اگر وہ تیرے قتل کا بھی حکم دیتا تو میں تجھے بھی قتل کر ڈالتا"۔ حویّصہ اپنے بھائی کے جواب پر بالکل حیران رہ گیا، اور متعجّب ہو کر چلا گیا۔ رات کے وقت وہ بار بار بیدار ہوتا تھا، اور اس بات پر تعجّب کرتا تھا کہ اس کا بھائی دین اسلام کا کیسا پکّا جان نثار اور وفادار ہے۔ صبح کو اس نے کہا کہ "وَاللہ! یہ عجیب و غریب دین ہے"۔ اور اسلام قبول کرنے کی غرض سے پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ (ابن ہشام صفحہ ۵۵۴ تا ۵۵۵)۔

ان بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ قتل یہود کی ادّعائی اجازت اور ابن سنینہ کا قتل، اور اس کی وجہ سے حویّصہ کا اسلام لانا محض لغو اور بناوٹ ہے۔

۸۳- اگرچہ سر ولیم میور کو ایسی تمام غیر معتبر اور موضوع روایتیں جمع کرنے

بڑا شوق ہے جن کا اثر پیغمبر اسلام ؐ کی خصلت پر پڑتا ہو، مگر اس روایت کی صحت میں اُن کو بھی شک ہے، اور وہ اس کا خلاف قیاس اور خلاف مصلحت ہونا بیان کرتے ہیں۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں:-

سر ولیم میور کا قول

"مگر یہ حکم بذات خود ایک عجیب حکم ہے، اور ہر شخص یہ خیال کریگا کہ اُس میں کچھ قیود
"و شرائط ضرور ہونگی، جو یہاں صاف طور پر ظاہر نہیں کی گئیں۔ اس وقت پیغمبر (صلعم) کے
"مقصد کے لئے یہ بات یقیناً قرین مصلحت نہیں تھی کہ اس حکم کی سختی کے ساتھ تعمیل ہونے
"سے مدینہ کے بازاروں میں خون کا دریا بہ جائے، تاہم بہترین روایات کا صریح مضمون
"یہی ہے۔

"اس امر کا احتمال ہے کہ یہ حکم ایسے وقت میں جاری کر دیا گیا ہو جبکہ محمد (صلعم)
"کو یہودیوں کی دغابازی کی وجہ سے اُن کے خلاف اشتعال پیدا ہو گیا تھا۔ اور
"ہشامی میں اس مضمون کی ایک روایت ہے کہ یہ حکم اس وقت شائع کیا گیا تھا جبکہ
"محمد (صلعم) نے بنی قریظہ کے تمام مردوں کے قتل کی ہدایت کی تھی، اور اگر دوسری روایت
"ایسی ہی قوی اور قطعی موجود نہ ہوتی تو ہشامی کی روایت کا مضمون غالباً صحیح تسلیم کر لیا
"جاتا۔"[1]

مگر جو روایت **میور صاحب** نے نقل کی ہے وہ سب سے عمدہ یا سب سے قوی روایت نہیں ہے، جیسا کہ میں اس سے پہلے ظاہر کر چکا ہوں۔ ہشامی یہ نہیں کہتا کہ وہ حکم بنی قریظہ کے قتل کے وقت جاری کیا گیا تھا، وہ تو صرف محیّصہ اور حویّصہ کا قصہ بیان کرتا ہے، جو اُس وقت پیش آیا تھا۔

---

[1] سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۱۴۸-۱۴۹- فٹ نوٹ

یہود بنی نضیر کی جلاوطنی

یہود بنی نضیر

۸۴۔ سر ولیم میور، یہود بنی نضیر کی جلاوطنی کو قابل الزام قرار دیتے ہیں، اور یہ لکھتے ہیں:۔

"جس حیلہ سے بنی نضیر کا محاصرہ کیا گیا اور اُن کو جلاوطن کیا گیا (یعنے یہ کہ جبریل "نے ان کے منصوبہ کی اطلاع دی تھی کہ وہ پیغمبرؐ کی جان کے درپے ہیں) وہ ایک "کمزور وجہ تھی، اور اس قابل نہ تھی کہ اُس کو ایمانداری کی وجہ کہہ سکیں[1]"

قرآن مجید کی پوری سورت میں خاص طور پر یہود بنی نضیر کا حال بیان کیا گیا ہے، مگر اُن کے اس جُرم کا اشارہ تک نہیں پایا جاتا جو سر ولیم میور نے بیان کیا ہے کہ "انھوں نے پیغمبر (صلعم) کی جان لینے کا قصد کیا تھا" اور نہ اس امر کا کہیں اشارہ ہے کہ اس وجہ سے اُن کو جلاوطن کیا گیا تھا۔ اس مضمون کی روایتوں کی کوئی سند یا تائید موجود نہیں ہے، وہ یک طرفہ ہیں اور ایک افسانہ کی حیثیت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی ہیں۔ اگر کوئی ایسی روایت آنحضرتؐ کے زمانہ میں جو صدر اوّل کے نام سے موسوم ہے، زبان زد ہوتی تو بلاشک اس مضمون کے بیسیوں راوی ہوتے[2]۔ اُن کا جُرم دغابازی اور بدعہدی تھی[3]۔ اور

[1] سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد چہارم صفحہ ۳۰۸۔

[2] یہ روایات کہ آنحضرت (صلعم) کوئی خونبہا ادا کرنے کے لئے قبیلہ بنی نضیر سے مدد لینے گئے تھے اور انہوں نے آپ کی جان لینے کا اقدام کیا تھا (دیکھو میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۲۰۸-۲۰۹) جیسا کہ ابن اسحاق نے (ابن ہشام صفحہ ۶۵۲ پر) روایت کی ہے، وہ روایت مرسل ہے، (دیکھو زرقانی جلد دوم صفحہ ۹۵ مطبوعہ مصر) لہذا یہ روایت آنحضرتؐ کے زمانہ میں شائع نہیں ہوئی تھی۔

[3] موسیٰ ابن عقبہ جو آنحضرتؐ کا ایک نہایت ہی قدیم تذکرہ نویس ہے اور جس کا انتقال ۱۴۵ھ میں ہوا ہے (موسیٰ بن عقبہ کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۳۶۰ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۷ھ عبد اللہ خاں)، یہ لکھتا ہے کہ:۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۲۹ کتاب ہذا)

وہ مدینہ کے لئے ایک خوفناک عنصر تھے، کیونکہ بد عہد یہود اور حملہ آور قریش کے درمیان یا اسلام کے دوسرے دشمنوں کے باہم کسی وقت میں ایسا ربط و اتحاد مدینہ کی امن و حفاظت کے نہایت مہلک اور خطرناک ثابت ہوتا مگر اُن کی جلاوطنی نہایت نرم سزا تھی۔

۸۵۔ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ؐ نے بنی نضیر کے محاصرہ کے وقت گرد و نواح کے کھجور کے درختوں کو کاٹ ڈالا تھا اور جو درخت سب سے عمدہ تھے اُن کو جلا دیا تھا، اور قرآن مجید کی سورہ حشر ۵۹ کی آیتوں کا اعلان کر کے اپنی کارروائی کو حق بجانب قرار دیا۔[۱]

پھل دار درخت نہیں کاٹے گئے۔

مگر جو کھجور کے درخت کاٹے گئے تھے وہ پھل دار نہیں تھے اور بنی نضیر کے لئے یا عام اشخاص کے لئے اُن سے بکری کی غرض سے کوئی خوراک حاصل نہیں ہوتی تھی، قرآن مجید کی آیت جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اس میں جو لفظ لینۃٌ (حشر ۵۹ آیت ۵ میں) آیا ہے وہ درخت بے ثمر کا نام ہے۔ لہذا کوئی پھل دار درخت ضائع نہیں کیا گیا (دیکھو زرقانی جلد دوم صفحہ ۹۸) صرف بے ثمر درخت کاٹے گئے تھے[۲] (جن کی تعداد صرف سات ہے) اور ایسے درختوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۸)۔ "بنی نضیر کے خلاف مہم لے جانے کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے قریش کو آنحضرت ؐ "سے لڑنے کے لئے اغوا کیا تھا، اور مدینہ سے کمزور اور غیر محفوظ مقامات پر پہرا قائم کر دیا "تھا ابن مردویہ، عبد بن حمید اور عبد الرزاق نے اس مضمون کی روایات بیان کی ہیں کہ "بدر کے واقعہ کے بعد قریش نے یہودیان مدینہ کو آنحضرت ؐ سے جنگ کرنے کے لئے لکھا تھا "اور بنی نضیر نے عہد نامہ کو توڑنے کا پکّا ارادہ کر لیا تھا۔ (دیکھو زرقانی جلد ۲ صفحہ ۹۶ و ۹۷ مطبوعہ مصر)

[۱] دیکھو میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۲۱۲۔ اور صفحہ ۲۱۳ فٹ نوٹ۔

[۲] حواشی ابن ہشام صفحہ ۱۵۷ مطبوعہ یورپ، میں لکھا ہے کہ آنحضرت ؐ نے یہود بنی نضیر کا کوئی ایسا درخت نہیں جلایا جو بنی نوع انسان کے لئے کارآمد ہو۔ نیز ملاحظہ ہو بیضاوی کی تفسیر ذیل سورہ حشر ۵۹۔ آیت ۵ مطبوعہ یورپ صفحہ ۳۲۲ جلد ۲۔

کا کاٹا جانا حضرت موسےٰ ع کی شریعت میں بھی جائز ہے (دیکھو کتاب استثنا باب ۲۰ ورس ۲۰-)[1]

صُلح نامہ حدیبیہ سے عورتوں کا کیا تعلّق تھا

۸۶-عورتیں صُلح نامہ حدیبیہ میں شامل نہیں تھیں-یہ جو صُلح نامہ میں شرط تھی- کہ قریش کا جو شخص مسلمانوں کے پاس چلا آئے گا اس کو قریش کے حوالہ کر دیا جائے گا، اس شرط کا تعلّق صرف مردوں سے تھا اِس صلح کے زمانہ میں جو عورتیں مکّہ سے مدینہ آتی تھیں حسب ہدایت سورۂ ممتحنہ ۶۰-آیت ۱۰-اُن کا امتحان کیا جاتا تھا، اور اگر اُن کا صدق دل سے اسلام لانا معلوم ہو جاتا تھا، تو اُن کو مدینہ میں رہنے دیا جاتا تھا-

صلح نامہ حدیبیہ سے عورتوں کا تعلّق

اُن کو مشرکوں سے نکاح کرنے کی ممانعت تھی-ان مسلمان عورتوں کے سرپرستوں کو اسلامی جمہوریت کی طرف سے وہ رقم ادا کی جاتی تھی جو اُنہوں نے اُن عورتوں پر صرف کی ہو-سر ولیم میور سورۂ ممتحنہ ۶۰-آیت ۱۰ اسے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ عورتیں اہل مکّہ کی بیویاں تھیں، صاحبِ موصوف لکھتے ہیں:-

"عورتوں کے شوہروں کا کفر اُن کے پہلے نکاح کو باطل کر دیتا تھا، اور اب وہ باقاعدہ
"طور پر مسلمانوں کے ساتھ از سرِ نو عقدِ نکاح کر سکتی تھیں اور صرف یہ شرط تھی کہ اُن کے

[1] توراتِ مقدّس کی اصل عبارت ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

"چوں شہر را مدت مدید محاصرہ کنی و بقصد تسخیرش جنگ نمائی نمے باید کہ درختانش را بضرب تبر انداز پا در
"آری از آنرو کہ ثمر آنہارا خواہی خورد نمے باید برید چہ آیا درخت چمن چوں انسان ے ماند تا
"در محاصرہ ترا مقاومت کند فقط آن درختاں را کہ بدانی کہ لائق خوردن نیست قطع و قمع آں جائز
"داستہ تا مقابل شہرے کہ با تو جنگ نماید آلات محاصرہ بسازی تا آنکہ بتصرف در آید" (کتاب
"استثناء باب ۲۰ ورس ۲۰ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۲۸ء)-

"وہ پہلے خاوندوں نے مہر کے طور پر جو روپیہ اُن پر صرف کیا ہے وہ اُن کو عطا کر دیا جائے"[1]

مگر اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اُن عورتوں کے خاوند مکّہ میں موجود تھے، اور نہ اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ اُن کے پہلے خاوندوں کے کفر کی وجہ سے اُن کے نکاح منسوخ ہو گئے تھے۔ چونکہ سورۂ نساء ۴۔ آیت ۲۸ میں شوہردار عورتوں کے ساتھ نکاح کی ممانعت ہے اور سورۂ ممتحنہ ۶۰۔ آیت ۱۰ جو زیر بحث ہے اُس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ وہ شوہردار عورتیں تھیں، لہٰذا میں ازروئے انصاف یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ یہ آیت صرف ایسی عورتوں سے بحث کرتی ہے جن کا نکاح نہیں ہوا تھا۔ قرآن مجید کا یہ قانون نہیں ہے کہ فریقین میں سے کسی ایک کا کفر اُن کے پہلے نکاح کو قطع کر دیتا ہے۔ قرآن میں صرف اس امر کی تاکید ہے کہ نہ تو مسلمان مرد مشرک عورتوں سے نکاح کریں اور نہ مسلمان عورتیں مشرک مردوں سے، جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں (دیکھو البقرہ ۲۔ آیت ۲۲۰)۔

۸۷۔ سر ولیم میور سورۂ (ممتحنہ ۶۰ کے) آیات ۱۰ الغایت ۱۲ کے نقل کرنے کے بعد یہ لکھتے ہیں:۔

مسٹر سٹینلے کی رائے کی تائید۔

"سٹینلے نے جو کرنتھیوں کی تفسیر لکھی ہے (دیکھو پولوس حواری کا "پہلا خط کرنتھیوں کے نام باب ۷ ورس ۱ تا ۴۰) اُس میں آیہ مندرجہ بالا کو نقل کر کے "یہ لکھا ہے کہ اس میں جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے وہ "رسول (یعنی پولوس حواری) کے "قاعدہ سے مشابہت رکھتا ہے"۔ دیکھو جلد اول صفحہ ۱۴۵۔ مگر درحقیقت ان دونوں میں کوئی مشابہت نہیں ہے، انجیل کا قاعدہ آنحضرتؐ کے قاعدہ سے بالکل مختلف ہے۔ انجیل کا حکم یہ ہے "اگر کسی بھائی کی بیوی باایمان نہ ہو اور اُس کے ساتھ رہنے کو "راضی ہو تو اس کو نہ چھوڑے"۔ اور ایمان دار زوجہ کا غیر ایمان دار شوہر کے ساتھ

[1] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۴۴۔

"وہ بھی ایسا ہی حکم ہے۔ (پولوس حواری کا پہلا خط کرنتھیوں کے نام باب ۷، ورس ۱۲ تا ۱۶)۔
"مگر محمد (صلعم) زن و شوہر میں سے کسی فریق کے کافر ہو جانے پر عقد نکاح کا درحقیقت
"منسوخ ہو جانا بیان کرتے ہیں اور نکاح کے معاہدہ کی بابت آپ کے ڈھیلے ڈھالے
"خیالات سے درحقیقت صرف ایسی ہی توقع کی جا سکتی تھی"۔[1]

میں خیال کرتا ہوں کہ سٹینلے کی رائے بالکل ٹھیک ہے اور انجیل اور قرآن کے احکام اس بارۂ خاص میں ایک دوسرے سے مشابہت تام رکھتے ہیں، کیونکہ یہ حکم کہ "مومن عورتیں مشرکوں کے واسطے جائز نہیں ہیں، اور نہ مشرک مرد مومن عورتوں کے لئے جائز ہیں" اُن عورتوں سے تعلق نہیں رکھتا ہے جن کا پہلے سے نکاح ہو چکا ہے۔ اور یہ الفاظ کہ "کافر عورت پر کوئی حق قائم نہ رکھو . . . . اگر کوئی تمہاری عورت تم کو چھوڑ کر کافروں کے پاس چلی جائے . . . . ." ان الفاظ کا وہی مطلب ہے جو کرنتھیوں باب ۷، ورس ۱۵ کا مطلب ہے اور اُس کے الفاظ یہ ہیں "لیکن مرد جو با ایمان نہ ہو اگر وہ علیحدہ ہو تو علیحدہ ہونے دو، ایسی حالت میں کوئی بھائی یا بہن پابند نہیں"۔[2]

---

[1] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۱۶۴۔ فٹ نوٹ۔

[2] قرآن مجید کی آیات معہ ترجمہ حسب ذیل ہیں:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَآتُوهُمْ مَا أَنْفَقُوا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم اُن کے ایمان کا امتحان کرو اللہ تعالیٰ اُن کے ایمان کا حال بہتر جانتا ہے اگر تم اُن کو جان لو کہ مسلمان ہیں تو اُن کو کافروں کی طرف واپس نہ کرو نہ یہ عورتیں کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ کافران عورتوں کے لئے حلال ہیں اور جو کچھ کافروں نے اُن پر خرچ کیا ہے وہ اُن کو ادا کر دو اور اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں ہے کہ اُن عورتوں کو اُن کے مہر دے کر اُن سے

(ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳۳ کتاب ہذا)

۸۸۔ عقدِ نکاح کے متعلق آنحضرت ؐ کے خیالات مُبہم نہ تھے۔ مُعاہدہ ازدواج

نکاح ایک مضبوط باہمی معاہدہ ہے

کی جو حالت قوم عرب میں تھی، آپ نے اُس معاہدہ کو اس سے زیادہ مضبوط اور نہایت مستثنےٰ صورتوں کے سوا ناقابل فسخ قرار دیا اور اُس کو ایک "مضبوط باہمی معاہدہ" فرمایا[1]۔ خود آنحضرت ؐ کی دختر زینب کا شوہر (ابو العاص بن الربیع) کافر تھا، اور جب بعد ہجرت مکّہ میں کافروں کی طرف سے مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچنے لگیں تو وہ اپنے پدر بزرگوار (آنحضرت ؐ) کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۲)

أُجُورَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْأَلُوا مَا أَنفَقْتُمْ وَلْيَسْأَلُوا مَا أَنفَقُوا ذَٰلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ وَإِن فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَآتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُم مِّثْلَ مَا أَنفَقُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ ○
(ممتحنہ ۶۰۔ آیات ۱۰-۱۱)

نکاح کر لو، اور کافر عورتوں کی ناموس پر قبضہ نہ رکھو اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کرو، اور جو انہوں نے خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کر لیں، یہ اللہ کا حکم ہے جو تمہارے بارہ میں صادر فرماتا ہے، اور اللہ علیم حکیم ہے اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی تم سے علیحدہ ہو کر کافروں میں جا ملے، اور پھر تم کو اُن سے کوئی غنیمت ہاتھ لگے تو جن مسلمانوں کی بیویاں چلی گئی ہیں۔ جتنا انہوں نے خرچ کیا ہو اُن کو ادا کر دو اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان لائے ہو۔"
(ممتحنہ ۶۰۔ آیات ۱۰-۱۱)۔

[1] دیکھو النساء ۴۔ آیت ۲۵۔ اس آیت کے الفاظ میثاقاً غلیظاً کا یہی ترجمہ راڈویل صاحب نے کیا ہے۔ میں نے اپنی ایک دوسری کتاب جس کا نام ہے "مجوزہ ملکی قانونی اور تمدنی اصلاحات زیر حکومت اسلام" میں صفحات ۱۲۹-۱۴۳ پر (جو سنہ ۱۸۸۳ء میں بمبئی ایجوکیشن سوسائٹی پریس میں چھپی ہے) اس امر میں پوری بحث کی ہے کہ آنحضرت ؐ نے طلاق کے رواج کو کم کرنے کی کس طرح کوشش کی، اور قوم میں آسانی سے عورتوں کو طلاق دیدینے کا جو دستور تھا، اُسکی ممانعت کے لئے قرآن مجید میں کیا کیا تدبیریں اختیار کی گئیں +

(نوٹ) من المترجم:۔ یہ کتاب جس کی طرف مرحوم مصنف نے اشارہ کیا ہے اُردو زبان میں ترجمہ ہو گئی ہے۔ مولانا عبدالحق صاحب بی اے (علیگ) نے ۸۸ صفحات کے ایک عالمانہ مقدمہ کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ اردو ترجمہ کا نام "اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام" ہے جو دو حصوں میں شامل ہے۔ قیمت ہر دو حصہ سے۳ روپے۔ (مولوی عبداللہ خاں بک سیلر اینڈ پبلشر ساکن کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن سے مل سکتی ہے) +

پاس چلی آئیں[1]۔ آنحضرت صلعم نے زینب اور اُن کے کافر شوہر کے نکاح کو منسوخ نہیں کیا، اور جب آنحضرت صلعم کا یہ داماد اپنی زوجہ کے مدینہ چلے آنے کے چھ سال بعد مدینہ میں آیا، تو آپ نے اُن کے سابق نکاح کی بنا پر دونو کو شامل کر دیا[2]۔ نہ تو از سرِ نَو اُن کا نکاح ہوا اور نہ از سرِ نَو مہر باندھا گیا۔ (دیکھو ابن عباس کی روایت مندرجہ کتب احادیث مؤلفہ احمد۔ ابو داؤد، ابن ماجہ و ترمذی)۔ فتح مکہ کے وقت صفوان بن امیہ، اور عکرمہ بن ابی جہل کی بیویاں مسلمان تھیں، اور اُن کے نکاحوں کو آنحضرت صلعم نے منسوخ نہیں کیا تھا۔ (دیکھو ابن شہاب کی روایت مندرجہ کتاب موطا از امام مالک صفحہ ۱۹۷، یا شرح موطا مسمّی مسوّی جلد ۲ صفحہ ۸ تا ۱۰ مطبوعہ دہلی ۱۲۹۳ھ اور طبقات ابن سعد کاتب واقدی) اسی طرح ابو سفیان اور حکیم بن حزام نے خود مسلمان ہو جانے کے بعد اپنی بیویوں کو اپنے پاس رکھا اور آنحضرت صلعم نے ان کے پہلے ازدواجی تعلق کو قطع نہیں کیا۔ (دیکھو اس مضمون کی متعدد روایتیں کتاب بیہقی میں[3])۔ صرف طبقۂ مابعد کے فقہا نے غلطی

---

[1] بعض کمینہ خصلت قریش زینب کی روانگی کا حال سُن کر تعاقب کے لئے روانہ ہوئے، اور اُنکو واپس لانے کا مصمّم ارادہ کر لیا۔ پہلا شخص جو آن پُہنچا وہ ہبّار بن اسود تھا جس نے اُونٹ کو برچھی ماری اور زینب ایسی خوف زدہ ہوئیں کہ اُن کا حمل ساقط ہو گیا اور آخر کار اسی صدمہ سے آپ کا انتقال ہو گیا۔ (میور صاحب کی سیرت محمدی جلد ۲ صفحہ ۷) یا ابن ہشام صفحہ ۴۶۷۔ تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۹۳۔

[2] زاد المعاد ابن القیّم جلد دوم صفحہ ۱۷۸۔ ابن ہشام صفحہ ۴۷۰۔ ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۲۰۴ + تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۹۱ و ۹۲ مطبوعہ مصر۔

[3] موطا امام مالک صفحہ ۱۹۷ مطبوعہ دہلی ۱۳۰۷ھ اور زاد المعاد ابن القیّم جلد ۲ صفحہ ۱۷۷ تا ۱۷۹ مطبوعہ کانپور ۱۲۹۸ھ میں یہ تمام حالات نہایت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں + بحث فی حکمہ صلے اللہ علیہ وسلم فِی الزَّوجین یسلم احدھما قبل الاخر۔ امام شافعی رح نے زبردست دلائل سے ثابت کیا ہے کہ احد الزوجین کا کفر معاہدہ نکاح کو ساقط نہیں کرتا اور یہ تمام مثالیں جن کو مصنف نے متن میں نقل کیا ہے اُن سب کو امام موصوف نے بھی اپنی کتاب " اُم " میں درج کیا ہے (دیکھو کتاب الاُم جلد چہارم صفحہ ۱۸۵ مطبوعہ مصر ۱۳۲۲ھ)۔ (عبداللہ خاں)

سے سورۂ ممتحنہ ۶۰ کی آیت ۱۰ کا مطلب یہ سمجھا کہ فریقین میں سے کسی ایک کا کافر ہو جانا عقد نکاح کو فسخ کر دیتا ہے۔ (شرح معانی الآثار امام طحاوی جلد ۲ صفحہ ۱۷۹۔ کتاب السّیر مطبوعہ مصطفائی سنہ ۱۳۰۱ھ)۔

باب دوازدہم

جہاد متعارف

۸۹۔ تقریباً تمام مسیحی اور عام اسلامی مصنفوں کا خیال یہ ہے کہ مذہبی جنگ میں سبقت کرنی ایک اسلامی عقیدہ ہے، اور یہ کہ زبردستی مسلمان بنانے یا جزیہ وصول کرنے کی غرض سے قرآن مجید نے ایسی لڑائی کی اجازت دی ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے کسی ایسے اصول کی تلقین نہیں کی، اور آنحضرتؐ نے بھی اُس کی تعلیم نہیں دی اور نہ اُس کا وعظ فرمایا۔ آپ کا مشن (پیغمبری کا کام)، یہ نہیں تھا کہ جنگ و جدل کیا جائے، یا بزور شمشیر لوگوں کو مسلمان بنایا جائے، یا اُن سے جزیہ وصول کیا جائے، یا اُن لوگوں کو جو اسلام قبول نہ کریں، نیست و نابود کیا جائے۔ آپ کی رسالت کا مقصد صرف یہ تھا کہ اہل عرب کے دلوں کو خدائے واحد کی سچّی عبادت کے نور سے منور کیا جائے، ان کو نیکی اختیار کرنے اور بدی سے باز رہنے کی ہدایت کی جائے، اور اس مقصد کو آپ نے صداقت اور راستبازی سے پورا کیا۔ یہ بات کہ آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب کو سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں، وہ وطن سے بیوطن کئے گئے، اُن پر حملہ کیا گیا، اُن کے ساتھ جنگ کرنے میں پیش قدمی کی گئی، اور یہ کہ آنحضرتؐ

قرآن مجید صرف دفاعی جنگوں کا حکم دیتا ہے

اور آپ کے اصحاب نے دشمنوں کے حملوں کی مدافعت اپنے کانشنس (اعتقاد) کی آزادی مسلمانوں کی جان کی حفاظت، اور مذہبی آزادی حاصل کرنے کی غرض سے دفاعی جنگیں کیں، غنیم کی بہت زیادہ جمیعت کا اپنی قلیل تعداد سے مقابلہ کیا، دفاعی عہدنامے کرکے جنگ کے مقصد اعظم کو حاصل کیا، یعنے یہ کہ مسلمانوں کو مکّہ اور مدینہ میں رہنے کے لئے آزادی مل جائے، کوئی اُنکو ستائے نہیں اور اُن کو مسجد الحرام (خانہ کعبہ) میں آزادانہ آمدورفت رکھنے اور اپنے مذہبی اعمال کو بے روک ٹوک ادا کرنے کی اجازت حاصل ہو جائے، یہ جملہ امور بالکل جُداگانہ اور غیر متعلق ہیں، اور مضمون زیر بحث یعنی جہاد متعارف سے اُن کا تعلّق نہیں ہے، یعنے مذہب قبول کرانے اور جزیہ وصول کرنے اور بُت پرستوں کو نیست و نابود کرنے کی غرض سے مذہبی جنگ کرنی، جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ یہ ایک اسلامی عقیدہ ہے۔ یہ تمام دفاعی جنگیں تھیں اور قرآن مجید کی آیتیں جو اُن سے متعلّق ہیں، دائمی احکام نہ تھے، بلکہ بجائے خود ایک معین زمانہ اور خاص حالات سے مخصوص تھے۔ ان لڑائیوں کو ابتدا بجنگ کی نظیر قرار نہیں دے سکتے، اور نہ اُن آیتوں سے ابتداءً حملہ کرنے کا حکم یا عقیدہ مستنبط ہو سکتا ہے، اور اُن کا یہ مقصد ہے بھی نہیں۔ ابتدائی حملہ تو الگ رہا یہ لڑائیاں اسلامی جماعت یا جمہوریت کے لئے دفاعی جنگوں کی نظیر بھی نہیں ہو سکتیں، اور نہ وہ آیتیں اس قسم کی لڑائیوں کی ہدایت یا دستور العمل کا کام دے سکتی ہیں کیونکہ جن حالتوں میں آنحضرتؐ نے دفاعی جنگیں کی تھیں وہ مقامی اور عارضی تھیں۔ مگر تقریباً تمام یورپین مصنّف یہ بات نہیں سمجھتے کہ قرآن مجید حملہ کی لڑائی یا ابتدا بجنگ کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ اس کو ناموافق حالات ہیں، صرف دفاعی جنگ

کا حکم دینا پڑا تھا، اور اس کے حق بجانب ہونے کی وجوہیں صاف صاف بیان کی گئی تھیں، اور **تعدّی** یا ابتدائی حملہ کی ممانعت سختی کے ساتھ کی گئی تھی۔

۹۰- اوّل تو جہاد کی بابت جو احکام قرآن مجید میں وارد ہوئے ہیں، وہ سب کے سب محض **مدافعت** یا **حفاظت خود اختیاری** کے طور پر ہیں، اور اُن میں سے کوئی حکم بھی ایسا نہیں، جس کا حملہ کی لڑائی یا غیر مسلموں پر چڑھائی کرنے سے کچھ تعلق ہو، **ثانیاً** یہ امر خاص طور پر قابل غور ہے کہ یہ لڑائیاں ایک عارضی حیثیت رکھتی تھیں، اور اُن کو خواہ مخواہ زمانہ مابعد کے عملدر آمد کے لئے قطعی احکام یا آیندہ نسلوں کے لئے مذہبی ہدایات خیال نہیں کرنا چاہیئے۔[1] ان لڑائیوں کی ضرورت اسی لئے پیش آئی تھی کہ مخالفانِ اسلام کے حملوں کی مدافعت کی جائے، اور وہ صرف عارضی تجاویز تھیں۔ عام فقہانے جنہوں[2] غیر مسلموں پر بلا اشتعال طبع حملہ کرنے کی اجازت دی ہے، وہ اُن کی غلطی ہے، مگر وہ بھی اس قسم کے جہاد کو **فرض عین** قرار نہیں دیتے بلکہ اُس کو **فرض کفایہ** کی فہرست میں داخل کرتے ہیں۔ فرض عین وہ حکم ہے جس کا بجالانا ہر ایک مسلمان پر لازم ہو، مگر غیر مُسلموں پر بلا اشتعال طبع یا ابتداءً حملہ کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض نہیں ہے۔ ہدایہ میں لکھا ہے ”جہاد کے مقدس حکم کی تعمیل اُس وقت کافی سمجھی جاتی ہے، جبکہ مسلمانوں کا کوئی گروہ یا کوئی قبیلہ اُس کی تعمیل کردے،

شریعت اسلام اور جہاد۔

[1] زاد المعاد ابن القیم جلد اول صفحہ ۳۱۰- مطبوعہ کانپور ۱۲۹۸ھ۔

[2] مکہ کے ایک عالم فقیہ مسمیٰ عطا بن ابی رباح جو پہلی صدی ہجری کے آخر میں زندہ تھے، اور ”امام الفقہا“ کے اعلےٰ درجہ پر ممتاز تھے (دیکھو فقرہ ۱۱۲ کتاب ہذا) اُن کا عقیدہ تھا کہ جہاد صرف اصحاب پیغمبرؐ پر واجب تھا، اور ان کے بعد کسی دوسرے شخص پر واجب نہ تھا (دیکھو فقرہ ۱۱۲ کتاب ہذا)۔ (عطا بن ابی رباح کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۱۹۹ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۶ھ - اور تہذیب الاسماء امام نووی صفحہ ۲۲۴ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۹ء۔ عبید اللہ خاں) اور (تفسیر مجمع البیان طبرسی۔ ذیل سورۃ البقرہ ۲- آیت ۲۱۲ مطبوعہ طہران جلد اول صفحہ ۱۲۷) -

اور پھر باقیماندہ اشخاص سے اس کی تعمیل ساقط ہو جاتی ہے[1]۔"

۹۱۔ فقہ اسلام کی رُو سے جہاد صرف اُس موقع پر فرض عین ہوتا ہے "جہاں **دعوت عام** ہو (یعنے جب کفار کسی اسلامی ملک پر حملہ آور ہوں اور امام وقت ایک عام اعلان جاری کرکے سب لوگوں کو جہاد کا حکم دے) کیونکہ اس حالت میں تمام باشندوں پر لڑنا فرض عین ہو جاتا ہے[2]" اس جہاد کے لئے **قانون اقوام** اور **قانون قدرت** دونو کی اجازت اور منظوری ہے۔

جہاد فرض عین کب ہوتا ہے۔

۹۲۔ ہدایہ (یعنے شرح فقہ اسلام از نورالدین علی مرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ مدفن سمرقند) میں لکھا ہے :۔

ہدایہ کا ایک قول اور اُس کا ابطال۔

"قتال غیر مسلموں کے ساتھ عمل میں لایا جاتا ہے، اگرچہ وہ پہلے حملہ آور نہ ہوں، جیسا کہ "مقدّس نوشتوں کی مختلف عبارتوں سے ظاہر ہے، جن کا عموماً یہی مطلب سمجھا گیا ہے[3]۔"

قرآن مجید کی مقدّس آیات اس دعویٰ کی تائید نہیں کرتیں، برعکس اس کے وہ اس دعوے کے بالکل ہی خلاف ہیں۔ قرآن مجید کی بہت سی آیتیں جو پہلے اس کتاب کے فقرہ ۷ا میں نقل کی گئی ہیں ایسی ہیں جو ابتدا بجنگ کی صاف طور پر ممانعت کرتی ہیں۔ بعض اور آیتیں ایسی ہیں جو اس قدر واضح نہیں جیسی کہ آیات مذکورۂ بالا جن کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے، یا بالفاظ دیگر مشروط بشرائط نہیں ہیں۔ مگر

---

[1] ہدایہ یعنے فقہ اسلام کی شرح مترجمہ چارلس ہملٹن جلد دوم کتاب نہم باب اول صفحہ ۱۴۰ مطبوعہ لندن ۱۷۹۱ء یا اصل عربی جلد ۲ کتاب السیر صفحہ ۵۳۸ مطبوعہ مطبع مصطفائی کانپور ۱۲۹۹ھ۔

[2] ہدایہ یعنے فقہ اسلام کی شرح مترجمہ چارلس ہملٹن جلد دوم کتاب نہم باب اول صفحہ ۱۴۱ مطبوعہ لندن ۱۷۹۱ء یا اصل عربی جلد ۲ کتاب السیر صفحہ ۵۳۹ مطبوعہ مطبع مصطفائی کانپور ۱۲۹۹ھ۔

[3] ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۱ ترجمہ انگریزی۔ یا اصل عربی جلد ۲ صفحہ ۵۳۹ کتاب السیر۔

اصول تفسیر اور قرآن مجید کے عام مقصود و مفہوم سے، نیز آیات کے سیاق و سباق اور ہم مضمون آیتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ ایک دو آیتیں جو بظاہر مشروط نہیں ہیں، اُن کا مفہوم بھی اُن دیگر آیتوں کے مطابق جو زیادہ تر صاف، واضح اور مشروط ہیں، اور نیز کُتب مقدسہ کی تفسیر کے عام قوانین کے موافق مشروط ہی سمجھا جائے گا۔ مصنّفِ ہدایہ اور دیگر فقہا صرف اُن ہی ایک دو آیتوں کو قرآن مجید سے نقل کرتے ہیں جو بظاہر عام اور غیر مشروط ہیں، اور اُن کثیر التعداد مشروط آیتوں اور قرآن مجید کی عام مقصود و مفہوم سے چشم پوشی کرتے ہیں۔

اب ہم قرآن مجید کی دونو طرح کی آیتوں کو پہلو بہ پہلو دکھاتے ہیں :-

محدود یا مشروط آیات	عام یا غیر مشروط آیات
(۱) سورۂ بست و دوم۔ الحج ۲۲۔ آیات ۳۹ لغایت ۴۲۔ (۴۔ آیتیں)	(۱) سورۂ دوم البقرہ ۲۔ آیت ۲۴۵ (اس آیت کو نمبر ۲۴۷ کے ساتھ ملا کر پڑھو)
(۲) سورۂ دوم البقرہ ۲۔ آیات ۱۸۶ لغایت ۱۸۹۔۲۱۲۔۲۱۴ (جملہ ۶۔ آیتیں)۔	(۲) سورۂ نہم التوبہ ۹۔ آیت ۱۲۴۔ ان آیتوں کے سیاق۔ ان کی ہم مضمون آیتوں اور اُن کی تواریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیتیں قرآن مجید کے عام مفہوم کے موافق، محدود اور مشروط ہیں۔
(۳) سورۂ چہارم النسا ۴۔ آیات ۷۶۔۷۷۔۷۸۔۸۶۔۹۱۔۹۲۔۹۳ (۷۔ آیتیں)،	
(۴) سورۂ ہشتم الانفال ۸۔ آیات ۳۹ لغایت ۴۱۔۵۸ لغایت ۶۶۔۳۔۷۔۷۴۔ (جملہ ۱۴۔ آیتیں)	
(۵) سورۂ نہم التوبہ ۹۔ آیات لغایت ۱۵۔۲۹۔۳۶ (جملہ ۱۷۔ آیتیں)، قرآن مجید کی یہ تمام آیتیں فقرہ ۱۷۔ اور فقرہ ۹ میں پہلے نقل کی گئی ہیں۔	

۹۳۔ اب غور طلب یہ امر ہے کہ قرآن مجید میں صرف دو آیتیں ہیں (یعنی سورۂ دوم البقرہ ۲۔ آیت ۲۴۵۔ اور سورۂ نہم التوبہ ۹۔ آیت ۱۲۴) جن میں غیر مسلموں سے لڑنے کا حکم ظاہرا غیر مشروط یا مجمل طور پر ہے۔ "مشروط آیات" کے عنوان سے جو آیتیں نقل کی گئی ہیں، اُن میں کچھ جملے جُدا کر کے یا آدھی آدھی آیتیں نکال کر، اور سیاق کلام کو نظر انداز کر کے شائد کچھ اور آیتیں بھی آپ پیش کر سکیں، مگر ان مجمل آیتوں سے اور نیز دیگر آیات کے بے تعلق اور جداگانہ ٹکڑوں سے، تفسیر کے کسی اصول کے موافق یہ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کہ غیر مسلموں سے بلا اشتعال طبع اور بغیر کسی حد یا پابندی کے علے الاطلاق جنگ کرنے کا حکم ہے۔ **قرآن مجید** اور نیز دیگر **کتب مقدسہ** کی تفسیر کا ایک اصول یہ ہے کہ جب ایک ہی مضمون کے دو حکم پائے جائیں، ایک **مشروط یا خاص** اور دوسرا **غیر مشروط یا عام**، تو خاص کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اور "حکم عام" کی تعبیر بطور "حکم خاص" کی جاتی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ "**عام**" کا مفہوم مجمل سمجھا جاتا ہے اور "**خاص**" مصنف کے منشاء کو زیادہ واضح طور پر ظاہر کرتا ہے۔ وہ تفسیری **اصول** یہ ہے:۔

اصول تفسیر قرآن

"جہاں کوئی آیت مبہم ہو، یا اس کا طریقہ بیان غیر معمولی ہو، یا اس میں کسی مسئلہ پر
"بالاجمال مختصر بحث کی گئی ہو، یا وہ مسئلہ تعمیم کے ساتھ بیان کیا گیا ہو، ایسی حالت میں
"اس کی تفسیر دیگر آیات کے موافق کرنی چاہیئے، جہاں وہی مسئلہ زیادہ صراحت کے
"ساتھ بیان کیا گیا ہو، یا اس مضمون پر زیادہ وضاحت سے بحث بیان کی گئی ہو۔ کسی
"ایک آیت با عام اور مطلق آیت کی تفسیر بہت سی مقید، مشروط، اور محدود آیات کے
"برخلاف نہیں کرنی چاہیئے، بلکہ ضرور ہے کہ وہ تفسیر اُن کے موافق ہو اور مناسب قیود و
"شرائط کا لحاظ رکھ کر کی جائے"

مطبع احمدی ۱۲۸۰ ... ۳۲۵ ...

۹۴۔ فقہا یا عام قانون کے جامع اگر اس بارہ میں غلطی پر ہوں تو کچھ تعجب نہیں، کیونکہ انہوں نے اس قانون کو بلا لحاظ اس امر کے کہ صرف قرآن مجید سے اُس کی تدوین کی جائے۔ عموماً یا حقیقۃً مختلف ذرائع سے جمع کیا ہے، اس قانون (فقہ) کے شارح اُس کے اغراض اور اصول و اخلاق کی حمایت میں اور جو فتوحات بزمانۂ خُلفا واقع ہوئی ہیں، اُن کو قرآن مجید کی سند پر درست اور بجا قرار دینے کے لئے بڑی کوشش کرتے ہیں۔ اُسی کوشش میں وہ سخت غلطی کرتے ہیں جو ہرگز قابل درگزر نہیں اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی جداگانہ آیتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نقل کرتے ہیں جو نہ تو پوری پوری مطلب خیز ہوتی ہیں اور نہ اُن کا مفہوم ہی "عام" ہوتا ہے۔ وہ اپنے اس طریق عمل سے اُن کثیر التعداد مشروط اور "خاص" آیتوں کو جو مضمون زیر بحث کے متعلق زیادہ صاف اور واضح ہیں، نظر انداز کرتے ہیں۔

عام قانون یعنی فقہ اور اس کے شارح

۹۵۔ کفایہ شرح ہدایہ کے مصنف نے، جو ساتویں صدی ہجری میں تھا، متن کی اُس عبارت کی شرح میں جو پہلے فقرہ ۹۲ میں نقل ہو چکی ہے اور جس کا مضمون یہ ہے کہ:۔

صاحب کفایہ کا قول

"کُفار کے ساتھ قتال بالسّیف کیا جائے، گو وہ پہلے حملہ آور نہ ہوں" حسب ذیل لکھا ہے۔

"اُن کفار سے جو اسلام قبول نہ کریں، اور جزیہ ادا نہ کریں لڑنا لازم ہے، اگرچہ وہ مسلمانوں پر ابتدائً حملہ آور نہ ہوں۔"

مصنّف ہدایہ نے اس ابتدائی حملہ کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ کیونکہ کلام اللہ کے یہ الفاظ کہ "اگر وہ لوگ تم سے لڑیں یعنی پہلے حملہ کریں تو تم اُن کو قتل کرو"[1]

[1] یہ ترجمہ ہے، البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۷ کے ان لفظوں کا "فَاِنْ قَاتَلُوکُمْ فَاقْتُلُوْھُمْ" اس آیت کے پچھلے حصے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو حملہ میں سبقت کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

صاف اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ غیر مسلموں سے صرف اُس وقت لڑنا لازم ہے جبکہ وہ لڑائی میں سبقت کریں مگر (صاحب کفایہ کے نزدیک) ایسا نہیں ہے بلکہ ان سے لڑنا ہی لازم ہے اگرچہ وہ پہلے حملہ نہ کریں[1]

۹۶- مذکورہ بالا قول کے سلسلہ میں مصنّف موصوف حسب ذیل لکھتے ہیں، اور

شارح مذکور کے مزید اقوال

قرآن مجید کے بے شمار احکام جو حملہ کی لڑائی (ابتدا بجنگ) کی اجازت نہیں دیتے، اُن احکام کے ساتھ اپنے خیال کی تطبیق اس طرح کرتے ہیں:-

"یہ بات جان لو کہ ابتدا میں پیغمبرؐ کو مشرکوں سے اعراض اور عفو و درگزر کرنے کا حکم تھا۔
"اللہ تعالیٰ نے فرمایا، پس تم مہربانی سے عفو و درگزر کرو اور مشرکوں سے الگ رہو۔ (کفایہ
"جلد دوم صفحہ ۷۰۸- مطبوعہ کلکتہ کتاب السیر)۔
"پھر اللہ تعالیٰ نے مہربانی کے ساتھ وعظ و نصیحت اور عمدہ طریق سے بحث کرنے کا
"حکم دیا، اور یہ فرمایا' (اے پیغمبر!) حکمت اور موعظۂ حسنہ سے لوگوں کو اپنے پروردگار کے
"رستہ کی طرف بلاؤ، اور عمدہ ترین طریقہ سے اُن سے بحث کرو'۔"
"پھر اُس نے جنگ کی اجازت دی، جبکہ کفّار ابتداءً حملہ آور ہوئے اور یہ فرمایا' جن
"مسلمانوں سے کفّار لڑتے ہیں، اب اُن کو بھی لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے، کیونکہ اُن پر
"ظلم کیا گیا ہے، یعنی مدافعت کے طور پر لڑنے کی اجازت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا
"کہ' اگر وہ تم پر حملہ کریں تو اُن کو قتل کرو۔ (البقرہ ۲- آیت ۱۸۷)- اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ
"اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں، تو تم بھی اُس کی طرف مائل ہو جاؤ۔ (الانفال ۸- آیت ۶۳)"

[1] ہدایہ مع شرح موسوم بہ کفایہ جلد دوم صفحہ ۷۰۸ کتاب السیر مطبوعہ کلکتہ۔ مڈیکل پریس ۱۳۲۷ھ ۱۸۳۱ء مسلمان مصنّف بالعموم قرآن مجید کی آیتوں کے نمبروں کا حوالہ نہیں دیتے، وہ عموماً پہلا جملہ بلکہ اس کا ایک ٹکڑا نقل کر دیتے ہیں۔ میں نے آیتوں پر نمبر لگا دئے ہیں اور فلوجل اور راڈویل نے اپنے اپنے تراجم قرآن میں جس طرح آیتوں کے نمبر لکھے ہیں اُن ہی کے مطابق میں نے نمبر لگائے ہیں۔

"پھر ایک خاص زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو حملہ کی لڑائی کا حکم دیا، اور یہ فرمایا
"'اور جب ادب کے مہینے گزر جائیں، تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو، اور اُن کو گرفتار
"کرو' (التوبہ ۹۔آیت ۵)"۔
"اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہر وقت اور ہر ایک مقام پر مطلقاً جنگ کا حکم دیدیا، اور
"یہ فرمایا' اور اُن کے ساتھ جنگ کرو، یہاں تک کہ ظلم وستم (فتنہ) باقی نہ رہے'، (البقرہ ۲
"آیت ۱۸۹۔ اور اعراف ۷۔آیت ۱۹۳)"۔[1]

۹۷۔ یہاں صاحب کفایہ نے غیر مسلموں سے جنگ کرنے کے لئے قرآن مجید کی پالیسی (حکمت عملی) کے بزعم خود پانچ متواتر دور قرار دئیے ہیں:۔

صاحب کفایہ کی رائے کا ابطال۔

دور اول ..... عفو و درگزر اور اعراض (الحجر ۱۵۔ آیت ۸۵۔ الانعام ۶۔آیت ۱۰۶)۔

دور دوم ..... دعوت ..... (النحل ۱۶۔آیت ۱۲۶)۔

دور سوم ... جنگ دفاعی ... (الحج ۲۲ آیت ۴۰۔ البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۷۔ الانفال ۸۔ آیت ۶۳)۔

دور چہارم ... حملہ خاص اوقات میں (التوبہ ۹۔ آیت ۵)۔

دور پنجم .... حملہ مطلقاً .... (البقرہ ۲۔آیت ۱۸۹۔الانفال ۸۔ آیت ۴۰)۔

یہاں مصنف موصوف نے سورتوں کی نزول کی تواریخ۔ اور نیز قرآن مجید کا عام مقصد اور سورتوں کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کی ہے، اور آیات کے سیاق وسباق کا بھی لحاظ نہیں رکھا۔

جن آیتوں میں مشرکین سے اِعراض کرنے، اُن سے الگ رہنے، اور عفو و درگزر اور چشم پوشی کے احکام مندرج ہیں، وہ آیات مدنی سورتوں میں بھی پائی جاتی ہیں، جو زمانہ مابعد میں نازل ہوئی ہیں، (دیکھو البقرہ ۲۔ آیت ۱۰۳۔ المائدہ ۵۔

[1] دیکھو کفایہ شرح ہدایہ جلد دوم صفحہ ۷۰۸ کتاب السیر مطبوعہ کلکتہ ۱۸۳۸ء۔

آیت ۴۶- النساء ۴- آیت ۶۶ و ۸۳- اعراف ۷- آیت ۱۹۸)- ان آیتوں کا جنگ یا صلح سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

آنحضرتؐ کے منصب نبوّت کا خاص اور اہم فرض یہ تھا کہ لوگوں کو خدا کے دین کی طرف دعوت دی جائے، اور یہ فرض کسی خاص زمانہ کے لئے محدود نہ تھا، جنگ اور صلح دونو موقعوں کے لئے یکساں تھا- عین جنگ کی حالت میں بھی پیغمبر (صلعم) پر لازم تھا کہ اگر دشمن طالب امن ہو تو اس کو پناہ دی جائے تا کہ وہ قرآن مجید کا وعظ سُنے اور پھر اُس کو اُس کے مقام امن پر پہنچا دیا جائے (التوبہ ۹- آیت ۶)-

سورۂ نہم کی پانچویں آیت پر بحث۔

۹۸- سورۂ نہم (توبہ) کی پانچویں آیت میں پہلے حملہ کرنے یا ابتدا بجنگ کا حکم نہیں ہے- یہ آیت اُن متعدّد آیتوں میں سے ہے جو اُس زمانہ میں نازل ہوئی تھیں- جبکہ اہل مکّہ عہد نامہ حدیبیہ کو توڑ چکے تھے، اور بنی خزاعہ پر جو آنحضرتؐ کے ساتھ عہد و پیمان رکھتے تھے، حملہ کر چکے تھے- اہل مکہ کو اطاعت قبول کرنے کے لئے چار مہینے کی مُہلت دی گئی تھی جس کی خلاف ورزی میں اُن پر حملہ کیا جاتا تھا، کیونکہ انہوں نے عہد نامہ کو توڑا اور بنی خزاعہ پر حملہ کیا تھا- اُنہوں نے پہلے ہی اطاعت قبول کر لی، اور مکّہ باہمی مصالحت سے فتح ہو گیا- جن آیات کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے (یعنی التوبہ ۹- آیات الغایت ۱۵ وغیرہ) اُن پر (بوجہ مصالحت) عملدرآمد نہیں کیا گیا، لہٰذا ان آیتوں میں حملہ کی لڑائی یعنی ابتدا بجنگ کا کوئی حکم نہیں ہے- اس مضمون پر کتاب ہٰذا کے فقرہ ۴۰ میں پُوری بحث ہو چکی ہے، اور مفصّل واقفیت حاصل کرنے کے لئے ناظرین کو اُسی مقام کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

۹۹- البقرہ ۲ کی آیت ۱۹۸ میں ابتدا بجنگ کا حکم اطلاق کے ساتھ نہیں ہے

اگر آیات نمبر ۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-اور ۱۸۹ کو ملا کر پڑھا جائے، تو اُن سے ثابت ہوگا کہ لڑائی کا حکم محض مدافعت کے لیئے ہے۔ وہ آیتیں حسب ذیل ہیں:-

البقرہ ۲ کی آیت ۱۸۹ پر بحث۔

۱۸۶-وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۞ (البقرہ ۲-آیت ۱۸۶)-

۱۸۶-اور جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی خدا کی راہ میں اُن سے لڑو، اور زیادتی نہ کرو، اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔ (البقرہ ۲-آیت ۱۸۶)-

۱۸۷-وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۞ (البقرہ ۲-آیت ۱۸۷)-

۱۸۷-اُن (لڑنے والوں) کو جہاں پاؤ قتل کرو اور جہاں سے اُنہوں نے تم کو نکالا ہے (یعنی مکہ سے) وہاں سے تم بھی ان کو نکال دو، اور فساد، خونریزی سے بڑھ کر ہے، اور مسجد حرام (خانہ کعبہ) کے قریب اُن سے نہ لڑو، پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم اُن کو قتل کرو، ایسے کافروں کی یہی سزا ہے"۔ (البقرہ ۲-آیت ۱۸۷-)

۱۸۸-فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۞ (البقرہ ۲-آیت ۱۸۸)

۱۸۸-پھر اگر وہ باز رہیں تو اللہ معاف کرنیوالا اور رحم کرنے والا ہے۔ (البقرہ ۲-آیت ۱۸۸)-

۱۸۹-وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ فَإِنِ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۞ (البقرہ ۲-آیت ۱۸۹)-

۱۸۹-اور یہاں تک اُن سے لڑو کہ ملک میں فساد (خونریزی) نہ رہے، اور خدا کا دین (حکم) جاری ہو۔ پھر اگر فساد سے باز آ جائیں (تو اُن پر کوئی زیادتی نہ کرو، کیونکہ) زیادتی ظالموں کے سوا کسی پر جائز نہیں"۔ (البقرہ ۲-آیت ۱۸۹)

۱۰۰-اس کے علاوہ اس آیت (البقرہ ۲-آیت ۱۸۹) میں اور نیز الانفال ۸-آیت ۴۰

البقرہ ۲- آیت ۱۸۹-اور الانفال ۸- آیت ۴۰ میں جنگ دفاعی کا حکم ہے۔

میں جنگ دفاعی کا حکم ہے مسلمانوں نے قریش کے ہاتھوں جن اذیتوں، حملوں المختصر جن شدید ظلموں کی برداشت کی تھی وہ تمام مصائب نہایت واضح طور پر لفظ فتنہ[1] سے ظاہر ہوتے ہیں، جوان دونو آیتوں میں موجود ہے، لہذا مسلمانوں کے لڑنے یا کفار کے خلاف جنگ کرنے کا مُدّعا صاف ظاہر ہے، اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر جو مظالم ہوتے ہیں اُنکا انسداد کیا جائے۔

ان آیتوں کا تعلق قریش کے ظلم وستم سے صاف ظاہر ہے جس کے روکنے یا دور کرنے کے لئے اُن میں لڑنے کی تاکید کی گئی ہے، اور یہ صراحۃً جنگ دفاعی یاحفاظت خود اختیاری کی لڑائی تھی۔

آیات مذکورۂ بالا سے یہ بھی ثابت ہے کہ اہل مکّہ مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچانے اور اُن پر حملہ کرنے سے باز نہیں آئے تھے، اور اسی لئے یہ شرط مقرر کی گئی تھی کہ اگر وہ اپنے حملوں اور دھاووں سے باز آجائیں تو آیندہ کوئی لڑائی نہیں ہوگی۔ اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کہ یہ آیتیں آنحضرت کی دفاعی جنگوں سے تعلق رکھتی ہیں، یہ بیان بالکل کافی ہے۔

یہ تمام احکام مختص الوقت اور مختص المقام تھے۔

۱۰۱- بالآخر، فرض کرو کہ قرآن مجید نے اہل مکّہ کے مقابلہ میں، جو پہلے حملہ آور ہوئے تھے، حملہ کی لڑائیوں یا ابتدائی جنگ کی اجازت دی تھی، مگر اس سے عام قانون (فقہ) کے اس اصول یا خیال کی تائید نہیں ہوتی کہ ان آیتوں کی بنا پر آیندہ زمانہ میں حملہ کی لڑائیاں جائز ہیں، کیونکہ قرآن مجید میں جس قدر آیتیں جنگ کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں وہ سب کی سب یا تو اُن مُشرکین عرب سے متعلق ہیں جو مسلمانانِ قرنِ اوّل کی مخالفت

[1] تاج العروس جلد ۹ صفحہ ۲۹۷ لغت فتن ملاحظہ ہو۔ (عبداللہ خاں)

میں عرصہ دراز تک مستقل رہے، یا یہودیوں سے تعلق رکھتی ہیں جو مسلمانوں سے معاہدہ کرکے اُن کے دشمنوں سے جا ملے تھے، اور مسلمانوں کے خلاف اُن کی مدد کرتے تھے۔ دیگر اشخاص جن کی وہ حالت نہیں ہے، جو مسلمانوں کی حالت مدینہ میں تھی اُن پر ان آیتوں کے احکام کی پابندی عائد نہیں ہوتی (دیکھو فقرہ ۹۰)۔

عینی کا قول اور اُس کا ابطال

۱۰۲۔ ہدایہ کے ایک اور شارح **عینی** (المتوفی ۸۵۵ھ) نے بھی کفایہ کی پیروی کی ہے، جس کی عبارت اُوپر نقل کی جا چکی ہے، اور قرآن مجید کی چند اور آیتیں بھی، جن کو صاحب کفایہ نے اپنی کتاب کفایہ میں چھوڑ دیا تھا، حملہ کی لڑائی کی بابت ذکر کی ہیں۔ وہ آیات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ○ (التوبہ ۹۔ آیت ۱۲)	(۱) "پس ان کُفر کے پیشواؤں (سرغنوں) سے لڑو اُن کی قسمیں بھی کچھ (قابل اعتبار) نہیں ہیں، تاکہ وہ باز آجائیں۔" (التوبہ ۹۔ آیت ۱۲)۔
(۲) كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ○ (البقرہ ۲۔ آیت ۲۱۲)۔	(۲) "تم پر لڑائی فرض کی گئی ہے، اور وہ تم کو ناگوار ہے۔" (البقرہ ۲۔ آیت ۲۱۲)۔
(۳) اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (التوبہ ۹۔ آیت ۴۱)۔	(۳) "ہلکے اور بھاری (بے ہتھیار اور ہتھیار بند جس حالت میں تم ہو) نکل کھڑے ہو، اور اپنی جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد کرو۔" (التوبہ ۹۔ آیت ۴۱)۔

پہلی آیت جب کہ اس کو تمام و کمال نقل کیا جائے، اس طرح پر ہے:۔

۱۲۔ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ	۱۲۔" اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں، تو ان کفر کے پیشواؤں (سرغنوں) سے لڑو ان کی قسمیں بھی کچھ (قابل اعتبار) نہیں

لَعَلَّھُمْ یَنْتَھُوْنَ ٥ (التوبہ ۹ - آیت ۱۲) -	ہیں، تاکہ وہ باز آجائیں۔" (التوبہ ۹ - آیت ۱۲) -

اس آیت کے الفاظ سے پوری طرح ثابت ہے کہ وہ **جنگ دفاعی** سے تعلّق رکھتی ہے، کیونکہ معاہدوں کا توڑنا، اور مذہب اسلام کی توہین کرنا اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے جو پیش نظر تھا مخالفوں سے لڑنے کی وجوہات تھیں، تاکہ حملہ آور باز رہیں۔ یہ آیت سورۂ نہم (توبہ) کی اُن ابتدائی آیتوں میں سے ہے، جن پر پہلے بحث ہو چکی ہے (دیکھو فقرہ ۴۰) -

دوسری آیت (سورۂ بقرہ ۲ آیت ۲۱۲) ابتدائی جنگ یا حملہ کی لڑائی کی اجازت نہیں دیتی، کیونکہ اس سے آگے کی آیت (البقرہ ۲ - آیت ۲۱۴) اُن حملوں کا صاف صاف ذکر کرتی ہے جو حملہ آوروں نے مسلمانوں پر کئے تھے، فقرہ ۱۷ میں یہ آیت پوری نقل کی جا چکی ہے۔

تیسری آیت (التوبہ ۹ - آیت ۱۴۱) **جنگ تبوک** کے موقع پر نازل ہوئی ہے جو یقیناً ایک دفاعی تجویز تھی، اور فقرہ ۴۰ میں اس پر بحث ہو چکی ہے۔

سرخسی کا قول اور اس کا ابطال

۱۰۳- سرخسی معروف بہ شمس الائمہ (المتوفی ۴۸۶ھ) نے جیساکہ علّامۂ **ابن عابدین** نے اپنی کتاب **ردالمختار شرح الدرالمختار**[۱] میں نقل کیا ہے، احکام جنگ کی اشاعت کے متعدّد دور مقرر کئے ہیں، کتاب مذکور میں لکھا ہے کہ :-

"تم جان لو کہ لڑائی کا حکم بتدریج نازل ہوا ہے، اول تو پیغمبر (صلعم) کو تبلیغ اور اعراض " (یعنی مشرکین سے علیحدگی اور بے پروائی) کا حکم ہوا تھا، جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تم کو

۱؎ ردالمختار شرح الدرالمختار جلد سوم صفحہ ۳۲۸ کتاب الجہاد مطبوعہ مصر ۱۲۷۹ھ - یا اصل محیط سرخسی نسخۂ قلمی نایاب کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن فن فقہ حنفی نمبر ۱۷- کتاب السیر ورق ۳۲- (عبداللہ خاں)

"جو حکم دیا گیا ہے اُس کو صاف صاف سُنادو، اور مشرکوں سے اعراض کرو یعنی اُن کی مطلق
"پروانہ کرو (الحجر ۱۵- آیت ۹۴)-
"اس کے بعد آنحضرت ؐ کو نرمی اور مہربانی سے بحث کا حکم دیا گیا، (اے پیغمبر!)
"حکمت اور موعظہ حسنہ سے لوگوں کو اپنے پروردگار کے رستہ کی طرف بلاؤ، اور عمدہ ترین
"طریقہ سے ان سے بحث کرو" (النحل ۱۶- آیت ۱۲۶)-
"پھر مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی، "جن مسلمانوں سے کفار لڑتے ہیں اب اُن
"کو بھی لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے ...." (الحج ۲۲- آیت ۴۰)-
"اور پھر اُن کو اُس حالت میں لڑنے کی اجازت دی گئی جب کہ کفار حملہ آور ہوں، اور یہ
"حکم ہوا کہ" اگر وہ تم پر حملہ کریں تو اُن کو قتل کرو، (البقرہ ۲- آیت ۱۸۷)-
"بعد ازاں اُن کو اشہر الحرم (ادب کے مہینے) گزر جانے کے بعد لڑنے کا حکم ملا، اور
"جب ادب کے مہینے گزر جائیں، تو مشرکوں کو قتل کرو" (التوبہ ۹- آیت ۵)-
"اس کے بعد مطلق جنگ کا حکم دیا گیا" اور خدا کی راہ میں لڑو" ......
" (البقرہ ۲- آیت ۱۸۶ و ۲۴۵)- پس یہ معاملہ اس طرح طے ہوا"

قرآن مجید میں مطلق جنگ یا حملہ کی لڑائی کا کوئی حکم نہیں دیا گیا- سورۂ نہم (توبہ) کی پانچویں آیت کی تفسیر پہلے بیان کر چکا ہوں کہ وہ حملہ کی لڑائی کی اجازت نہیں دیتی، اور سورۂ دوم (بقرہ) کی آیت ۱۸۶ کی بھی یہی کیفیت ہے- اس آیت میں صرف اُن لوگوں سے لڑنے کا حکم ہے جو مسلمانوں سے لڑتے تھے- دوسری آیت یعنی سورۂ مذکور کی آیت ۲۴۵ کا مفہوم آیت ۱۸۶ کے ذریعہ سے محدود ہے، (اور آیت ۲۴۵ اس کی مفسر ہے) یہ آیت **دفاعی کارروائی** سے متعلق ہے- آیات مذکورۂ بالا کتاب ہذا کے فقرۂ ۱۷ میں نقل ہو چکی ہیں-

۱۰۴- شہاب الدین احمد **ابن حجر مکی** کا قول حسب ذیل ہے:-

ابن حجر کا قول

"ہجرت سے پہلے لڑنے کی ممانعت تھی، کیونکہ پیغمبر (صلعم) کو صرف وعظ وتلقین
"اور عذاب الٰہی سے ڈرانے، اور کُفّار کی ایذا رسانیوں پر اُن کو دوست بنانے کے لئے
"صبر کرنے کا حکم تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو (بعد اس کے کہ کچھ اُوپر ستّر آیتوں میں
"لڑنے کی ممانعت ہو چکی تھی) اُس وقت لڑنے کی اجازت دی جبکہ کفّار پہلے حملہ آور ہوئے،
"اور یہ فرمایا، خدا کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں' (البقرہ ۲-آیت ۱۸۷)
"اور زُہری سے یہ روایت صحیح طور پر مروی ہے کہ لڑائی کی اجازت میں پہلی آیت جو
"نازل ہوئی یہ تھی کہ "جن مسلمانوں سے کفار لڑتے ہیں اب اُن کو بھی لڑنے کی اجازت دی
"جاتی ہے، کیونکہ انہوں نے ظلم سہے ہیں (الحج ۲۲-آیت ۴۰)۔ یعنے لفظ یُقَاتلون کی
"بنا پر لڑنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اس کے بعد اشہُرُ الحُرم (ادب کے مہینوں) کے
"سوا اور مہینوں میں حملہ کی اجازت ان لفظوں میں دی گئی کہ 'جب ادب کے گُذر جائیں'
"(التوبہ ۹- آیت ۵)۔

"بعد ازاں ۸ھ میں فتح مکّہ کے بعد، اللہ تعالیٰ کے ان الفاظ سے کہ 'ہلکے اور بھاری
"(یعنے بے ہتھیار اور مسلّح، جس حالت میں ہو) نکل کھڑے ہو' (التوبہ ۹- آیت ۴۱)۔
"اور نیز ان الفاظ سے 'تم سب مسلمان مشرکوں سے لڑو (التوبہ ۹- آیت ۳۶) جہاد کا حکم
"دیا گیا۔ آیہ جہاد یہی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلی آیت، آیہ جہاد ہے، مگر دیگر اشخاص
"کی رائے میں یہ دونو آیتیں ایک ہی مضمون یعنی جہاد سے تعلق رکھتے ہیں[1]"۔

۱۰۵۔ مصنّف موصوف نے عبارت سابقہ میں جو آیتیں نقل کی ہیں، اُن کی

قول مذکور کا ابطال

تفسیر پہلے بیان کر چکا ہوں، مگر صرف ایک آیت (یعنی التوبہ ۹ آیت ۳۶) پر بحث کرنی ہے، جس کو اُن مُصنّفوں نے، جن کے اقوال پہلے نقل کئے

[1] تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج، حصہ چہارم، صفحہ ۱۳۷- یا اسی کتاب کی شرح موسوم بہ نہایۃ المحتاج جلد ۷ صفحہ ۱۹۰ کتاب السّیر مطبوعہ مصر*

جا چکے ہیں، ذکر کرنے کی دلیری نہیں کی، کیونکہ وہ آیت اُن کے دعوے کے بالکل برعکس ہے۔ شاید ابن حجر کے بیان میں جلدی کی وجہ سے مسامحت ہوگئی ہے جسکی وجہ سے اُن کو معذور رکھا جاسکتا ہے، مگر میں یہ کہنے میں تأمل نہ کروں گا کہ فقہا بالعموم جب اپنے خیالات کی تائید میں قرآن مجید کی آیات نقل کرتے ہیں تو آیت کے سیاق وسباق کا لحاظ نہ کرکے اس کا کسی قدر بے تعلق ٹکڑا نقل کردیتے ہیں اور اس طرح دیگر اشخاص بالخصوص یورپین مصنفوں کو اصل مقصد سے منحرف کرکے ایک عظیم اور ناقابل تلافی نقصان کا باعث ہوتے ہیں، جیساکہ مسٹر لین کی اس شہادت سے ظاہر ہے جو کتاب ہذا کے فقرہ ۱۲۳ میں نقل کی گئی ہے۔

ابن حجر مکّی نے جس کا ذکر فقرہ گزشتہ میں کیا جاچکا ہے جس آیت کا حوالہ دیا ہے وہ حسب ذیل ہے:۔

"تم سب مسلمان مشرکوں سے لڑو جیساکہ وہ سب تم سے لڑتے ہیں" (التوبہ ۹۔ آیت ۳۶)

یہ آیت صراحتہً جنگ دفاعی کا ذکر کرتی ہے، اور اس میں مسلمانوں کی طرف سے حملہ کی لڑائی کا خفیف سے خفیف یا کمزور سے کمزور احتمال بھی نہیں ہے۔ یہ آیت تبوک کی مہم سے متعلق ہے۔

۱۰۶۔ نورالدین علی الحلبی (المتوفی ۱۰۴۴ھ) انسان العیون (المعروف بہ سیرت حلبی) میں جو پیغمبر صلعم کی سیرت پر لکھی گئی ہے۔ حسب ذیل لکھتے ہیں:۔

حلبی کا قول

"یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آنحضرت (صلعم) دس سال سے بھی کئی سال زیادہ عرصہ تک
"لوگوں کو بغیر جنگ کے اسلام کی دعوت دیتے رہے، اُن کو عذاب الٰہی سے ڈراتے
"رہے اور عرب مکّہ اور یہودیان مدینہ کی سخت اذیتوں کو صبر وتحمل سے برداشت کرتے
"رہے جو آنحضرت (صلعم) کو اور آپ کے پیروؤں کو پہنچائی گئی تھیں، کیونکہ اللہ تعالےٰ

"نے آپ کو عذاب الٰہی سے ڈرانے، کفار سے الگ رہنے اور اُن کی اذیتوں کو برداشت
"کرنے کے لئے صبر کا حکم ان الفاظ میں دیا تھا" اَعرِض عَنھُم" یعنے اُن سے
"کنارہ کش رہو' (المائدہ ۵ - آیت ۴۶) -
"اور نیز اس لفظ کے ذریعہ سے" واصبر" یعنے مصائب پر صبر کرو - (دیکھو النحل ۱۶
"آیت ۱۲۸ + کہف ۱۸ - آیت ۲۷ + لقمان ۳۱ - آیت ۱۶ + طور ۵۲ - آیت ۴۸ + اور مزمل ۷۳ -
"آیت ۱۰) آنحضرت ؐ کے اصحاب مکّہ زدوکوب کے صدمہ اور تکلیفیں اُٹھا کر آپ کی خدمت
"میں حاضر ہوتے تھے اور آپ ان سے فرماتے تھے، تم صبر کے ساتھ برداشت کرو، مجھے
"لڑنے کا حکم نہیں ہے، کیونکہ ان کی تعداد مکّہ میں بہت تھوڑی تھی - پھر جب ہجرت کے
"بعد مدینہ میں آپ کو استقلال حاصل ہوا، آپ کے پیرو بکثرت ہوگئے جو آپ کو اپنے آبا
"اور اولاد و ازواج سب سے بڑھ کر سمجھتے تھے اور کفار بُت پرستی پر جمے رہے اور آپ
"پر جھوٹے جھوٹے الزام لگاتے رہے، اس وقت اللہ تعالٰی نے آپ کو جنگ کی اجازت
"دی مگر صرف اُن لوگوں کے مقابلے میں جو مسلمانوں سے لڑتے، اور اُن پر حملے کرتے
"تھے جیسا کہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے' اگر وہ تم سے لڑیں تو تم اُن کو قتل کرو' (البقرہ ۲
"آیت ۱۸۷) - یہ حکم صفر ۲ھ ہجری میں ہوا تھا . . . . . پھر تمام عرب کی فوج نے ہر
"طرف سے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے کُوچ کیا - مسلمان تمام تمام راتیں مسلّح بسر کرتے
"تھے اور دن میں بھی ان کی یہی حالت تھی، اور اُن کی یہ آرزو رہتی تھی کہ امن و امان سے
"ایسے حال میں رات بسر ہو کہ اُن کو خدا کے سوا کسی شخص کا خوف نہ ہو - اُس وقت یہ
"آیت نازل ہوئی' جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اُن
"سے خدا کا وعدہ ہے کہ اُن کو مُلک کی خلافت عطا کرے گا، جیسے اُن لوگوں کو خلافت
"عطا کی تھی جو اُن سے پہلے گزرے ہیں اور جس دین کو اس نے اُن کے لئے پسند کیا
"ہے اس کو ان کے لئے مضبوط کردیگا، اور اُن کے خوف کے بعد اُس کے بدلے میں

"امن دے گا، (النور ۲۴-آیت ۵۴) اس کے بعد جو لوگ جنگ نہیں کرتے تھے، ان پر پہلے
"حملہ کرنے کی اجازت دی گئی، مگر یہ اجازت ادب کے مہینوں یعنے رجب- ذیقعدہ- ذی الحجہ
"اور محرم کے سوا اور مہینوں میں اس حکم کے بموجب دی گئی تھی "اور جب ادب کے مہینے
"گزر جائیں تو مشرکوں کو قتل کرو...... (التوبہ ۹-آیت ۵)- پھر اگلے سال فتح مکہ کے
"بعد کسی شرط اور کسی وقت کا لحاظ کئے بغیر اور بغیر کسی پابندی کے مطلقاً جنگ کا حکم ان
"لفظوں میں دیا گیا "تم سب مسلمان مشرکوں سے لڑو، خواہ کوئی وقت ہو" (التوبہ ۹-آیت ۳۶)
"پس یہ بات معلوم ہو گئی کہ جہاد، ہجرت سے پہلے ماہ صفر ۲ھ تک ممنوع تھا کیونکہ اس
"زمانہ میں پیغمبر (صلعم) کو بغیر جنگ کئے جس کی ممانعت کچھ اوپر ستر آیتوں میں ہو چکی
"تھی صرف موعظت و تنبیہ کا حکم دیا گیا تھا- پھر صرف اُن لوگوں سے لڑنے کی اجازت
"ملی جو مسلمانوں سے لڑتے تھے- پھر اُن لوگوں سے جو مسلمانوں پر حملہ کرتے تھے، ادب
"کے مہینوں کے سوا دوسرے مہینوں میں لڑنے کی اجازت ملی، اِس کے بعد اُن سے
"ہر وقت مطلق جنگ کرنے کا حکم دیا گیا خواہ وہ لڑیں یا نہ لڑیں، خواہ ادب کے مہینوں
"یا سال کے دوسرے مہینوں میں"[2]۔

۱۰۷- نہ تو نویں سورۃ کی پانچویں آیت میں حملہ کی لڑائی کی اجازت ہے اور نہ

حلبی کے قول کی غلطی

چھتیسویں آیت میں- یہ دونو آیتیں دفاعی جنگوں کے موقع پر نازل ہوئی تھیں اور اُن میں جن لوگوں کے خلاف لڑنے کا حکم ہے وہی حملہ آور تھے اس مضمون کے متعلق جتنی آیتیں حلبی نے نقل کی ہیں اُن سب پر پچھلے صفحوں میں فقرہ ۹۲ سے فقرہ ۱۰۶ تک بحث ہو چکی ہے، اور اُن کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے-

---

[1] یہ آیت بطور پیشین گوئی کے نازل ہوئی ہے- تفسیر بیضاوی جلد دوم صفحہ ۲۹- سورۂ نور ۲۴- آیت ۵۴-
مطبوعہ یورپ ۱۸۴۸ء ملاحظہ ہو- (عبد اللہ خاں)

[2] انسان العیون (المعروف بہ سیرت حلبی) حصہ دوم صفحات ۲۸۹ و ۲۹۱ باب ذکر مغازی مطبوعہ مصر-

۱۰۸۔ عینی شارح ہدایہ نے جس کی شرح **بنایہ** کے نام سے مشہور ہے، کفار سے حملہ آوری کی جنگ کو حق بجانب قرار دینے کے لئے قرآن مجید کی دو آیتیں[۱] اور آنحضرت ؐ کی دو حدیثیں[۲] نقل کی ہیں اور یہ لکھا ہے :-

عینی کا ایک اور قول اور اُس کا رد۔

"اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ مطلق احکام بذریعہ آیہ :-

"فَاِنْ قَاتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ

"محدود اور مقیّد ہیں، یعنے اگر وہ تم سے لڑیں تو اُن کو قتل کرو (البقرہ ۲- آیت ۱۸۷)

"جس سے ثابت ہوتا ہے کہ لڑنا صرف اُس وقت لازم ہے جبکہ کفار جنگ میں سبقت

"کریں، جیساکہ الثوری کا خیال ہے، تو جواب یہ ہے کہ یہ آیت دوسری آیت سے منسوخ

"ہو گئی ہے۔ پس اُن سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، (البقرہ ۲- آیت ۱۸۹) اور

"اُن لوگوں سے لڑو جو خدا پر ایمان نہیں رکھتے (التوبہ ۹- آیت ۲۹[۳])۔

مگر یہ دعویٰ کہ " البقرہ ۲- آیت ۱۸۷- سورۂ مذکور کی آیت ۱۸۹- اور سورۂ نہم[۹] (توبہ) کی آیت ۲۹ سے منسوخ ہو گئی ہے" غلط ہے۔ یہ شارح موصوف کا ایک من گھڑت خیال ہے جس کی کوئی سند نہیں۔ اس کے علاوہ یہ دونو آیتیں (البقرہ ۲- آیت ۱۸۹ اور التوبہ ۹- آیت ۲۹) **دفاعی جنگوں** سے تعلّق رکھتی ہیں۔ جیسے کہ فقرات ۹۶ لغایت ۹۹ میں پہلے تشریح کی جا چکی ہے۔

---

[۱] یعنی سورۂ توبہ ۹- آیت ۱۲ و ۱۵- ان آیتوں پر فقرہ ۴۷ میں پوری بحث ہو چکی ہے۔

[۲] وہ حدیثیں یہ ہیں :-

(۱) "جہاد قیامت تک قائم رہے گا"

(۲) "مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ یہ اقرار نہ کریں کہ خدائے واحد کے سوا اُن کوئی معبود نہیں ہے"۔

ان حدیثوں کے لئے فقرہ ۱۱۰ دیکھو (عینی جلد دوم صفحہ ۷۸۹ کتاب السیر مطبوعہ لکھنؤ)۔

[۳] دیکھو عینی کی شرح ہدایہ جلد دوم حصہ دوم صفحہ ۷۹۰- مطبوعہ لکھنؤ مطبع نولکشور۔

۱۰۹۔ آیت ۱۸۹ کے الفاظ ہی سے **فتنہ** کی موجودگی کا ثبوت ملتا ہے، یعنے حملہ آوروں کی طرف سے ظلم وستم ایذا و اذیّت اور جنگ کی ابتدا ثابت ہے۔ اہل مکّہ کے ظلم و ستم کا انسداد کر کے مسلمانوں کو اپنی ملکی اور مذہبی آزادی دوبارہ حاصل کرنے کی ضرورت تھی۔ جس سے اُن کو کمال بے انصافی کے ساتھ محروم کیا گیا تھا۔ حملہ آوروں کی قوت کو دفع کرنے کے لئے مسلمانوں کی یہ لڑائی **دفاع** اور حفاظت کی غرض سے تھی۔ جس کا آیہ مذکورۂ بالا میں حکم ہے سورۂ نہم (توبہ) کی انتیسویں آیت اگر **جنگ خیبر** سے متعلّق نہیں، تو **جنگ تبوک** سے تعلّق رکھتی ہے۔ یہ دو نو مہمیں دفاعی حیثیت رکھتی تھیں۔ (دیکھو فقرہ ۳۰ لغایت ۳۲ کتاب ہذا)۔

مضمون مذکور پر مزید بحث

۱۱۰۔ اس کے علاوہ، فُقہا **ابوداؤد** کی کتاب حدیث سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں، کہ آنحضرت ؐ نے فرمایا "جہاد قیامت تک قائم رہے گا۔"[۱] مگر **اول تو جہاد** کے لفظی اور قدیم معنے اور نیز قرآن مجید کی اصطلاح ہیں "نبرد آزمائی" یا "جنگ میں لڑنا" نہیں ہیں۔ **اس لفظ کا مفہوم** جیسا کہ عرب کے قدیم شعرا اور نیز قرآن مجید نے اس کو استعمال کیا ہے یہ ہے۔ "حتّے المقدور کوشش کرنا" "محنت کرنا" "مشقت کرنا" زور لگانا، اپنی قوت قابلیت یا سعی و کوشش کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرنا" زور سے، محنت سے، غور و فکر سے، جانفشانی سے، سرگرمی سے یا ہمّت سے کسی کام میں دل لگانا" "تندہی یا خوض کرنا، جفاکشی یا غیر معمولی محنت کرنا"[۲]

جہاد کے متعلق دو حدیثیں اور اُن سے استدلال کی غلطی

ثانیاً۔ یزید بن ابی شیبہ، جو اس حدیث کے سلسلہ رُواۃ میں سے ہے، **مجہول**

---

[۱] ہدایہ کتاب السیر جلد دوم صفحہ ۵۳۸ مطبوعہ لکھنؤ ۱۲۹۹ھ محشی مولانا عبدالحی مرحوم۔

[۲] دیکھو عینی کی شرح ہدایہ جلد دوم، حصہ دوم کتاب السیر صفحہ ۷۸۹، مطبوعہ لکھنو مطبع نولکشور

ہے، یعنی اُس کی زندگی کے حالات معلوم نہیں ہیں، اس لئے اُس کی روایت سند نہیں ہو سکتی۔

بخاری میں اس مضمون کی ایک اور **حدیث** ہے کہ آنحضرت ؐ نے فرمایا۔ ”مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے، جب تک کہ وہ یہ اقرار نہ کریں کہ خدائے واحد کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔“[1] یہ روایت آیات قرآنی کے بالکل برعکس ہے، جن میں **جنگ دفاعی** کا حکم ہے، یعنی اُس وقت تک لڑنے کا حکم ہے کہ **فتنہ** یعنی کُفّار کی ایذا رسانی اور ملکی اختلاف اور نااتفاقی دفع ہو جائے (دیکھو البقرہ ۲- آیت ۱۸۹- اور الانفال ۸- آیت ۴۰)، پس صاف ظاہر ہے کہ یا تو یہ تمام روایت موضوع (بناوٹی) ہے، یا بعض راویوں سے آنحضرت ؐ کے الفاظ کی تعبیر میں غلطی ہوئی ہے۔

۱۱۱- قرآن مجید نے حملہ کی لڑائی کی اجازت نہیں دی، نہ اس وقت جبکہ وہ نازل ہوا تھا اور نہ زمانہ آیندہ میں، جیسا کہ قدیم فقہا نے نتیجہ نکالا تھا، اب اس امر کا **مزید ثبوت** قدیم مسلمانوں کی رائے سے دیا جائے گا یعنی پہلی اور دوسری صدی ہجری کے فقہا مثلاً **ابن عمر** (فرزند حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی)، **سفیان الثوری**، **ابن شبرمہ عطاء** اور **عمرو بن دینار**- ان تمام قدیم فقہا کا عقیدہ یہ تھا کہ جنگ مذہب کی رُو سے واجب نہیں ہے، بلکہ صرف جائز ہے، اور جنگ صرف اُن لوگوں کے ساتھ ہونی چاہیئے جو مسلمانوں پر حملہ کریں۔[2]

جہاد کے خلاف قدیم فقہا کی رائیں۔

---

[1] عینی جلد دوم صفحہ ۷۹۰- بخاری کتاب الایمان صفحہ ۸ مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۰۵ھ۔

[2] دیکھو قاضی بدرالدین محمود بن احمد عینی (المتوفی ۸۵۵ھ) کی شرح ہدایہ موسوم بہ بنایہ، جو بالعموم عینی کے نام سے مشہور ہے، جلد دوم صفحات ۷۸۹-۷۹۰- کتاب السیر مطبوعہ لکھنؤ میں یہ تمام رائیں نقل ہیں- علاوہ ازیں بخاری کتاب التفسیر میں حضرت عبداللہ بن عمر کا قول نقل ہے- ملاحظہ ہو بخاری پارہ ۱۸ صفحہ ۶۲ مطبوعہ لاہور ۱۳۲۳ ہجری مطبع احمدی-

۱۱۲- جن فقہا کے نام اوپر لکھے گئے ہیں، میں اُن کا تذکرہ یہاں مجمل طور پر بیان کرتا ہوں -

فقہائے مذکور کی سوانح عمری

(۱) **ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ** ابن عمرؓ بن خطاب آنحضرتؐ کے اصحاب میں اپنی پارسائی، سخاوت، زہد، علم اور نیکیوں کی وجہ سے نہایت مشہور اصحاب میں سے تھے۔ اگرچہ اُن کو حق تھا کہ وہ بلحاظ اپنے خاندان کے سلطنت کے اعلےٰ ترین عہدوں کی خواہش کرتے، مگر انہوں نے اس طمع کے خیالات کی طرف کبھی توجہ نہ کی، ان کے رُتبہ اُن کی تعلیم و تلقین، اور اُن کی پاک زندگی کی وجہ سے مسلمانوں پر اُن کا بہت بڑا اثر تھا، وہ کسی فریق کی طرفداری میں اپنے اثر کو کام میں نہیں لاتے تھے اور نہ اُس کا بُرا استعمال کرتے تھے، وہ اُن خانہ جنگیوں میں جو مسلمانوں کے باہم پیش آئیں، بالکل الگ رہے، صرف فرائض مذہب کی پابندی میں مصروف رہے۔ تیس سال تک لوگ اطراف و جوانب سے مشورہ لینے اور احادیث سیکھنے کے لئے اُن کے پاس آتے رہے ... اُن کا انتقال ۷۳ھ (مطابق ۶۹۲ء) میں بمقام مکّہ چوراسی ۸۴ سال کی عمر میں ہوا ....“ (طبقات الفقہا ورق ۵ - تہذیب الاسماء صفحہ ۳۵۷ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۹ء - ابن سعد جلد ۴ - صفحہ ۱۰۵ تا ۱۳۸ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء)۔

(۲) **عطا ابن ابی رباح**، ”فقہائے مکہ میں ان کا پایہ بلند تھا، وہ تابعی تھے، عابد و زاہد تھے، انہوں نے (حدیث و فقہ کا علم) **جابر بن عبد اللہ انصاری**، **عبد اللہ بن عباس**، **عبد اللہ بن زبیر** اور بہت سے اصحاب رسول سے اخذ کیا تھا۔ **عمرو بن دینار**، **الاعمش**، **الاوزاعی** اور بہت سے دیگر اشخاص نے جو اُن کی تعلیم کو سنتے تھے ایک محدّث کی حیثیت سے خود اُن کی سند کا حوالہ

ا؎ تہذیب الاسماء صفحہ ۴۲۲ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۹ء - ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۴۷ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء -

دیا ہے۔ مکّہ میں مفتی کا منصب اُن کے اور مجاہد کے سپرد تھا، جس کے فرائض کو انہوں نے عمر بھر انجام دیا۔ . . . اُن کا انتقال ۱۱۵ھ (مطابق ۴-۷۳۳ء) میں ہوا، بعض کا قول ہے کہ اٹھاسی ۸۸ برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ (تذکرہ ابن خلکان ترجمہ از عربی مترجمہ بیرن ہیک گوکن ڈی سلین، جلد دوم صفحات ۲۰۲-۲۰۴ مطبوعہ لندن ۱۸۴۳ء یا اصل عربی نمبر ۳۰۴ مطبوعہ یورپ ۱۸۳۵ء۔ ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۳۴۴۔ تہذیب الاسماء صفحہ ۴۲۲)۔

(۳) **عمرو بن دینار**۔ "ان کا شمار مشہور ترین تابعین میں ہے اور نہایت اعلےٰ پایہ کے محدث سمجھے جاتے ہیں، وہ ائمہ مجتہدین میں سے تھے۔ ۱۲۶ھ (مطابق ۴-۷۴۳ء) میں اسّی ۸۰ برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ (طبقات الفقہا۔ ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۳۵۳)۔

(۴) **عبد اللہ بن شبرمہ، ابن طفیل**۔ مشہور امام اور تابعی ہیں۔ کوفہ کے ممتاز فقیہ تھے۔ انہوں نے **انس، الشعبی** اور **ابن سیرین** سے اخذ حدیث کیا تھا، اور **سفیان الثوری، سفیان بن عیینہ** اور دیگر اشخاص اخذ حدیث میں اُن کا حوالہ دیتے ہیں، ان کی راستی اور بحیثیت ایک فقیہ کے ان کی عظمت سب کے نزدیک مسلّم تھی۔ وہ متّقی، عقیل، دیندار، اور فیاض تھے، حُسن صورت اور شاعری کا ملکہ بھی رکھتے تھے۔ خلیفہ ابو جعفر منصور[1] کے عہد میں گرد و نواح کوفہ کے مزروعہ علاقہ (یعنی سواد کوفہ) کے قاضی تھے۔ ۹۲ھ (مطابق ۱۱-۷۱۰ء) میں پیدا ہوئے، اور ۱۴۴ھ (مطابق ۲-۷۶۱ء) میں انتقال کیا۔ (طبقات الفقہاء شافعیہ۔ اور تہذیب الاسماء صفحہ ۳۴۸ مطبوعہ یورپ۔ معارف ابن قتیبہ صفحہ ۱۲۳۸ مطبوعہ یورپ ۱۸۵۰ء)

---

[1] اصل انگریزی کتاب میں سہو سے مصنف مرحوم نے بجائے خلیفہ منصور کے خلیفہ مامون کا نام لکھا تھا۔ لہٰذا بعد تحقیق اس کی صحت کر دی گئی۔ (عبد اللہ خاں)

(۵) **سفیان الثوری**۔ کوفہ کے رہنے والے، احادیث اور دیگر علوم میں نہایت اعلیٰ درجہ کے اُستاد تھے، اُن کی پارسائی، عبادت، صداقت، اور اُن کے زُہد کو سب لوگ تسلیم کرتے تھے، اور اُن کا شمار ائمۂ مجتہدین میں ہوتا ہے۔ . . . **سفیان بن عیینہ** نے بیان کیا ہے کہ حلال وحرام کے علم میں **سفیان الثوری** سے زیادہ عالم میں کسی شخص کو نہیں جانتا۔ . . . سفیان کی ولادت ۹۵ھ (مطابق ۱۳-۷۱۴ء) ہے، دیگر روایات کی رو سے اُن کی ولادت کا سال ۹۶ھ یا ۹۷ھ ہوتا ہے، ۱۶۱ھ میں بمقام بصرہ[1] انتقال کیا۔ . . . بعض کا قول ہے کہ سُفیان کا انتقال ۱۶۲ھ میں ہوا، مگر پہلا بیان زیادہ صحیح ہے۔" (تذکرہ ابن خلکان مترجمہ بیرن میک گوگن ڈی سلین، جلد اول صفحات ۵۷۶ تا ۵۸۷ مطبوعہ لندن ۱۸۴۳ء۔ یا اصل عربی وفیات الاعیان نمبر ۲۶۵ مطبوعہ ۱۸۳۵ء۔ تہذیب الاسماء صفحہ ۲۸۶ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۲ء)

۱۱۳۔ یوروپین مصنفوں کا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید حملہ کی لڑائیوں کی یا بالفاظ دیگر غیر مسلموں سے بلا اشتعال طبع جنگ کی اجازت دیتا ہے، اس دعوے کی غلطی مسٹر ارکوہارٹ اور مسٹر ایڈورڈ ولیم لین کی شہادت سے ثابت ہے۔ مسٹر لین حسب ذیل لکھتے ہیں:-

یوروپین مصنفوں کی غلطی۔

"میں اُن علما کی رائے سے اور نیز اُس خیال سے جو یوروپ میں پھیلا ہوا ہے غلطی "میں مبتلا ہو گیا تھا، اور میں نے جنگ مقدس (جہاد) کے قوانین کو زیادہ سخت ظاہر کیا "تھا، مگر جب قرآن کو احتیاط سے مطالعہ کیا گیا، تو اس کے الفاظ و مفہوم کے موافق اور "نیز فقہ حنفی کے موافق میں نے اُن قوانین کو ایسا سخت نہیں پایا۔ میں مسٹر ارکوہارٹ "کا ممنون ہوں کہ صاحب موصوف نے مجھے اس بات کی ضرورت سُجھائی کہ میں اپنے سابقہ

[1] معارف ابن قتیبہ صفحہ ۲۴۹ تاریخ یافعی قلمی نایاب کتب خانۂ آصفیہ فن تاریخ نمبر ۷۶۸ صفحہ ۱۹۷۔ واقعات ۱۶۱ھ۔ (عبد اللہ خاں)

"بیان پر جو جہاد کے متعلّق تھا، نظر ثانی کروں، اور مجھے اپنے اس عقیدہ کو ضرور ظاہر کر
"دینا چاہیئے کہ قرآن کے سیاق کلام پر نظر کرنے کے بعد اس میں کوئی ایسا حکم نہیں نکلتا
"جس سے اشتعال طبع کے سوا کسی اَور حالت میں جنگ کرنا صحیح قرار دیا جاسکے"[1]

سر ولیم میور کا قول۔

۱۱۴۔ اب میں یوروپین مصنّفوں کے متعدّد اقوال، جن میں عیسائی پادری اور ہندوستانی مشنری بھی شامل ہیں، نقل کرتا ہوں، جن سے ثابت ہوگا کہ یہ لوگ جو ابتدا بجنگ اور جبراً مسلمان بنانے کا الزام قرآن مجید اور آنحضرت ؐ کی طرف منسوب کرتے ہیں، راہ حق سے کیسے منحرف ہیں۔ سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ اصول اسلام مُقتضی اس امر کے ہیں کہ جنگ ہمیشہ جاری رکھی جائے، اور یہ لکھتے ہیں :۔

"اسلام کے استحکام کے لئے بڑی ضرورت تھی کہ حملے پے در پے جاری رکھے جائیں،
"اور اسلام کا یہ دعویٰ کہ سب لوگ اس کو قبول کریں یا کم از کم اُس کی برتری اور فوقیت
"تسلیم کریں، بزور شمشیر منوایا جائے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عرب کی سرحد میں یہ کام پورا
"ہو چکا تھا۔ اب صرف یہ کام باقی تھا کہ صحرائے شام کے مسیحی اور بُت پرست قبائل کو
"زیر کیا جائے، اور پھر بسم اللہ کرکے فارس اور روما کی سلطنتوں کے آگے پنجۂ آہنی ڈالا
"جائے (اُن کو لڑائی کا چیلنج دیا جائے)، جنہوں نے چار سال پہلے پیغمبر کی دعوت کو، جو
"سنجیدگی کے ساتھ بطور تہدید پیش کی گئی تھی، بنظر حقارت دیکھا تھا، اور جو اس وقت
"سزا پانے کے لئے تیار تھیں"[2]

سر ولیم میور نے یہاں جس موقع کا حوالہ دیا ہے، وہ اس آفت کو دور کرنے کے لئے تھا جو بمقام موتہ پیش آئی تھی۔ آنحضرت ؐ نے بنی غسّان کے بادشاہ

[1] دیکھو کتاب ماڈرن ایجپشن (جدید مصری) از ایڈورڈ ولیم لین جلد اول، صفحہ ۱۱، نوٹ، طبع پنجم مطبوعہ لندن ۱۸۷۱ء
[2] میور صاحب کی سیرت محمدی، جلد چہارم صفحہ ۲۵۱-۲۵۲۔

کے پاس بمقام **بُصریٰ** ایک قاصد یعنی سفیر (حارث بن عُمیر ازدی) بھیجا تھا، جو قتل کیا گیا تھا، اور **موتہ** کی مہم اسی وجہ سے پیش آئی تھی۔ مُجرم سردار مسمی **شرحبیل بن عمرو الغسّانی** کو سزا دینے کے لئے ایک گروہ بھیجا گیا تھا، اس مہم کی بابت ہرگز خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ لڑائی جاری رکھنے کے لئے جنگ جوئی کا جوش یا حملہ کی کارروائی تھی یا اپنے فوقیت کے دعویٰ کو بزور شمشیر تبول کرانے کی غرض سے تھی۔[1]

> اسلام، حملہ یا جنگ کی ابتدا کرنے والا نہیں ہے۔

۱۱۵- یہ امر کہ جس اسلام کی آنحضرت ؐ نے تعلیم دی تھی اُس میں ابتدائی لڑائی یا حملہ کا ذکر تک نہیں، قرآن مجید کے متعدّد مقامات سے پوری طرح ثابت ہو چکا ہے۔ آنحضرت ؐ کی رسالت کا تمام زمانہ اس طرح گزرا کہ قریش مکّہ نے آپ کو تکلیفیں پہنچائیں، آپ کے مواعظ و نصائح کو رد کیا، آپ کی توہین و تحقیر کی، اور بالآخر آپ کا خون ہدر کیا گیا، اور آپنے ہجرت کر کے ایک دور و دراز شہر میں پناہ لی، آپ وطن سے بے وطن کئے گئے، آپ پر حملے کئے گئے، محاصرہ کیا گیا، شکستیں دی گئیں، مکّہ واپس جانے اور مقدّس خانہ کعبہ کی زیارت سے آپ کو روکا گیا، اور یہ تکالیف اُن ہی دشمنوں یعنی قریش اور گرد و نواح کے دیگر قبائل کے ہاتھوں پہنچی تھیں جو اُن کے ساتھ شامل ہو گئے تھے، نیز یہودیوں نے جو مسلمانوں پر حملے کرنے میں اپنے ساتھیوں یعنی قریش مکّہ سے کچھ کم نہ تھے، مدینہ میں آنحضرت ؐ کے خلاف سازش کی اُنہوں نے قریش کو آنحضرت ؐ سے لڑنے کے لئے اغوا کیا، اور ایک کثیر التعداد فوج لے کر چڑھ آئے، یہ لوگ **بدعہد اور باغی**، اور خود قریش سے بھی زیادہ مُضر ثابت ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ؐ ہمیشہ خطروں اور مصیبتوں میں مبتلا رہے، اور ایسی حالت میں آپ کے لئے لڑائی میں سبقت کرنی نا ممکن تھی، آپ کو مخالفوں پر حملہ کرنے کا کوئی وقت یا موقع

---

[1] دیکھو ابن سعد جلد دوم صفحہ ۹۲ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء۔

نہیں مل سکتا تھا، آپ نہ تو بزور شمشیر سب لوگوں کو مسلمان بنا سکتے تھے، اور نہ ان سے اسلام کی فوقیت تسلیم کرا سکتے تھے، اگر بالفرض آپ کا ایسا ارادہ ہوتا تو بھی یہ بات محال تھی۔ مگر آنحضرت م کے **اصول** سے یہ امر نہایت بعید تھا، کہ آپ تمام آدمیوں کو مقہور و مغلوب کرنے کا مقصد پیش نظر رکھتے۔ سر ولیم میور اپنے ریڈ لیکچر میں جو ۱۸۸۱ء میں، یعنی صاحب موصوف کے جس مضمون پر میں بحث کر رہا ہوں، اُسکے لکھنے سے ٹھیک بیس[۲۰] برس بعد دیا گیا تھا، یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ :۔

"اسلام نے عرب کی حدود اور اس کے سرحدی علاقوں سے جو کبھی باہر قدم رکھا ہے، تو "اُس کی وجہ یہ تھی کہ کچھ ایسے ہی حالات پیش آ گئے تھے، ورنہ اس کا مقصد ایسا نہ تھا۔ دین "اسلام دراصل اہل عرب کے لئے تھا، ابتدائی زمانہ میں شروع سے آخر تک اُس کی دعوت "کے مخاطب عرب ہی تھے"

اُسی لکچر کے ایک فٹ نوٹ میں **میور صاحب** موصوف حسب ذیل لکھتے ہیں (دیکھو صفحہ ۵) :۔

"یہ سچ ہے کہ تین[۳] چار[۴] سال پہلے محمد (صلعم) نے قیصر اور خسرو پرویز، اور قرب و جوار "کے دیگر سلاطین کے پاس سفارتیں بھیجی تھیں، اور اُن کو دین حق کے قبول کرنے کی دعوت "دی تھی، مگر اس کے بعد ہرگز کوئی کارروائی کسی قسم کی عمل میں نہیں لائی گئی"[۱]

۱۱۶ **مسٹر فریمین** آنحضرت م کی بابت حسب ذیل لکھتے ہیں :۔

مسٹر فریمین کا قول

"محمد (صلعم) کے سامنے حضرت موسےٰ م کی شریعت کا نمونہ موجود تھا جس "میں کنعان کی مجرم قوموں کے استیصال کے لئے بہت زیادہ سخت حکم نافذ کیا گیا تھا۔ گرد "نواح کی تمام طاقتوں، یعنی مسیحی، یہودی اور بُت پرست سلطنتوں کا دستور العمل بھی آپ کے

---

[۱] "ابتدائی خلافت اور عروج اسلام"، یعنی ریڈ لکچر بابت ۱۸۸۱ء از سر ولیم میور۔ کے سی ایس۔ آئی۔ ایل ایل ڈی صفحہ ۵۔ مطبوعہ لندن ۱۸۸۱ء۔

"روبرو تھا، اگرچہ جو بدلی شام اور مصر میں حکومت قسطنطنیہ کی طرف سے پیدا ہو گئی تھی،
"جہاں مذہب اپنی پرانی صورت پر قائم تھا، اُس سے آپ یہ سبق حاصل کر سکتے تھے
"کہ مذہبی تشدد کی وجہ سے اُس کا مقصد کیسی آسانی سے فوت ہو جاتا ہے . . .
"اُن حالات کا لحاظ رکھنے کے بعد جو آنحضرت ؐ کو پیش آئے، آپ کا تلوار کی طرف رجوع
"کرنا دراصل الزام کی کوئی بڑی بنیاد نہیں ہے۔ آپ نے صرف زمانہ سابق کی نظیروں
"اور نیز گردو نواح کی ہر ایک قوم کی نظیروں کی پیروی کی تھی۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں
"کیا۔ تاہم ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ ایسے اعلیٰ درجہ کے صاحب فہم و ذکاوت سے جیسے کہ
"محمد (صلعم) تھے معقول طور پر اس امر کی توقع رکھی جا سکتی تھی بلکہ ضرور رکھنی چاہیئے تھی
"کہ آپ کی شان تعصب اور سابقہ نمونوں کے حیلے سے ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے[1]"

آنحضرت ؐ نے مخالفوں کے استیصال یا اُن سے جبراً اسلام قبول کرانے کے لئے حضرت موسےٰ ؑ اور حضرت یوشع ؑ کی پیروی کا ہرگز دعوےٰ نہیں کیا۔ آپ نے اپنی اور اپنے پیروؤں کی جان بچانے کے لئے تلوار اُٹھائی تھی۔ ایسا ہرگز معلوم نہیں ہوتا کہ آنحضرت ؐ نے گردو پیش کی قوموں یعنے عیسائیوں، یہودیوں، اور مصریوں کے طریق عمل کی نقل کرنے کی خواہش کی۔ آپ کی **دفاعی جنگیں** جو درحقیقت سب کی سب دفاعی تھیں، **بہت نرم** تھیں، خصوصاً **عورتوں، بچوں** اور **ضعیف مردوں** کے ساتھ برتاؤ کے بارہ میں، جن پر حملہ کرنے کا کبھی حکم نہیں دیا گیا، اور ان سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ **اسیران جنگ** کے ساتھ بھی نرمی کا برتاؤ کیا جاتا تھا، اُن کو یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دیا جاتا تھا، یا فدیہ لے کر، مگر اُن کو غلام بنانے کا ہرگز حکم نہ تھا، حالانکہ گردو نواح کی تمام قوموں کا

---

[1] "تاریخ و فتوحات اہل عرب" از ایڈورڈ اے فریمین، ڈی۔سی۔ایل۔ایل۔ڈی۔ صفحات ۴۱-۴۲- مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء۔

طریق عمل اس کے خلاف تھا۔ یہ سچ مچ غلامی کا انسداد تھا (دیکھو سورہ محمد ۴۷۔ آیت ۵۔ اور ضمیمہ کتاب ہذا) **آنحضرت ؐ کی دفاعی جنگوں کا یہ ایک مفید نتیجہ تھا۔ جو بالعموم نوع انسان کے لئے ایک بڑی برکت کا موجب ہوا۔**

۱۱۷۔ پادری سٹیفنز لکھتے ہیں :۔

پادری سٹیفنز کا قول

"قرآن میں مسلمانوں کو اُن لوگوں سے، جو پیغمبر اسلام کی نبوت کو نہ مانیں، "لڑنے کا قطعی اور مطلق حکم موجود ہے، یہاں تک کہ وہ لوگ اطاعت قبول کریں یا اگر وہ یہودو "نصاریٰ ہوں، تو جزیہ ادا کر کے قبولیت اسلام سے بری ہو سکتے ہیں۔ ایک مسلمان کا مشن "(مُدّعا) جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے کُھلم کُھلا نبرد آزمائی اور لڑائی میں سبقت ہے۔ ہم "کہہ سکتے ہیں کہ محمد (صلعم) نے اپنے شاگردوں کو وصیت کی تھی کہ جہاں ترغیب سے کام نہ چلے "وہاں تم لوگ اشاعت دین کے لئے زبردستی سے کام لو، اور اس طرح دنیا میں لُوٹ مار "کرتے پھرو" "اے پیغمبر! خدا کی راہ میں لڑو"۔ "مومنوں کو لڑائی کا جوش دلاؤ"۔ یہ وہ "احکام ہیں جن کی بابت محمد (صلعم) کو یقین تھا کہ وہ خدا کے دئے ہوئے ہیں۔ "اُن لوگوں "سے لڑو جو نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر"۔ "بُت پرستوں پر سب مہینوں "میں (یعنی ہمیشہ) حملہ کرو"۔ یہ ہیں نصیحتیں جو آنحضرت ؐ نے اپنے شاگردوں کو کی تھیں[1]"

پادری صاحب نے قرآن مجید کے برخلاف جو کچھ تحریر کیا ہے اُس کی بابت اُن کی رائے بہت ہی غلطی پر ہے۔ حملہ کی لڑائی یا جبراً اسلام قبول کرانے کے لئے قرآن مجید میں کوئی مطلق یا قطعی حکم نہیں ہے، جو جملے مسٹر سٹیفنز نے نقل کئے ہیں، اُن میں کلام کے مضمون یا سباق کا لحاظ نہیں رکھا گیا، آیتوں کو توڑ موڑ کر زبردستی اپنا مطلب

[1] "مسیحیت اور اسلام، بائیبل اور قرآن" از ریورنڈ۔ ڈبلیو۔ آر۔ ایم۔ سٹیفنز۔ مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء۔ صفحات ۹۸۔ ۹۹۔

نکالا ہے۔ کسی آیت کے مقدّم و مؤخّر کو نظر انداز کر کے اُس کے ایک ہی جملہ کو پیش کر دینے سے کوئی اصول یا مسئلہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ سیاق کلام، مفہوم عام، ہم مضمون آیات، اور عبارت کے مقدّم و مؤخّر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ جن آیتوں کا حوالہ مسٹر سٹیفنز نے دیا ہے، وہ سورۂ چہارم (نساء) کی آیت ۸۶۔ اور سورۂ نہم (توبہ) کی آیت ۲۹۔ اور آیت ۳۶ ہیں۔ یہ تمام آیتیں کسی دوسری جگہ پوری پوری نقل کی گئی ہیں اور اُن پر بحث ہو چکی ہے[۱]۔

یہ آیتیں محض دفاعی جنگوں سے متعلق ہیں۔

۱۱۹۔ مسٹر باسورتھ اسمتھ کہتے ہیں :۔

مسٹر باسورتھ اسمتھ کا قول۔

"جو قومیں آنحضرت ؐ کے گرد و پیش تھیں اُن کے خیالات عقائد میں "زیادہ تر خالص عقیدہ یعنی عام مذہبی آزادی جس کی تاکید پیغمبر اسلام "نے اول اول کی تھی، وہ رفتہ رفتہ مذہبی مزاحمت کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ اب وہ زمانہ "ہے کہ محمد (صلعم) کو کوئی نہیں ستاتا بلکہ وہ خود لوگوں کو آزار دیتے ہیں، ایک ہاتھ میں قرآن "اور دوسرے میں تلوار لے کر قوموں کے سامنے یہ تین باتیں پیش کرتے ہیں کہ ان میں سے "کوئی ایک بات قبول کریں، یا اسلام لائیں، یا جزیہ دیں یا موت گوارا کریں[۲]"

آنحضرت ؐ نے اپنے طریق رواداری (مذہبی آزادی) کو کبھی نہیں بدلا، اور نہ اپنی تعلیم و تلقین کو مذہبی مزاحمت کے ساتھ تبدیل کیا، آپ کو مکّہ اور مدینہ میں ہمیشہ اذیتیں اور تکلیفیں دی گئیں، مگر جہاں تک معلوم ہے آنحضرت ؐ بہ نفس نفیس دوسروں کے لئے باعث آزار کبھی نہیں ہوئے۔ یہ تینوں باتیں جن کا ذکر تو بہت کچھ

---

[۱] دیکھو فقرات ۱۷ و ۲۹ و ۱۲۶۔ کتاب ہذا۔

[۲] "محمد اور دین محمدی" یعنے وہ لکچر جو آر باسورتھ اسمتھ ایم۔ اے نے فروری اور مارچ ۱۸۷۴ء میں رایل انسٹیٹیوشن برطانیہ اعظم میں دئے تھے، طبع دوم صفحہ ۱۳۷ مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء۔

کیا جاتا ہے مگر ثبوت کچھ نہیں دیا جاتا، قرآن مجید میں ان کا کہیں ذکر نہیں۔ اس مضمون پر فقرات ۳۴ لغایت ۳۹ میں مفصّل بحث ہو چکی ہے۔

۱۱۹۔ مسٹر جارج سیل اپنے ترجمہ قرآن کی مشہور و معروف تمہید میں

مسٹر جارج سیل کا قول۔

آنحضرت ؐ کی رسالت کے تیرھویں سال کا حوالہ دیکر یہ لکھتے ہیں:۔
"اب تک محمد (صلعم) نے اپنے دین کی اشاعت منصفانہ وسائل سے کی تھی،
"پس ہجرت مدینہ سے پہلے آپ کے مقصد کی تمام کامیابی کو صرف ترغیب و تحریص سے منسوب
"کرنا چاہیئے نہ کہ جبر و اکراہ سے، کیونکہ عقبہ کی اس دوسری بیعت یا وفاداری کے حلف
"سے پہلے، آنحضرت کو جبر یا زبردستی سے کام لینے کی بالکل اجازت نہ تھی، اور قرآن کی
"متعدد آیات میں جن کی بابت آپ کا دعوٰے تھا کہ وہ مکّہ میں نازل ہوئی ہیں، آپ نے یہ
"ظاہر کیا ہے کہ میرا کام صرف تبلیغ اور وعظ و نصیحت ہے، مجھے کسی شخص پر اسلام قبول کرانے
"کے لیۓ جبر کرنے کا حکم نہیں ہے، اور یہ بات کہ لوگ ایمان لائیں یا نہ لائیں، مجھے اس سے
"کوئی سروکار نہیں، بلکہ یہ امر صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے، آنحضرت ؐ اپنے اصحاب
"کو جبر سے کام لینے کی اجازت دینے کے اس قدر مخالف تھے کہ آپ نے اُن کو حکم دیا تھا کہ
"دین کے معاملہ میں جو تکلیفیں تم کو پہنچائی جائیں اُن کو صبر سے برداشت کرو، اور جب خود
"آنحضرت ؐ کو اذیتیں دی گئیں تو آپ نے مزاحمت کرنے کی بجائے وطن مالوف سے مدینہ
"کی طرف **ہجرت** کرنا پسند کیا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ عظیم صبر و تحمل تمامتر اس وجہ سے تھا
"کہ زمانہ نبوت کے پہلے بارہ سال تک آپ کو اقتدار حاصل نہ تھا، اور آپ کے ظالم دشمنوں
"(قریش) کو بڑی فوقیت حاصل تھی، کیونکہ جونہی آنحضرت ؐ اہل مدینہ کی مدد سے اس قابل
"ہوئے کہ اپنے دشمنوں کا مقابلہ کر سکیں، آپ نے اعلان کر دیا کہ خدا نے مجھے اور میرے پیروؤں
"کو کافروں کے مقابلہ میں مدافعت کی اجازت دیدی ہے، اور آخر کار جب آپ کی جمعیت بڑھ
"گئی تو آپ نے یہ دعوٰی کیا کہ مجھے اُن پر حملہ کرنے اور بزور شمشیر بُت پرستی کو مٹا کر دین حق کے

"قائم کرنے کی اجازت بھی من جانب اللہ مل گئی ہے، آپ کو تجربہ سے یہ بات معلوم
"ہو گئی تھی کہ اگر جبر و تعدی سے کام نہ لیا گیا تو میرے مقاصد گو بالکل فوت نہ ہوں
"تاہم اُن کی ترقی کی رفتار بہت سست پڑ جائیگی، اور آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ جب
"کسی شے کے موجد محض اپنی ذاتی طاقت پر بھروسا کرتے ہیں، اور (اپنی رائے
"کے قبول کرانے کے لئے) دوسروں کو مجبور کر سکتے ہیں تو اُن کو شاذ و نادر ہی کوئی
"خطرہ پیش آتا ہے، جس سے ایک مدبّر سلطنت کے خیال کے موافق یہ نتیجہ نکلتا ہے
"کہ جن پیغمبروں نے ہتھیار اُٹھائے وہ کامیاب ہوئے، اور جنھوں نے ہتھیار نہ اُٹھائے
"وہ ناکام رہے، اگر حضرت موسےٰ ع۔ سائرس تھیسس۔ اور رومیولس ہتھیار
"نہ اُٹھاتے تو وہ اپنے قوانین و آئین کی تعمیل ہرگز نہ کرا سکتے۔ خواہ کتنی ہی مدت تک
"کوشش کرتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قرآن کی سب سے پہلی آیت جس نے محمد (صلعم)
"کو اپنی مدافعت کے لئے ہتھیار اُٹھانے کی اجازت دی، بائیسویں[۲۲] سورۃ (حج آیت ۴۰)
"میں ہے، اس کے بعد اسی مضمون کی بہت سی آیتیں نازل ہوئیں۔

"شاید یہ بات تسلیم کی جا سکتی ہے کہ محمد (صلعم) کو اپنے بے انصاف ایذا دہندوں
"کے مقابلہ میں مدافعت کے لئے ہتھیار اُٹھانے کا حق حاصل تھا مگر یہ امر کہ آیا بعدازاں
"اپنے مذہب کے قائم کرنے کے لئے بھی اسی وسیلہ سے کام لینا چاہیئے تھا یا نہیں، ایک
"ایسا سوال ہے جس کا فیصلہ میں اس مقام پر نہیں کرونگا۔ نوع انسان کی رائے
"اس امر میں متفق نہیں ہے کہ دنیوی سلطنت اس قسم کے معاملات میں (یعنی دین کو
"تلوار کے زور سے پھیلانے میں) کہاں تک دخل دینے کی مجاز ہے یا اُس کو کہاں تک
"دخل دینا چاہیئے۔ کسی دین کو بزور شمشیر منوانے کا طریقہ اُس دین کے حق میں جو اس طرح
"جاری کیا جائے کچھ بہت اچھی رائے قائم نہیں کرتا۔ لوگ دوسرے مذہب والوں کو تو
"اس طریق عمل (یعنی جبراً مذہب قبول کرانے) کی اجازت نہیں دیتے، مگر اپنے مذہب

"کی ترقی کے لئے اُس قاعدہ کو تسلیم کرنے کے لئے رضامند ہیں، اُن کا خیال یہ ہے کہ
"اگرچہ جھوٹے مذہب کو حکومت کے زور سے جاری نہیں کرنا چاہیئے، تاہم سچے مذہب
"کو اس طرح جاری کر سکتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت رہی
"ہے اُنہوں نے ایسی حالتوں میں ہمیشہ جبر سے کام لیا ہے، اور جو لوگ ظلم سہتے رہے
"ہیں وہ ہمیشہ اس کے شاکی رہے ہیں[1]"

میں مسٹر جارج سیل کے اُن الفاظ سے جو اُنہوں نے آنحضرت صلعم کی نسبت لکھے ہیں، "اور آخر کار جب آپ کی جمعیت بڑھ گئی تو آپ نے یہ دعویٰ کیا کہ مجھے اُن پر حملہ کرنے اور بزور شمشیر بُت پرستی کو مٹا کر دینِ حق کے قائم کرنے کی اجازت بھی من جانب اللہ مل گئی ہے"۔ متفق نہیں ہوں، آنحضرت صلعم نے بجز **مدافعت یا حفاظت خود اختیاری** کے قریش یا دیگر اشخاص پر ہرگز حملہ نہیں کیا۔ بُت پرستی کا استیصال آنحضرت کی رسالت کا **خاص مقصد** تھا اس کو بھی بزور اسلحہ حاصل نہیں کیا گیا نہ تو کسی شخص کو بہ جبر مسلمان بنایا گیا اور نہ خود آنحضرت صلعم کی تواریخ سے اس امر کا اشارہ پایا جاتا ہے، کہ بُت پرستوں کو بزور شمشیر وطن سے نکال کر اُن کا استیصال کر دینا آپ کی پیغمبری کے خاص مقصد میں داخل تھا۔ دشمنوں کی **ایذا رسانی** اور **ملکی اختلاف یا بدامنی** کا انسداد یا دفعیہ ضروری تھا، اور طاقت کے روکنے کے لئے طاقت ہی کا استعمال کیا گیا تھا، مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا گیا۔ آنحضرت صلعم نے بزور شمشیر اسلام قبول کرانے کے لئے کسی شخص پر زور نہیں ڈالا۔

میجر آسبرن کا قول

۱۲۰- میجر آسبرن نے اپنی کتاب "اسلام زیر حکومت عرب[2]" میں "مسئلہ جہاد" کے عنوان سے جہاد کی ایک نہایت باریک تصویر کھینچی ہے۔ میجر صاحب

[1] دیکھو جارج سیل کے ترجمہ قرآن کی تمہید - باب دوم صفحہ ۲۷-۲۸۔

[2] دیکھو کتاب مذکور (مطبوعہ لونگ مینز گرین اینڈ کمپنی لندن) کے صفحات ۴۶ لغایت ۵۴۔

موصوف نے آنحضرت ؐ کی ان دفاعی جنگوں کی تشریح اس طرح کی ہے کہ :-

"یہ لڑائیاں" معاش کا ایک ذریعہ تھیں جو اہل عرب کی طبیعت کے مناسب حال ہے اور
"اُن کی نگاہ میں ان لڑائیوں سے اُن پر کسی ذلت یا بداخلاقی کا الزام نہیں لگتا تھا - یہ
"قزاقی کا کام تھا، تو پھر مسلمان اپنی قلیل معاش کو یہ مفید اور معزز پیشہ اختیار کر کے کیوں
"نہ حاصل کرتے ؟ یہ پیشہ ایسے ہر شخص کے لئے جس کے ہاتھ میں تلوار ہو اور جو اُس
"سے کام لینا جانتا ہو، کھلا ہوا تھا . . . . ان کفار کو لوٹنا اور اُن بندگان
"خدا (یعنی اہل اسلام) میں سے بھوکوں کو روٹی اور ننگوں کو کپڑا دینے کے لئے اُن
"کے مال و متاع کا استعمال کرنا یقیناً ایسا کام تھا جو خدا تعالیٰ کی نظر میں نہایت پسندیدہ
"سمجھا جاتا تھا . . . . اور دین اسلام کو تلوار کا دین بنانے کے لئے یہ پہلا قدم تھا"۔
"(دیکھو صفحات ۴۶-۴۷)۔

اس کے بعد **میجر صاحب موصوف** دوبارہ لکھتے ہیں کہ :-

"قرآن کی نویں سورۃ (توبہ) میں پیغمبر (صلعم) کا وہ اعلان جنگ شامل ہے جو آنحضرت ؐ
"نے اسلام کے سوا تمام دیگر مذاہب کے پیروؤں کے خلاف شائع کیا تھا" (دیکھو صفحہ ۵۲)

اس کے بعد صاحب موصوف آٹھویں اور نویں سورۃ کی کئی آیتیں جن میں سے بعض آدھے آدھے جملے ہیں نہایت ہی بگاڑ کر سلسلہ وار نقل کرتے ہیں، مگر آیتوں کا نمبر نہیں دیتے - وہ آیتیں یہ ہیں :-

(۱) سورۃ نہم (توبہ) آیات ۲۰ و ۳۴ و ۳۵ و ۸۲ و ۱۲۱ -
(۲) سورۃ ہشتم (انفال) آیت ۶۷ -
(۳) سورۃ نہم (توبہ) آیات ۳۶ و ۲۹ و ۱۹ -
(۴) سورۃ چہل و ہفتم (محمد) آیت ۴ -
(۵) سورۃ نہم (توبہ) آیت ۵ -

(۶) سورہ ہشتم (انفال) آیت ۶۲۔

آخر میں اس فاضل مسیحی نے ان الفاظ میں نتیجہ نکالا ہے:۔

"جنگ مقدس جس کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا تھا اُس کی صورت یہ تھی جو اُوپر بیان ہوئی۔
" یہ محمد (صلعم) کا سب سے بڑا اور سب سے بدتر کارنمایاں تھا (نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ
" هٰذِهِ الهفوات) جب خود آنحضرت (صلعم) کو دشمنوں کی ضرر رسانی سے تکلیفیں
" پہنچتی تھیں، اُس وقت آپ کو معلوم ہوا کہ جسمانی اذیتیں دلی اعتقاد کے تبدیل کرنے
" میں کس قدر کمزور ثابت ہوتی ہیں۔ جو اصول آپ نے تجویز کئے تھے اُن میں سے ایک
" یہ بھی تھا کہ مذہب میں کوئی زبردستی نہیں ہونی چاہیئے۔ ابتدائی زمانہ میں یہود و نصاریٰ
" کی بابت آپ نے فرمایا تھا کہ تم میں سے ہر شخص کو ہم نے ایک قانون دیا ہے اور
" ایک کُھلا رستہ بنا دیا ہے، اور اگر خدا چاہتا تو یقیناً تم کو ایک ہی اُمت بنا دیتا مگر اُس
" نے تم کو مختلف قوانین دینے مناسب سمجھے تا کہ جو قانون تم کو علیحدہ علیحدہ دیا گیا ہے اُس
" میں تمہارا امتحان کرے، پس نیک کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی
" کوشش کرو تم سب خدا کی طرف واپس جاؤ گے اور پھر وہ تم کو اس امر کے متعلق جس میں
" تم نے اختلاف کیا ہے صاف طور پر بتا دے گا"

" مگر کامیابی کے نشہ نے (یہ دروغ محض ہے) آپ کے بہتر خیالات کی آواز کو بہت
" عرصہ پہلے ہی خاموش کر دیا تھا۔ اس عمر رسیدہ پیغمبر (یعنے آنحضرت م) نے جو گویا قبر
" میں پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے، اور جنہوں نے آخری میراث یہی چھوڑی تھی کہ جنگ کا
" ایک عام فرمان جاری کر دیا تھا، دشمنوں نے مخالفت کے زور سے ایک دوسرے مذہبی
" معلّم (یعنی حضرت مسیح ع) کے اُن آخری الفاظ کو جو انہوں نے اپنے حواریوں سے
" کہے تھے، بالکل منسوخ کر دیا، وہ الفاظ جو حواریوں سے کہے گئے تھے، یہ ہیں:۔ "تم
" باہر جاؤ اور تمام قوموں کو امن و امان کی انجیل کا وعظ سناؤ۔ ان دونو معلّموں کے

"مختلف قسم کے حکموں کی جس طرح تعمیل کی گئی، اُس کا اختلاف بھی کچھ کم حیرت انگیز "نہیں ہے، یعنی اہل عرب نے تو ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لیکر "جلتے ہوئے شہروں کے شعلوں اور تباہ و برباد شدہ خاندانوں کی چیخ پکار کے درمیان "اپنے دین کی اشاعت کی، اور حواریان مسیح ؑ نے دُنیائے روما کی اخلاقی تاریکی میں "روشنی کی نرم مگر ناقابل مزاحمت طاقت سے کام کیا، از سر نو سوسائٹی (تمدن) کی بنیاد "ڈالی اور خانگی اور قومی زندگی کے ناپاک چشموں کے منبع کو پاک و پاکیزہ بنایا۔"

۱۲۱- اس فاضل مصنف کو جس کا قول اوپر نقل کیا گیا ہے - یا تو پیغمبر اسلام (صلعم) کے غزوات کی ماہیت سمجھنے میں **غلط فہمی** ہوئی ہے اور یا انہوں نے دیدہ و دانستہ اُن کی نہایت ہی **غلط تعبیر** کی ہے جو جہل سے بھی بدتر ہے - صاحب موصوف نے دو امور میں سخت غلطی کی ہے -

میجر آسبرن کے خیال کا ابطال -

اوّلاً میجر صاحب موصوف نے ان لڑائیوں کو فتحمندی اور جبر و تعدّی اور ظلم کی لڑائیاں قرار دیا ہے، حالانکہ یہ سب لڑائیاں ابتدائی مسلمانوں کے مُلکی اور مذہبی حقوق کی حمایت میں کی گئی تھیں اور جیسا میں نے پہلے بیان کیا ہے مکّہ میں مذہب کی وجہ سے مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچائی گئیں اُن کو ستایا گیا اور طرح طرح کی عقوبتوں میں مبتلا کیا گیا اور ایک مدت مدید تک وقتاً فوقتاً تازہ بتازہ اور سخت تجویزوں سے تکلیفیں دینے کے بعد اُن کو زیادہ تر سخت اور صعب مصائب میں مبتلا کیا گیا، اُن کو جلاوطن کیا گیا، اُنہیں اپنے پیارے رشتہ داروں اور دینی بھائیوں کو کُفّار کی ایذارسانی کی مصیبتیں جھیلنے کے لئے مکّہ میں چھوڑنا پڑا، اور جب انہوں نے مدینہ میں پناہ لی تو ایک کثیر التعداد جمعیت نے اُن پر حملے کئے، گرد و نواح کے متعدد قبائل عرب و یہود حملہ آور قریش کے ساتھ شامل ہوگئے - اُنہوں نے مسلمانوں پر تباہ کُن حملہ کرنے شروع کئے اور پہلے سے بھی زیادہ سخت اور بھاری مصائب کی اُن کو دھمکی دینے لگے - اس بیان سے

یہ بات معلوم ہوگی کہ یہ لڑائیاں نہ تو فتوحات حاصل کرنے کے لئے تھیں اور نہ جبراً مسلمان بنانے کے لئے۔

ثانیاً۔ دوسری بڑی غلطی جس میں **میجر آسبرن** صاحب مبتلا معلوم ہوتے ہیں یہ ہے، کہ وہ لڑائی کے اُن احکام کو جو اہل مکّہ یا دیگر حملہ آوروں کے مقابلہ میں صادر ہوئے تھے، اس امر پر محمول کرتے ہیں کہ جملہ منکرین اسلام کے مقابلہ میں جنگ کرنا دین اسلام کا ایک **عام فرض** قرار دیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ احکام اُن ہی حملہ آوروں کے مقابلہ میں تھے جو ابتدائی مسلمانوں کے حقوق اور اُن کی آزادی میں نہایت سخت مداخلت کرنے کے واقعی مرتکب ہوئے تھے، اور جنہوں نے اُن کو بڑی بڑی تکلیفیں پہنچائی تھیں۔ یہ احکام اسلامی دُنیا کی آیندہ رہبری سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے اور نہ اب رکھتے ہیں۔

۱۲۲۔میجر آسبرن کا یہ بیان کہ "نویں سورت (توبہ) میں پیغمبر (صلعم) کا وہ اعلان جنگ شامل ہے جو آپ نے اسلام کے سوا تمام دیگر مذاہب کے پیروؤں کے خلاف شائع کیا تھا" واقعات کی نہایت ہی **غلط تعبیر** ہے۔ کوئی بیان راستی سے اس قدر بعید نہیں ہو سکتا جیسا کہ صاحب موصوف کا یہ بیان ہے۔ نویں سورت (توبہ) میں، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ اس سورت کی ابتدائی آیتوں میں پیغمبر (صلعم) کا **وہ اعلان جنگ شامل ہے جو مشرکین مکّہ کے مقابلہ میں شائع کیا گیا تھا**، یعنی وہ لوگ جنہوں نے عہد نامہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کر کے مسلمانوں پر حملہ کیا تھا (دیکھو سورۂ توبہ ۹۔ آیات ۴ و ۸ و ۱۰ و ۱۲ و ۱۳۔ اور کتاب ہٰذا کا فقرہ ۱۷)۔ ان لوگوں کو صُلح کی شرائط طے کرنے کے لئے چار مہینے کی مُہلت دی گئی تھی۔ انھوں نے اطاعت قبول کی اور مکّہ باہمی مصالحت سے فتح ہوگیا، اور اسی وجہ سے وہ جنگ جس کا اعلان ان آیتوں

قرآن مجید کی نویں سورت (توبہ)

میں کیا گیا ہے، پیش نہیں آئی۔ جن لوگوں نے عہد ناموں کو نہیں توڑا تھا اُن کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے، اور اُن سے اعلان جنگ یا مہلتِ صلح کا کوئی تعلق نہیں ہے (دیکھو التوبہ ۹ - آیات ۴ و ۷ جو فقرۂ ۷ ا میں نقل ہو چکی ہیں) پس یہ بات صاف ظاہر ہے کہ جنگ کا اعلان صرف **نقض عہد** کرنے والوں اور حملہ آوروں کے مقابلہ میں شائع کیا گیا تھا، نہ کہ اسلام کے سوا تمام دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے مقابلہ میں۔ میں نے اس کتاب کے فقرۂ ۴۷ میں سورہ نہم (التوبہ ۹) کے متعلق مزید بحث کی ہے، اس سورۃ کی دیگر آیات **مہم تبوک** سے متعلق ہیں جو اپنی حیثیت میں محض دفاعی مہم تھی، جیسا کہ کتاب ہذا کے فقرہ ۳۳ میں بیان کیا گیا ہے (فقرۂ ۴۲ بھی دیکھو)۔

۱۲۳ - پادری ای - ایم ویری ایم - اے اپنے نوٹ میں جو صاحب موصوف نے **سیل صاحب** کے ترجمہ قرآن کی تمہید پر لکھا ہے حسب ذیل تحریر کرتے ہیں :-

> پادری ویری کی رائے اور اس کا رد۔

"اگرچہ محمد (صلعم) نے بلاشبہ موسےٰؑ کو اپنا نمونہ قرار دیا تھا، اور جب آپ نے کفّار
"سے جہاد کرنے کا حکم دیا تو اپنے آپ کو موسےٰؑ کا پیرو خیال کیا تھا، تاہم جہاں تک
"کفّار سے جنگ کرنے کا تعلق ہے، اُن میں باہمدگر کوئی مشابہت نہیں ہے۔ بنی اسرائیل کو بنی کنعان کے قتل کا حکم
"اس حیثیت سے دیا گیا تھا کہ وہ لوگ بنی کنعان کے قلع وقمع کے لئے ایک الٰہی آلہ قرار دئے گئے تھے، مگر محمد (صلعم) نے
"جنگ کو لوگوں کے جبراً مسلمان بنانے کا ایک وسیلہ بنا دیا۔ بنی اسرائیل کو اجازت نہ
"تھی کہ بنی کنعان کو جبراً اپنے مذہب میں داخل کریں، (دیکھو خروج باب بست وسوم[۲۳]
"درس ۲۷ و ۳۳) مگر مسلمانوں سے اس امر کی استدعا کی جاتی ہے کہ وہ بزور شمشیر
"دوسروں کو مسلمان بنائیں"[۱]

[۱] قرآن کی ایک مبسوط تفسیر مشمولہ ترجمہ جارج سیل وتمہید مع حواشی و اصلاح مزید از پادری - ای - ایم ویری ایم۔اے صفحہ ۲۲۰ - مطبوعہ لندن ٹرونبر اینڈ کو ۱۸۸۲ء۔

آنحضرت (صلعم) نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں دفاعی جنگ کا حکم دینے اور قوت کو قوت سے دفع کرنے میں حضرت موسےٰؑ کے قدم بہ قدم چلتا ہوں - حضرت موسےٰؑ کی جنگوں میں جو محض فتحمندی، حملے، استیصال اور جلاوطنی کی لڑائیاں تھیں اور آنحضرت (صلعم) کی جنگوں میں جو محض دفاعی طور پر کی گئی تھیں، ذرا بھی کوئی مشابہت نہیں ہوسکتی - آنحضرت (صلعم) نے لڑائی کو اس حیثیت سے جاری رکھ کر کہ وہ جبراً مسلمان بنانے کا ایک ذریعہ ہو، ہرگز اپنے عہد کو مقدس نہیں بنایا، اور کسی شخص کو محض تلوار کی قوت سے ہرگز مسلمان نہیں بنایا مسٹر ٹی - ایچ - ہورن - ایم - اے اہل کنعان کے استیصال کی بابت حسب ذیل لکھتے ہیں :-

"جب خدا کے تحمل کا زمانہ منقضی ہوگیا تو اس کے بعد بھی ان دو باتوں میں سے ایک
"بات اُن کے سامنے پیش کی گئی، کہ وہ یا تو کسی دوسری جگہ نکل جائیں جیسا کہ فی الحقیقت
"دوسرے لوگوں نے کیا تھا، یا اطاعت قبول کریں، اور بُت پرستی ترک کرکے اسرائیل
"کے خدا کی عبادت کریں - احکام مندرجہ استثنا باب بستم درس ۱۰ الغایت ۱۷ کے ساتھ
"مقابلہ کرو"[۱]

"یہ فعل درحقیقت جبراً اور بزور شمشیر دین قبول کرانا تھا"

۱۲۴ - قرآن مجید میں صرف ایک ہی مثال ہے جس میں آنحضرت (صلعم) کے دفاعی جنگ کی بابت یہودیوں کی تاریخ سے ایک تمثیل پیش کی گئی ہے - وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر حضرت شموئیل[۲] سے درخواست کی ہے، کہ آپ ہمارے لئے ایک پادشاہ تجویز کریں جو

یہودیوں کی تاریخ سے ایک مثال -

---

[۱] دیکھو "کتاب مقدس کی تنقیدی مطالعہ اور علم کی تمہید" از ٹامس ہارٹ ویل ہورن ایم - اے جلد دوم صفحہ ۵۲۴ مطبوعہ لندن ۱۸۲۸ء -

[۲] ابن اثیر جلد اول صفحہ ۱۵۱ تا ۱۵۴ - بیضاوی جلد اول صفحہ ۲۷ تا ۱۳۰ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۸ء - البقرہ ۲ - آیت ۲۴۷ کے ذیل میں ملاحظہ کرو -

اہل فلسطین کے مقابلہ میں ہمارے لئے دفاعی جنگ کرے، کیونکہ انہوں نے بنی اسرائیل پر بہت زیادہ ظلم کئے تھے- شاول (طالوت) بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر کیا گیا اور حضرت داؤد نے گولایتھ کو جس کو قرآن مجید میں جالوت کہا گیا ہے قتل[1] کیا، اور یہ جنگ بنی اسرائیل کی مدافعت میں کی گئی تھی- میں نے اس کتاب کے نفرہ ۷، ا میں قرآن مجید کی اُن آیتوں کو نقل کر دیا ہے، جو اس مضمون سے متعلق ہیں، (یعنی سورۂ بقرہ ۲- آیت ۲۴۷- اور آیت ۲۵۷) اور اب بھی ایک آیت نقل کی جاتی ہے :-

۲۴۷- اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰىۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْاؕ قَالُوْا وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ قَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَ اَبْنَآىٕنَا . . .
(البقرہ ۲- آیت ۲۴۷)-

۲۴۷" (اے پیغمبر) کیا تم نے بنی اسرائیل کے سرداروں (کے حال) پر نظر نہیں کی جبکہ انہوں نے موسےٰؑ کے بعد اپنے پیغمبر (شموئیل) سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کیجئے کہ ہم راہ خدا میں لڑیں، پیغمبر نے کہا، اگر قتال تم پر فرض کیا جائے تو تم سے کچھ بعید نہیں کہ تم نہ لڑو، انہوں نے کہا کہ ہم اپنے گھروں اور اپنے بال بچوں سے تو نکالے جا چکے- اب ہمیں کیا ہوا جو ہم خدا کی راہ میں نہ لڑیں- . . . .
(البقرہ ۲- آیت ۲۴۷)-

اس سے ظاہر ہے کہ قرآن یا آنحضرت ؐ نے یہودیوں کی تاریخ سے جو مثال پیش کی تھی وہ محض اُن کی دفاعی جنگ تھی-

حضرت موسیٰؑ کے احکام متعلق جنگ

۱۲۵- یہ بات نہایت غیر منصفانہ ہے کہ مسیحی لوگ (مؤرخ) آنحضرت ؐ کے غزوات کی بابت بہت کچھ مبالغہ کرتے ہیں،

[1] بیضاوی جلد اول صفحہ ۱۲۷ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۸ء-

جن کی حیثیت **محض دفاعی** تھی اور حضرت موسی ؑ۔حضرت یوشع ؑ اور دیگر معزز اور مقتدر اشخاص کی نہایت ہی بیرحمانہ جنگوں کی بابت جو خداء تعالیٰ کے خاص حکم کے بموجب **حصول فتح** اور **استیصال کفّار** کی غرض سے عمل میں لائی گئی تھیں، حیلے تراشتے اور ان کی حمایت کرتے ہیں (دیکھو گنتی (الاعداد) ورس ۳۱ اور استثنا ورس ۲۱ وغیرہ) مگر جو کچھ **مسٹر ویری** کہتے ہیں اُس پر بھی غور کرو، صاحب موصوف قرآن مجید کی سورۂ دوم (البقرہ ۲) کی آیت ۱۸۷ کی تشریح میں حسب ذیل تحریر کرتے ہیں:۔

"(آیت ۱۸۷) واقتلوھم ..... اس قسم کی آیتوں کی بابت بعض حامیانِ دینِ
"مسیحی نے پیغمبر عرب ؐ کی بیرحمانہ خصلت ظاہر کرنے کے لئے بہت کچھ مبالغہ کیا ہے اور
"ان سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آنحضرت ؐ (معاذ اللہ) ایک دغاباز اور آپ کا قرآن
"(معاذ اللہ) ایک فریب تھا۔ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ محمد (صلعم) بیرحم
"تھے، (محض لغو ہے) مگر ہمارے نزدیک اس قسم کا حملہ (اعتراض) اگر اس کی نسبت
"کم سے کم رائے ظاہر کی جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ نہایت ہی ناقابل اطمینان ہے
"کیونکہ وہی حملہ (اعتراض) پلٹ کر عہد عتیق کی کُتب مقدسہ پر عائد ہو سکتا ہے اگر محمد (صلعم)
"کا یہ دعویٰ تسلیم کر لیا جائے کہ آپ کو خدا کی طرف سے بُت پرستی کے استیصال کا حکم دیا
"گیا تھا، کہ جو بُت پرست اپنے گناہوں پر پشیمان نہ ہوں اُن کو قتل کیا جائے تو اُسکے تسلیم
"کر لینے کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ آنحضرت (صلعم) کے طریق عمل پر کوئی اعتراض قائم نہیں ہو
"سکتا۔امر تنقیح طلب یہ ہے کہ آیا خدا نے آنحضرت ؐ کو بت پرستوں کے قتل کا ایسا ہی حکم
"دیا تھا جیسا اُس نے بنی کنعان اور عمالقہ کے قلع و قمع کا حکم دیا تھا، مسلمانوں کی اس حیثیت
"کو تسلیم کر لینے کے بعد کہ خدا نے آنحضرت ؐ اور آپ کے اصحاب کو ضرور ایسا حکم دیا تھا،
"اس امر میں آنحضرت ؐ کے اخلاق کی حمایت بالکل اسی بنیاد پر کی جا سکتی ہے جس بنیاد پر

"مسیحی حضرت موسیٰ ؑ اور حضرت یوشع ؑ کے اخلاق کی حمایت کرتے ہیں[1]۔"

پادری ٹی پی ہیوز کا قول۔

۱۲۶۔ پادری ٹی پی۔ ہیوز اپنی کتاب میں جس کا نام ہے، (نوٹس اون محمڈنزم) حسب ذیل لکھتے ہیں :۔

"جہاد (جس کے لفظی معنی کوشش کے ہیں) کفار کے خلاف ایک مذہبی جنگ ہے جس "کی تاکید محمد صلعم نے قرآن میں کی ہے۔

"سورۂ چہارم (النساء ۴۔ آیت ۹۷) میں لکھا ہے۔

"فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	"پس تم (اے پیغمبر!) راہ خدا میں لڑو"
"فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاہِدِیْنَ	"اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو فضیلت دی ہے"
"(النساء ۴۔ آیت ۹۷)	(مسٹر ہیوز نے "لڑنے والوں" ترجمہ کیا ہے)

"سورۂ چہل و ہفتم (محمد ۴۷) میں یہ لکھا ہے :۔

"وَالَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	"اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے، اُن کے اعمال کو خدا
"فَلَنْ یُّضِلَّ اَعْمَالَہُمْ۔	"ہرگز ضائع نہیں ہونے دے گا۔" (محمد ۴۷۔ آیت ۵)
"(محمد ۴۷۔ آیت ۵)	(مسٹر ہیوز نے یہ غلط ترجمہ کیا ہے کہ جو لوگ دین حق کی حمایت میں لڑتے ہیں[2])

پہلی آیت جو مسٹر ہیوز نے نقل کی ہے جنگ دفاعی سے تعلق رکھتی ہے۔ خود اسی آیت میں صاف اور صریح بیان موجود ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس کا تعلق دفاعی جنگ سے ہے، مگر شاید مسٹر ہیوز اس پر مائل نہیں ہوئے کہ اُس آیت کو پورا پورا نقل کیا جائے۔ صاحب موصوف آدھا جملہ نقل کرتے ہیں اور اُسی آیت کے دیگر الفاظ و کلمات سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ یہ آیت فقرہ ۷ا میں نقل ہو چکی ہے۔ اُس کے الفاظ حسب ذیل ہیں :۔

---

[1] دیکھو تفسیر قرآن از ریورنڈ ویری صفحہ ۳۵۸۔

[2] کتاب "نوٹس اون محمڈنزم" یعنی اسلام کے مذہبی نظام کے حالات از پادری ٹی۔ پی۔ ہیوز۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ سی۔ ایم۔ ایس مشنری افغانان صفحہ ۲۰۶ طبع دوم ۱۸۷۷ء۔

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا تُکَلَّفُ اِلَّا نَفْسَکَ وَ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّکُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ اللّٰہُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْکِیْلًا ۝ (النساء ۴ - آیت ۸۶)۔	"پس (اے پیغمبر!) تم راہ خدا میں لڑو، تم پر اپنے نفس کے سوا اور کسی کی ذمہ داری نہیں ہے، اور مسلمانوں کو ترغیب دلاؤ، اُمید ہے کہ اللہ تعالےٰ کافروں کے زور کو روک دے اور اللہ کا زور سب سے زیادہ قوی اور اُس کی سزا سب سے زیادہ سخت ہے" (النساء ۴ - آیت ۸۶)۔

اہل مکہ اور اُن کے مددگاروں کا مسلمانوں کو سخت ایذائیں دینا، اُن کو شکنجۂ عقوبت میں مبتلا کرنا، اُن پر شدید حملے کرنا، اِن تمام باتوں کی طرف لفظ "**بأس**" اشارہ کرتا ہے، جو اصل آیت میں موجود ہے، اور جس کا ترجمہ، زور، شدت، سختی وغیرہ الفاظ سے کیا جاتا ہے، یہ لفظ آیہ سابقہ یعنی آیت ۷۷ میں آیا ہے، اور اس سے ثابت ہے کہ جس جنگ کا یہاں حکم دیا گیا ہے وہ دشمنوں کے حملوں کو روکنے اور قوت کو قوت سے دفع کرنے کے لئے تھی۔

پادری ٹی۔ پی۔ ہیوز کی یہ بات نہایت غیر منصفانہ ہے کہ صاحب موصوف نے ایک آیت کے نصف جملے کو توڑ مروڑ کر یا اُس کے سیاق وسباق سے قطع نظر کر کے اپنے ایک خاص مدعا کو ثابت کرنے کے لئے پیش کیا ہے۔

لفظ "جہاد" کا مفہوم

۱۲۷۔ دوسری آیت جو مصنف موصوف نے نقل کی ہے۔ وہ محض غلط ترجمہ ہے اصل عربی میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں جس کا ترجمہ "لڑائی" یا جنگ کیا جا سکے، اس آیت کا صحیح ترجمہ جو سورۂ نساء ۴ کی آیت ۹۷ سے نقل کیا گیا ہے۔ حسب ذیل ہے:۔

وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی وَ فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجٰہِدِیْنَ	"اور خدا کا وعدۂ نیک سب ہی سے ہے اور اللہ تعالےٰ نے ثواب عظیم کے اعتبار سے جہاد

عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (النساء ۴ - آیت ۹۷)۔	(سعی (کرنیوالوں کو (گھر میں) بیٹھ رہنے والوں پر فوقیت دی ہے" (النساء ۴- آیت ۹۷)۔

جس لفظ کا ترجمہ "سعی کرنے والا" کیا گیا ہے وہ دراصل لفظ "مجاہد" ہے (جس کی جمع مجاہدین ہے۔ اور یہ لفظ جہاد سے مشتق ہے)، اس کا مفہوم قدیم عربی زبان اور تمام قرآن مجید میں یہ ہے، "حتے المقدور کوشش کرنا"۔ "سعی کرنا"۔ "جانفشانی کرنا۔ کسی کام میں محنت، تندہی، جوش، سرگرمی، شوق یا ہمت سے مصروف ہونا"[1] اس لفظ کے معنے جنگ یا لڑنا نہیں ہیں۔ بعد کو اس کے معنے مذہبی لڑائی قرار پائے مگر قرآن مجید میں یہ لفظ کبھی اس معنے میں مستعمل نہیں ہوا۔

۱۲۸۔ تیسری مثال جو مسٹر ہیوز نے نقل کی ہے، وہ بھی سورۂ چہل و ہفتم (محمد، ۴۷) آیت ۵ کے ایک جملہ کا غلط ترجمہ ہے، اصل عربی لفظ "قُتِلُوْا" ہے جس کے معنے ہیں، "وہ لوگ جو قتل کئے جائیں" نہ کہ "وہ لوگ جو لڑیں" جیسا کہ مصنّف نے غلط تشریح اور غلط تعبیر کی ہے۔ اس جملہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے:۔"اور وہ لوگ جو قتل کئے جائیں۔ اُن کے اجر کو خدا ضائع نہ ہونے دے گا"۔

سورۂ چہل و ہفتم (محمد، ۴۷) آیت ۵ پر بحث

بعض نے اس لفظ کو قَاتَلُوْا پڑھا ہے جس کے معنے ہیں "وہ لوگ جنہوں نے قتال کیا"۔ لیکن عام، معتبر اور مسلّم لفظ "قُتِلُوْا" ہی ہے۔ یعنی "وہ لوگ جو قتل کئے جاتے ہیں" اگر یہ بات مان لی جائے کہ پہلا ہی لفظ صحیح ہے، تو بھی اُس کی تشریح دوسری متعدد آیتوں کو مدّ نظر رکھ کر کی جائے گی، جن کا مفہوم **جنگ دفاعی** ہے نہ کہ حملہ کی لڑائی، صرف یہی نہیں، کہ قرآن مجید میں حملہ کرنے کی تعلیم نہیں دی گئی بلکہ ہمیشہ اُس کی ممانعت کی گئی ہے، (دیکھو البقرہ ۲- آیت ۱۸۶) وہ آیت حسب ذیل ہے:۔

[1] یہ تمام تفصیل تاج العروس جلد دوم صفحہ ۳۲۹ مطبوعہ مصر لغت جہد کے ذیل میں اور لسان العرب جلد ۴ صفحہ ۱۰۷ مطبوعہ مصر۔ اور مغرب لغت فقہ

۱۸۶- وَقَاتِلُوا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ٥ (البقرۃ ۲- آیت ۱۸۶)-

۱۸۶- "اور جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کی راہ میں اُن سے لڑو اور زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔ (البقرۃ ۲- آیت ۱۸۶)-

اس آیت کی رو سے صرف **جنگ دفاعی** کی اجازت اور ہر قسم کے حملہ کی ممانعت تھی- دیگر آیات، جو مسلمانوں کے لڑنے کے متعلق ذکر کی گئی ہیں اُن سب کی تعبیر اس آیت کے مطابق ہونی لازم ہے+

۱۲۹- پادری **ملکم میکال** حسب ذیل لکھتے ہیں:-

ریورنڈ مسٹر ملکم میکال کا قول-

"قرآن دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے- دار الاسلام، یعنی اسلام کا ملک "اور دار الحرب، یعنی دشمن کا ملک- پس جو لوگ مسلمان نہیں ہیں وہ سب "اسلام کے مخالف ہیں- لہذا سچے مسلمانوں کا فرض ہے کہ کفّار کے خلاف جنگ کریں، یہاں تک کہ وہ "یا تو اسلام قبول کریں یا قتل ہو جائیں- اس کو جہاد یا جنگ مقدّس کہتے ہیں جس کا خاتمہ صرف "اُس صورت میں ہو سکتا ہے کہ یا تو دُنیا کے کفّار سب کے سب اسلام قبول کر لیں، یا اُن کا ایک "ایک آدمی مارا جائے- پس خلیفۂ اسلام کا مقدّس فرض یہ ہے کہ جب موقع پیش آئے، غیر مسلم دُنیا "پر جہاد کیا جائے مگر دار الحرب یعنی غیر مُسلم دنیا کے پھر دو حصے کئے گئے ہیں- یعنے بُت پرست اور اہل "کتاب، اہل کتاب سے وہ لوگ مراد ہیں، جن کے پاس الہام الٰہی کے مقدّس نوشتے موجود ہیں، یعنے "یہود و نصاریٰ اور سامرہ[۱]- دار الحرب کے تمام باشندے کافر اور اسی لئے نجات کے دائرے سے "خارج ہیں، مگر اہل کتاب کو اس دنیا میں خاص حقوق دئے گئے ہیں، اگر وہ اسلام کی مقررہ کی ہوئی

[۱] سامرہ کی تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو بیضاوی جلد اول صفحہ ۶۰۳، سورہ طٰہٰ ۲۰- آیت ۸۷ کے ذیل میں یا تاج العروس جلد سوم صفحہ ۲۷۹ لغت سَمَرَ- تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۹۱- سامرہ وہ لوگ ہیں جن میں سے ایک شخص نے حضرت موسےٰ ؑ کے عہد میں گوسالہ بنایا تھا- گوسالہ بنانے والے کا نام تو قرآن مجید میں موجود نہیں ہے مگر تفسیر کی کتابوں میں اس کا نام موسےٰ بن ظفر لکھا ہے- (عبد اللہ خاں)

"شرطوں کو قبول کریں۔ دیگر کفّار کو اپنے لئے ان دو باتوں میں سے ایک بات یعنے اسلام یا تلوار[1]
"کا پسند کرنا ضروری تھا، اہل کتاب کو ایک تیسری بات کے مان لینے کی بھی اجازت تھی، یعنے اطاعت
"قبول کرکے جزیہ ادا کریں۔ لیکن اگر وہ اطاعت قبول کرنے سے انکار کریں اور سچّے مومنوں کے
"مقابلے میں جنگ کرنے کی جرأت کریں، تو پھر فوراً ان کی حالت بھی دار الحرب کے دیگر کفار کی مانند
"ہوجاتی ہے، اور اُن کو یا تو سرسری طور پر قتل کیا جاسکتا ہے، یا غلاموں کے طور پر فروخت کیا جاسکتا ہے۔"[1]

میں نہایت افسوس کرتا ہوں۔ کہ پادری صاحب موصوف نے قرآن مجید کی بابت جو دعوے کئے ہیں سراسر غلط ہیں۔ قرآن مجید میں نہ تو دنیا کی ایسی تقسیم ہے اور نہ کہیں اُس میں دار الاسلام اور دار الحرب جیسے الفاظ کسی جگہ پائے جاتے ہیں۔ سچّے مومنوں کے لئے قرآن مجید میں اس مضمون کا کوئی حکم نہیں ہے کہ کفار کے ساتھ اُس وقت تک جنگ کی جائے جب تک وہ اسلام کو قبول نہ کریں اور اسلام کے قبول نہ کرنے کی صورت میں اُن کو قتل کیا جائے۔ الفاظ "دار الاسلام" اور "دار الحرب" مسلمانوں کے عام قانون (فقہ) میں پائے جاتے ہیں اور وہ صرف عملداری یا حکومت کی بحث میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ کوئی مسلمان عامل کسی فوجداری مقدمہ میں ایک ایسے مجرم کو سزا نہیں دے گا۔ جس نے غیر ملک میں جُرم کا ارتکاب کیا ہو۔ یہی صورت دیوانی عدالتوں میں ہے۔[2] یہ ضرور نہیں کہ دار الحرب کے تمام باشندے غیر مُسلم ہی ہوں۔ جو مسلمان غیر ملک کے بادشاہ سے

[1] دیکھو رسالہ نائن ٹینتھ سینچری (اُنیسویں صدی) لندن بابت دسمبر ۱۸۷۷ء صفحہ ۸۳۲۔

[2] اس مضمون پر میری اُس کتاب میں جس کا عنوان ہے "مجوزہ ملکی قانونی اور تمدّنی اصلاحات اسلامی حکومتوں میں" پوری بحث کی گئی ہے، دیکھو کتاب مذکور کے صفحات ۲۲ لغایت ۲۵۔ انگریزی مطبوعہ ایجوکیشن سوسائٹی پریس ۱۸۸۳ء یا ترجمہ اُردو صفحات ۶۰ تا ۶۲ فقرۂ ۱۸ مطبوعہ مفید عام آگرہ سنہ ۱۹۱۰ء۔ (چراغ علی)

اس کتاب کا جس کی طرف مرحوم مصنف نے اشارہ کیا ہے اُردو زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے اور دو حصوں میں شائع ہوا ہے۔ اور اس کا نام "اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام" ہے۔ (عبداللہ خاں)

عارضی یا مستقل طور سے اُس کے مُلک میں سکونت کی اجازت حاصل کرلیں، وہ دارالحرب کے باشندے ہو سکتے ہیں۔ یعنے وہ مُلک جو مسلمانوں کی عملداری سے باہر ہے یا جو مسلمانوں سے برسرِ جنگ ہو۔

۱۳۰۔ صرف عام قانون یعنے فقہ کے جنگی اور سیاسی ابواب میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے

عام قانون (فقہ مروّجہ) کی ناقابل قبول رائے۔

جو غیر مسلموں سے بلا اشتعال طبع جنگ کرنے، اور اہل کتاب اور دیگر بُت پرستوں سے بجز اہل عرب کے جزیہ لینے کی اجازت دیتا ہے، کیونکہ فقہ حنفی کے بموجب مشرکین عرب کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یا تو اسلام لائیں یا تلوار سے قتل کئے جائیں۔ ہمارے فُقہا اپنے خیال کی تائید میں مسلمانوں کے **الہامی قانون** اور **احادیث پیغمبرؐ** سے یا بالفاظ دیگر **کتاب** اور **سُنّت** سے اپنی رائے کی تائید میں اقتباسات پیش کرتے ہیں، خواہ اُن کا طرز استدلال اور اُن کی بحث کے نتائج کیسے ہی لغو اور ناقابلِ قبول ہوں۔ وہ غیر مسلموں سے جنگ کرنے اور اُن سے جزیہ لینے کے خیال کی تائید میں قرآن مجید کی **نویں سورۃ** اور دیگر سورتیں پیش کرتے ہیں۔ یہ آیتیں کتاب ہٰذا میں کسی دوسرے موقع پر نقل کی گئی ہیں اور اُن کی تشریح کی جا چکی ہے۔ قرآن مجید سے یہ جنگی اصول استنباط کرنا فُقہا کا منطقی مغالطہ اور بالکل کمزور دلیل ہے۔ یہ آیتیں صرف اُن لڑائیوں سے علاقہ رکھتی ہیں جو پیغمبر اسلام (صلعم) اور آپ کے اصحاب نے محض اپنے **دفاع** کے لئے کی تھیں۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں بلا اشتعالِ طبع جنگ کرنے اور جزیہ لینے سے ان آیتوں کا کوئی تعلّق نہ تھا، اور نہ وہ آیندہ جنگی فتوحات کے لئے دستور العمل قرار دی جا سکتی تھیں، ان لڑائیوں کا فعل صرف عارضی اور اُن کی حیثیت محض دفاعی تھی۔ مسلمانوں کا **عام قانون** یعنے **فقہ ہرگز خدائی قانون** یا **ما فوق البشریّت** نہیں ہے۔ وہ زیادہ تر غیر یقینی روایات اہلِ عرب کے

اوضاع و اطوار اور رسم و رواج بعض خفیف قیاسی نتائج جو قرآن مجید سے اتفاقاً نکل آئے ہیں، اور فقہا کے کثیر التعداد سوفسطائی دلائل پر مشتمل ہے۔ جب یہ قانون مدوّن ہوا ہے یعنے چوتھی صدی ہجری میں اُس وقت سے کسی اسلامی ملک کے روشن خیال مسلمانوں نے کسی زمانہ میں بھی اُس کو متقدّس یا ناقابل تغیّر ہر گز خیال نہیں کیا۔ جملہ مجتہدین اور اہل حدیث اور دیگر غیر مقلدین ائمہ اربعہ کی مذہبی فقہ یا عام قانون کا کوئی لحاظ نہیں کرتے تھے۔

۱۳۱۔ سورۂ چہل و ہشتم (فتح ۴۸) کی آیت ۱۶ کو فقہا نے اپنے مسئلہ جہاد کی تائید میں عام طور پر تو نقل نہیں کیا، مگر شاذ و نادر ہی کسی شخص نے نقل کیا ہے۔ یہ آیت بصورت امر یا حکم نہیں ہے، بلکہ وہ ایک پیشین گوئی کی شان رکھتی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:-

سورۂ چہل و ہشتم (فتح ۴۸) آیت ۱۶۔ اور سورۂ چہل و ہفتم (محمد ۴۷) آیات ۴ و ۵ پر بحث

۱۶۔ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۝ (فتح ۴۸ - آیت ۱۶)	۱۶" (اے پیغمبر!) اُن اعراب (دیہاتی لوگوں) سے جو (سفر حدیبیہ سے) پیچھے رہ گئے ہیں کہو کہ عنقریب تم بڑے لڑنے والوں (اہل فارس و روم) سے مقابلہ کے لئے بلائے جاؤ گے، کہ تم اُن سے لڑو گے یا وہ اطاعت قبول کریں گے[ل] (فتح ۴۸ - آیت ۱۶)۔

[ل] سر ولیم میور اور قرآن مجید کے دیگر یوروپین مترجم اس لفظ (يُسْلِمُوْنَ) کا یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ "وہ اسلام قبول کریں گے"۔ (دیکھو سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۳۹ کا فٹ نوٹ)۔ اس لفظ کا ترجمہ یہ ہونا چاہیئے کہ "وہ اطاعت قبول کرینگے"۔ اس لفظ میں فقہا اور مفسّرین کے درمیان اختلاف رائے ہے، بعض اشخاص لفظ "یسلمون" کا یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ "وہ اسلام قبول کرینگے" اور بعض یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ "وہ اطاعت قبول کرینگے"۔ ایک ہی لفظ کی تعبیر میں ایسا اختلاف صرف فرقہ بندی کی طبیعت کا نتیجہ ہے ہر ایک فریق اپنا مطلب نکالنا چاہتا ہے۔ جن فقہا کی یہ رائے تھی کہ مشرکوں یا اور بت پرستوں سے یا تو جنگ کی جائے، اور یا وہ لوگ جزیہ ادا کر کے اسلامی حکومت کے مطیع ہو جائیں، انہوں نے تو اس لفظ کے اصلی معنے "اطاعت" لئے ہیں۔ جن لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اہل کتاب کو صرف باجگزار بنانا چاہیئے، اور دیگر تمام بت پرستوں اور مشرکوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ یا تو قتل ہوں یا اسلام لائیں، وہ اس لفظ کے اصطلاحی معنے لیتے ہیں "اسلام قبول کرنا" مگر چونکہ اس آیت میں شرعی حکم نہیں ہے اس لئے ہم فقہا کی سوفسطائی بحث کو تسلیم نہیں کر سکتے۔

سورۂ چہل و ہفتم (محمد ۴۷) کی آیت ۴ و ۵- اس مضمون کی دیگر آیتوں کی مانند دفاعی جنگ سے تعلق رکھتی ہے، اور کسی شخص نے حملہ کی لڑائی کی تایید میں ان آیتوں کو کبھی پیش نہیں کیا- یہ آیتیں پہلے فقرۂ ۷،۶ میں نقل کی جا چکی ہیں، آیندہ غلامی کی موقوفی جس کا حکم پانچویں آیت میں ہے اس پر جُدا گانہ ضمیمہ میں بحث کی گئی ہے- عرب مثل اُن دیگر وحشی قوموں کے جو اُن کے گرد و پیش تھیں جنگ کے قیدیوں کو یا تو قتل کر دیتے تھے یا اُن کو غلام بنا لیتے تھے، مگر قرآن مجید کے اس حکم نے ان دونو بیرحمی کے دستوروں کو موقوف کر دیا- اس کے بعد قیدیوں کو نہ تو قتل کیا جا سکتا تھا- اور نہ غلام بنایا جا سکتا تھا- بلکہ اُن کو فدیہ لے کر یا بلا ادائے فدیہ آزاد کر دینا ضروری تھا +

تمّت بالخیر

ضمیمۂ اوّل

قرآن میں لفظ جہاد کس معنی میں آیا ہے، اور جنگ و جدل اُس کا غلط مفہوم سمجھا گیا ہے۔

لفظ جہاد یا جہد کے معنے جنگ اور کروسیڈ کے نہیں ہیں۔

۱۔ مشہور لفظ "جہاد یا جہد" جو قرآن کی متعدّد آیات میں آیا ہے، اور جس کے معنی عیسائی اور مسلمان دونوں نے کفار کے ساتھ خصومت یا جنگ و جدل کے لئے ہیں، نہ تو اُس کے معنے قدیم عربی زبان میں، نہ علمائے ادب کے نزدیک، لڑائی، قتال، خصومت یا جنگ کے ہیں، اور نہ قرآن میں کبھی اس مفہوم پر اس کا اطلاق ہوا ہے۔ عربی زبان میں جنگ و پیکار کے لئے الفاظ حَرْب و قتال استعمال کئے جاتے ہیں۔

جہاد وغیرہ کے معنے قدیم عربی زبان میں

۲۔ لفظ "جہد یا جاہد" کے معنے ہیں، ایک شخص نے کوشش یا محنت کی، یا اپنا زور اور کوشش و لیاقت خرچ کی، جفاکشی کی، یا غیر معمولی مشقّت اُٹھائی۔[1] مثلاً "جَاھَدَ فِی الْاَمْرِ" کے معنے ہیں، اُس نے خوب کوشش سے کام کیا، اور اپنی لیاقت و طاقت سے پورا کام لیا[2]۔ "جہاداً" حاصل مصدر ہے یعنے مشقّت، محنت، تکلیف، ماندگی، تھکان[3]۔

---

[1] ماخوذ از صحاح جوہری (متوفی ۳۹۷ھ یا ۳۹۸ھ) اساس البلاغہ زمخشری (متولد ۴۶۷ھ متوفی ۵۳۸ھ) لسان العرب لابن مکرم (متولد ۶۳۰ھ متوفی ۷۱۱ھ) قاموس للفیروزآبادی (متولد ۷۲۹ھ متوفی ۸۱۸ھ) مد القاموس مصنفہ مسٹر لین کتاب اول حصہ دوم۔ صفحہ ۴۷۳۔ [2] مصباح فیومی تصنیف ۷۳۴ھ۔
[3] ماخوذ از صحاح اساس لابن الاثیر جزری مصنّف نہایہ (متوفی ۶۰۶ھ) مغرب للمطرزی (متولد ۵۳۶ھ متوفی ۶۱۰ھ) مصباح و قاموس۔ دیکھو مد القاموس مصنفہ لین کتاب اول۔ حصّہ دوم صفحہ ۴۷۴۔

جوہری، جو اہل لغت میں ایک بڑا نامور شخص ہے، اور جس کی کتاب میں قدیم عربی زبان کے معنے اور مفہوم بھی بیان کئے گئے ہیں، اپنی صحاح میں لکھتا ہے کہ:۔

"جَاهَدَ فی سبیل اللّٰہ مجاھدۃ وجھادًا" اور نیز" اجتھد اور تجاھد" کے معنے ہیں اُس نے زور لگایا اور جفاکشی کی۔

فیومی مصنّف مصباح المنیر، جس میں اُس نے قدیم عربی معنے اور محاورات کے الفاظ بکثرت درج کئے ہیں، لکھتا ہے:۔

"جاھد فی سبیل اللّٰہ جھادًا اور اجتھد فی الامر" کے معنے ہیں اُس نے اللہ کے کام میں اپنی طاقت اور کوشش سے پورا پورا کام لیا۔

۳- اور یہ جو "جہاد" کے معنے دشمن سے لڑنے کے ہوگئے ہیں یہ صرف متاخرین نے لئے ہیں، اور اصطلاحی معنے کہلاتے ہیں مسٹر لین لکھتے ہیں:۔

لفظ جہاد کے آخری یا اصطلاحی معنے

"جَھَدَ کے یہ معنے کہ اس نے لڑائی کی، یا جنگ کی، اور کفار سے قتال وغیرہ کیا، مسلمانوں
"نے لئے ہیں۔ مصنّف قاموس کی طرح یہ معنے وہی اہل لغت لیتے ہیں جو عربی الفاظ کے قدیم
"معنے لینے کے پابند نہیں رہے ہیں"۔

مسٹر لین، جو مد القاموس کے مشہور مصنّف ہیں، اور جنہوں نے عربی انگریزی لغت کی کتاب لکھی ہے، صاف صاف لکھتے ہیں کہ:۔

"جہاد" سے لڑائی لڑنے کا مفہوم لینا صرف اسلام کے زمانہ کا تراشا ہوا ہے، قدیم
"عربی زبان میں اُس کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ ہم آئندہ چل کر ثابت کریں گے کہ مسلمان
"جو جہاد کے معنے لڑائی لڑنے کے لیتے ہیں وہ قرآن کے نازل ہونے کے بعد اس کے
"مفہوم میں داخل کئے گئے ہیں اور جس طرح اس کا استعمال قرآن میں ہوا ہے وہ اُس
"کے قدیم محاورے اور اُس کے وضعی و اصلی معنے میں ہوا ہے"۔

۴- وہ عربی زبان جو قدیم کہلاتی ہے، یا جو لغت کے نام سے تعبیر کی جاتی ہے- اور جو عرب کے قدیم اور صحیح معنی و مفہوم کے معلوم کرنے کا ذریعہ ہے وہ وہ زبان ہے جو جزیرہ نمائے عرب میں بعثت نبی آخر الزمان سے قبل بولی جاتی تھی- رسول اکرم کی وفات کے بعد عربی میں بہت جلد غیر زبانوں کے الفاظ شامل ہو گئے- اس کی وجہ مسلمانوں کی وہ عظیم الشان فتوحات تھیں جو اُس زمانہ میں اُنہیں حاصل ہوئی تھیں-

قدیم عربی زبان اور عربی شعرا

قدیم شعرا وہ ہیں جو بڑی بڑی فتوحات کے قبل مر گئے تھے- یہی لوگ عربی محاورات اور الفاظ کے ٹھیک ٹھیک معنے کے لئے حجت مانے جاتے ہیں- یہ شعرائے جاہلی کہلاتے ہیں یعنی شعرائی زمانہ جاہلیت- ان قدیم شعرا کے بعد جو شاعر ہوئے اُنہیں مُخَضرَم اور اسلامی شعرا کہتے ہیں مُخَضرَم وہ شاعر ہے جس کی عمر کا کچھ حصّہ رسول اللہؐ سے پہلے اور کچھ بعد گزرا، اور جو آپ کے حین حیات دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہوا ہو- اسلامی شعرا وہ مسلمان شعرا ہیں جو پہلی اور دوسری صدی ہجری میں گزرے ہیں- اور مُوَلّد ایک چوتھے طبقہ کے شعرا ہیں جنہوں نے اسلامی شعرا کی تقلید کی ہے- سب سے پہلے وہ شعرا قدیم ہیں جو ولادت باسعادت رسول اکرمؐ سے صرف کوئی ایک صدی پیشتر ہوئے ہیں، اور اُن سے دوسرے درجہ پر وہ ہیں جو آپ سے ایک صدی بعد تک زندہ رہے ہیں- اسلامی شعرا کا زمانہ پہلی دو صدیاں ہیں، یعنی یہ لوگ عربی زبان کی ابتدائی خرابی کے زمانہ میں تھے، مگر اُن کے عہد میں اس خرابی کو پوری وسعت نہیں ہوئی تھی-

مولد شعرا کا زمانہ وہ ہے جب کہ زبان عرب بخوبی خراب ہو چکی تھی، یہ زمانہ دوسری صدی ہجری کی ابتدا یا وسط سے شمار کیا جاتا ہے-

۵- لفظ "جہد و جہاد" اور اُن کے پندرہ[15] مشتقات قرآن شریف کی آیات

جہاد اور جہد کی تعریف اور گردان۔

ذیل میں واقع ہوئے ہیں :۔

۱- جَاهَدَ، العنکبوت ۲۹، آیت ۵-التوبہ ۹، آیت ۱۹-

۲- جَاهَدَاكَ، لقمٰن ۳۱، -آیت ۱۴- العنکبوت ۲۹، -آیت ۷-

۳-جَاهَدُوْا، البقرہ ۲، -آیت ۲۱۷- الانفال ۸، آیت ۷۳ و ۷۵ و ۷۶-التوبہ ۹، آیت ۱۶ و ۲۰ و ۸۹- الحجرات ۴۹، آیت ۱۵-آل عمران ۳، آیت ۱۴۱-النحل ۱۶، آیت ۱۱۱- العنکبوت ۲۹، آیت ۶۹-

۴- یُجَاهِدُ، العنکبوت ۲۹- آیت ۵-

۵- یُجَاهِدُوْنَ، المائدہ ۵- آیت ۵۹-

۶- یُجَاهِدُوْا، التوبہ ۹، آیت ۴۴ و ۸۲-

۷- تُجَاهِدُوْنَ، الصّف ۶۱- آیت ۱۱-

۸- جِهَاد، الفرقان ۲۵، آیت ۵۴-الحج ۲۲، آیت ۷۷- التوبہ ۹، آیت ۲۴- الممتحنہ ۶۰، آیت ۱-

۹- جُهْد، المائدہ ۵، آیت ۵۸- الانعام ۶، آیت ۱۰۹- النحل ۱۶، آیت ۴۰- النور ۲۴، آیت ۵۲- الفاطر ۳۵، آیت ۴۰-

۱۰- جُهْد، التوبہ ۹، آیت ۸۰-

۱۱-جَاهِدْ، التوبہ ۹، آیت ۷۴- التحریم ۶۶، آیت ۹-

۱۲-جَاهِدْهُم، الفرقان ۲۵، آیت ۵۴-

۱۳- مُجَاهِدِیْنَ، النساء ۴، آیت ۹۷- محمد ۴۷، آیت ۲۳- الحج ۲۲، آیت ۷۷-

۱۴- مُجَاهِدُوْنَ، النساء ۴، آیت ۹۷-

۱۵- جَاهِدُوْا، المائدہ ۵، آیت ۳۹- التوبہ ۹، آیت ۴۱ و ۸۷-

۱۶-قرآن شریف کی کل چھتیس ۳۶ آیتوں میں الفاظ مذکورہ بالا وارد ہوئے

ان سورتوں اور آیتوں کے نام واعداد جن میں یہ الفاظ آئے ہیں

ہیں، وہ سُورتیں اور آیتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔
البقرہ ۲، آیت ۲۱۵۔ آل عمران ۳، آیت ۱۳۶۔ النساء ۴، آیت ۹۷۔ المائدہ ۵، آیت ۳۹ و ۵۸ و ۵۹۔ الانعام ۶، آیت ۱۰۹۔ الانفال ۸، آیت ۷۳ و ۷۵ و ۷۶۔ التوبہ ۹، آیت ۱۶ و ۱۹ و ۲۰ و ۲۴ و ۴۱ و ۴۴ و ۴۷ و ۸۰ و ۸۲ و ۸۷ و ۸۹۔ النحل ۱۶، آیت ۴۰ و ۱۱۱۔ الحج ۲۲، آیت ۷۷۔ النور ۲۴، آیت ۵۲۔ الفرقان ۲۵، آیت ۵۴۔ العنکبوت ۲۹، آیت ۵ و ۷ و ۶۹۔ لقمٰن ۳۱، آیت ۱۴۔ الفاطر ۳۵، آیت ۴۰۔ محمد ۴۷ آیت ۳۳۔ الحجرات ۴۹، آیت ۱۵۔ الممتحنہ ۶۰، آیت ۱۔ الصف ۶۱، آیت ۱۱۔ التحریم ۶۶، آیت ۹ +

قرآن میں ان الفاظ کے کیا معنے لئے گئے ہیں

۷۔ منجملہ مقامات مذکورۂ بالا المائدہ (آیت ۵۸)، الانعام (آیت ۱۰۹)، النحل (آیت ۴۰)، النور (آیت ۵۲)، الفاطر (آیت ۴۰) اور التوبہ (آیت ۸۰) میں جو الفاظ "جَھد اور جُھد" آئے ہیں، اور جن پر اس قسم × کا نشان لگایا گیا ہے، وہ بحث سے خارج ہیں۔ ان سب آیات میں سوائے ایک آخری مقام کے، اُس کے معنے صریحاً نہایت پختہ قسموں یا زوردار قسموں یا بہت بڑی مضبوط اور جوشیلی قسموں کے ہیں۔ اور آخری مقام پر اس سے مراد وہ تھوڑی سی خوراک ہے جس پر ایک قلیل البضاعت شخص مشکل سے گزر کر سکتا ہے۔ باقی آیات دو قسم کی ہیں۔ پہلی وہ جو مکّی سورتوں میں واقع ہوئی ہیں۔ چونکہ اس وقت تک مسلمانوں نے اپنی حفاظت کے لئے ہتھیار نہیں اُٹھائے تھے، اگرچہ کہ وہ مظالم سے تکلیف سہہ رہے تھے۔ لہٰذا مسلمان مفسّرین و فقہا اور نیز عیسائی مصنّفین نے بالاتفاق "جہاد" سے اُس کے اصلی معنے جفاکشی، کوشش، زور اور محنت کے ساتھ کام کرنے کے لئے ہیں۔ دوسری وہ آیات ہیں جن میں وہ لفظ مدنی سُورتوں میں آئے ہیں۔ یہ اس وقت نازل ہوئی تھیں جب کہ مسلمان اپنی حفاظت کے لئے

ہتھیار اُٹھا چکے تھے۔ اس زمانہ کی مناسبت سے ان الفاظ کے بالکل ایک نئے اور عارضی معنے مذہبی غارت گر لڑائی کے لئے گئے۔ تاہم اس زمانہ کی بعض آیات میں مسلمان اور عیسائی مصنّفین نے اس لفظ کو اپنے اصلی اور وضعی معنے میں بھی لیا ہے۔

جہاد کے اصطلاحی معنے

۸- میں اس سے بالکل متفق ہوں، کہ بعد کی عربی زبان میں، یعنے اُس زبان میں جو رسول مقبول ؐ کے زمانہ کے بعد کی ہے، جب کہ زبان بڑی تیزی سے خراب ہوتی جا رہی تھی، لفظ "جہاد" کے معنے جنگ یا لڑائی کے لئے جاتے تھے، لیکن یہ معنے صرف فوجی محاورۃ تک محدود تھے۔ پھر اس کے بعد سے فنون سپہ گری میں اس لفظ کے معنے لڑائی لڑنے یا مذہبی جنگ کرنے کے ہو گئے۔ اور متاخرین میں اُس کا یہ مفہوم مسلمانوں کی کتب فقہی اور اخیر زمانہ کے لغتوں میں بھی داخل ہو گیا۔ لیکن یہ اخیر کی بگڑی ہوئی یا متاخرین کی زبان اُس کے معنے کی تصدیق کے لئے کوئی قابل اعتبار سند تسلیم نہیں کی جاسکتی۔

مسٹر ایڈورڈ ولیم لین اپنے لغت مدالقاموس کے مقدمہ (صفحہ ۸ و ۹) میں لکھتے ہیں کہ :-

"رائے عام سے یہ فیصلہ ہو گیا ہے، کہ کوئی شاعر، یا کوئی دوسرا شخص قدیم زبان کے الفاظ "کے معانی صرفی و نحوی، یا علم عروض، کے بارہ میں قطعی اور واجب التسلیم سند نہیں ہو سکتا "جب تک کہ وہ اشاعت اسلام سے قبل نہ مر چکا ہو۔ عہد اسلام سے کچھ پہلے اور کچھ بعد "زندہ نہ رہا ہو، اُن کی اصلاح کے مطابق جاہلی مُخَضرَم نہ ہو، جسے بعض مُخضرِم یا مُخَضرَم یا مُخضِرم "بھی کہتے ہیں۔ مخضرم سے دوسرے درجہ پر اسلامی شعرا ہیں، چونکہ اُس زمانہ میں زبان کی "خرابی بہت بڑھ گئی تھی، یہاں تک کہ جن لوگوں کی زبان بہت شایستہ مانی جاتی تھی وہ بھی "اس سے نہ بچے تھے۔ لہذا اسلامی شاعر پہلے دو طبقوں کی طرح قطعی اور واجب التسلیم "نہیں مانے جاتے تھے۔ اس سے بعد کے درجہ کا شاعر، جو سب سے آخری درجہ ہے،

"مولد کہلاتا ہے، جو یقیناً بعد کی زبان والا ہے وہ صرف علم عروض میں مستند مانا جا
"سکتا ہے۔ مولدین کی ابتدا کا زمانہ بخوبی صاف صاف نہیں بتلایا گیا ہے۔ لیکن وہ دوسری
"صدی ہجری کے وسط سے پہلے ہونا چاہیئے، کیونکہ اصلی زبان کا زمانہ قریب پہلے
"صدی ہجری کے اختتام پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور یہ وہ زمانہ ہے کہ اس وقت اشاعتِ
"اسلام سے قبل کے لوگ بہت کم زندہ تھے۔ اس طرح پر اچھے اسلامی شعرا اول درجہ
"کے زبان دانوں کے طبقہ میں شمار کئے جا سکتے تھے اور علی العموم کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ
"وہ زبان قدیم کے الفاظ اور اُن کے معانی صرفی و نحوی اور مسائل علم بلاغت میں قطعی سند
"نہیں تسلیم کئے جاتے۔"

مسٹر ٹامس شینزی ایم اے لکھتے ہیں:۔

"ہجرت نبوی سے ایک ہی صدی کے اندر سلطنت اسلامیہ کا شغرا اور ملتان سے لیکر مراکو اور
"پرینیز تک پھیل گئی تھی۔ اور عرب کے پڑھے لکھے لوگ ایسی مختلف نسلوں کے ساتھ رہنے لگے تھے
"جس سے اُن کی زبان خراب ہونے لگی تھی۔ صرف جاہلی شاعر، جو اشاعت اسلام سے پہلے مر گیا
"ہو، یا مخضرم جو اشاعت اسلام کے آغاز میں موجود ہو، زبان میں مستند اور قابل اعتبار
"سمجھا جاتا تھا۔ اسلامی شاعر، جو اشاعت اسلام کے بعد پیدا ہوا بہت کم رُتبہ کا خیال کیا
"جاتا تھا۔ پہلی صدی کے بعد کے شاعر مولدین کہلاتے ہیں، وہ صرف انشاء پردازی کے لحاظ سے
"مستند سمجھے جاتے ہیں، عربی زبان میں اُن کی سند تسلیم نہیں کی جاتی۔"[1]

۹۔ تمام شارحین مفسرین اور فقہا تسلیم کرتے ہیں۔ کہ جَھْد اور جِھَاد کے

مسلمان شارحین وغیرہ

ابتدائی اور وضعی معنے زور، قابلیت اور مشقّت کے ہیں۔ اور لڑائی اور مذہبی جنگ اصطلاحی اور استعارتی معنے ہیں۔ ابن عطیہ سورۃ العنکبوت کی آیت ۶۹ کی نسبت کہتا ہے کہ "وہ مکی ہے' اور عرفی جہاد کے حکم سے پہلے نازل ہوئی۔"

[1] مقامات حریری (مترجمہ ٹامس شینزی ایم۔اے) جلد اول دیباچہ۔ صفحہ ۶۷۔

(فتح البیان فی مقاصد القرآن، جلد دوم، صفحہ ۱۷۵، مصنّفہ مولوی صدیق حسین خاں)

خطیب قسطلانی اپنی کتاب ارشاد الساری فی شرح البخاری میں لکھتا ہے کہ:-

"جہاد" جَھد سے نکلا ہے، جس کے معنے، محنت، مزدوری کے ہیں - یا جُھد سے
"مشتق ہے، جس کے معنے زور و طاقت کے ہیں، اور اصطلاحی معنے اسلام کی تائید میں
"کفار سے جنگ کرنے ہیں" (جلد پنجم صفحہ ۲۶)-

محمد علاؤ الدین الحصکفی (متوفی ۱۰۸۸ھ) مصنف الدرّ المختار شرح تنویر الابصار، مصنفہ الشیخ التمرتاشی (متوفی ۱۰۰۴ھ) باب الجہاد میں لکھتا ہے کہ :-

"لفظ جہاد، قدیم زبان میں، جَاھَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہ کا اسم مصدر ہے - اصلاح
"فقہ میں اُس کے معنے ہیں، کفار کو سچے دین کی طرف بُلانا، اور بصورت انکار اُن سے لڑنا"

ابن عابدین شامی کتاب مذکور کی شرح میں لکھتا ہے کہ :-

"جَاھَدَ کے اسم مصدر کے معنے ہیں، اپنی طرف سے کامل کوشش کرنا، اُس کے عام معنے
"ہیں، اس میں وہ شخص بھی داخل ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرتا ہے"[۱]

۱۰- یہ بات تمام اہل لغت، شارحین، اور فقیہ تسلیم کرتے ہیں کہ قدیم عربی میں جہاد کے معنے محنت اور خوب کوشش کرنے کے ہیں- اُس کے منبدلہ یا اصطلاحی معنے، صرف متاخرین کے زمانہ میں، نزول قرآن سے بہت بعد لئے گئے ہیں- اس لئے یہ بالکل نامناسب ہے کہ قرآن میں ہر جگہ اُس کے نوتراشیدہ معنے لئے جائیں اس کے علاوہ اس کو وہ تمام مسلمان مفسّرین اور انگریزی مترجمین قرآن بھی تسلیم کرتے ہیں، جو اس لفظ کو تمام مکّی اور ابتدائی مدنی سُورتوں میں، اُس کے اصلی اور لفظی معنوں میں لیتے ہیں[۲] - اور ایسی صرف چند آخری مدنی سُورتیں ہیں،

> جہاد اپنے اصلی معنے سے بدل کر مذہبی جنگ کے متبدل معنے میں کب سے لیا گیا-

[۱] حاشیہ ردالمختار علی الدرالمختار جلد ۳ صفحہ ۳۳۴ مطبوعہ مصر- [۲] (کتاب ہذا کے ۱۹۳ صفحہ پر دیکھو)

جن میں مفسّرین اور مترجمین نے جہاد کے اصلی معنے سے عدول کیا ہے۔ اور متاخرین کے اصطلاحی اور غیر وضعی مفہوم کو ترجیح دے کر اُس میں مذہبی جنگ کے معنے پہنائے ہیں۔

قرآن کی وہ تمام آیات جن میں جہاد یا اس کے مشتقات آئے ہیں۔

۱۱۔ میں یہاں لفظ "جہاد" اور اس کے مشتقات اور اس کے مختلف صیغوں کے معانی، جو کئی انگریزی ترجموں میں لئے گئے ہیں، ایک دوسرے کے مقابل دکھلانا چاہتا ہوں۔ اول تو اس غرض سے کہ مسٹر جارج سیل اور ریورنڈ جے۔ ایم۔ راڈویل وغیرہ یوروپین مصنّفین علی العموم اس کے اصلی، ابتدائی اور قدیمی معنے لیتے ہیں۔ اور دوسرے یہ دکھانے کے لئے، کہ یہ لوگ بعض مقامات پر، ایک ہی لفظ سے ایک ہی قسم کی آیتوں میں، اس کے لفظی و اصطلاحی معانی لینے میں کیسا اختلاف

۵۲ (از صفحہ ۱۹۲ کتاب ہذا) عہد نامہ مدینہ میں جو ۲ھ میں ہوا تھا لفظ جہاد استعمال ہوا تھا۔ اسی کے متعلق سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ:۔

"اس لفظ کے معنی بعد کو اصطلاح میں جہاد (مذہبی جنگ) یا لڑائی کے ہو گئے۔ اگر اس عہد نامہ میں بھی ہم اس لفظ کے "یہی معنی قائم کریں تو اس فقرہ کے متعلق یہ شُبہ پیدا ہو گا کہ یہ بعد کو اضافہ کیا گیا ہے کیونکہ اس وقت تک "آنحضرت (محمد صلعم) کی جانب سے بظاہر کسی ایسے ارادہ کا اظہار نہیں ہوا تھا جس سے پایا جاتا کہ وہ دوسروں سے "بہ جبر اپنا مذہب قبول کرانا چاہتے ہیں۔ قبائل عرب کی اس وقت کی حالت کے لحاظ سے اس اصول کا "پیش کرنا خطرناک ہوتا۔ قرآن مجید میں بعض جگہ مثلاً العنکبوت ۲۹۔ آیت ۵ و ۶۹۔ الحج ۲۲، آیت" "۷۷ اور چند دیگر مقامات میں یہ لفظ بہت ہی عام معنوں میں استعمال ہوا ہے۔"

(سیرۃ محمدی مصنفہ سر ولیم میور جلد سوم صفحہ ۳۲ مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء)

اس کے بعد البقرہ ۲۔ آیت ۲۱۵ کے متعلق جس میں یہی لفظ آیا ہے سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ:۔

"لفظ جہاد انہیں معنوں میں ہے جیسا کہ بعد کو مذہبی جنگ کے معنوں میں مستعمل ہونے لگا تھا۔ "لیکن غالباً اس وقت تک اس کے یہ خاص معنی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ ہجرت سے قبل یہ لفظ عام معنوں "(کوششوں) میں استعمال ہوتا تھا اور غالباً جنگ بدر تک انہیں معنوں میں مستعمل ہوتا رہا۔"

(سیرۃ محمدی مصنفہ سر ولیم میور جلد سوم صفحہ ۴، فٹ نوٹ مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء)

کرتے ہیں۔

اس کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ مسٹر راڈویل ایم۔اے، قرآن کے سب سے پہلے انگریزی مترجم مسٹر جارج سیل، اور سب سے آخری مترجم مسٹر ڈبلیو۔ ایچ پامر سے زیادہ صحیح معنے لیتے ہیں۔موخر الذکر (پامر) کی حالت اس معاملہ میں سب سے زیادہ ناقابل اطمینان ہے۔کیونکہ انہوں نے ہر ایک مقام پر بجز چھ مقامات، یعنے العنکبوت (آیت ۷)، المائدہ (آیت ۳۹ و ۵۹)، النسّاء (آیت ۹۷) اور التوبہ (آیت ۴۷ و ۸۹)، کے، لفظ جہاد کے معنے لڑائی کے لئے ہیں، جس سے اُن کی نسبت یہ فرض کرنا کچھ بے محل نہ ہوگا کہ انہوں نے آیات سابقہ اور لاحقہ کی طرف بہت ہی کم توجہ کی ہے۔

نمبر	نمبر سورۃ و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ: سیل	راڈویل	پامر
۱	لقمٰن ۳۱۔ آیت ۱۴۔	وَ اِنْ جَاہَدَاکَ عَلٰٓی اَنْ تُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْھُمَا اور اگر تیرے ماں باپ تجھے اس امر پر مجبور کریں کہ تو ہمارے ساتھ خدائی میں کسی کو شریک بنائے جسکی تیرے پاس کچھ حجت ہی نہیں ہے تو تو اُن کی بات نہ مان۔	کوشش کرنا	مجبور کرنا	کوشش کرنا
۲	الفرقان ۲۵۔ آیت ۵۴	فَلَا تُطِعِ الْکَافِرِیْنَ وَ جَاہِدْھُمْ بِہٖ جِھَادًا کَبِیْرًا ٥ تو اے پیغمبر تم کافروں کا کہانہ مانو۔ اور قرآن کی مدد سے اُن کا خوب زور سے مقابلہ کرو	اُن کا بڑے زور سے مقابلہ کرو	قرآن کی مدد سے بڑے زور سے مقابلہ کرو	دلیری سے لڑو دلیری کی لڑائی
۳	الحج ۲۲۔ آیت ۷۷	وَ جَاہِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ۔ اور اللہ کی راہ میں کوشش کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔	اللہ کے دین کی تائید کی لئے لڑائی کرو۔	دلاورانہ کوشش کرو۔	دلیری سے لڑو

نمبر شمار	نمبر سورۃ و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ سیل	راڈویل	پامر
۴	النحل ۱۶- آیت ۱۱۱-	ثُمَّ جَاہَدُوْا وَ صَبَرُوْا - پھر کوشش کی اور مصائب پر صبر کیا-	سچے دین کی حمایت میں اس کے بعد لڑائی کی-	لڑائی کئے	دلیرانہ لڑائی کئے ہیں-
۵	العنکبوت ۲۹- آیت ۵-	وَمَنْ جَاہَدَ فَاِنَّمَا یُجَاہِدُ لِنَفْسِہٖ اور جو محنت کرتا ہے- وہ اپنی ذات کے لئے محنت کرتا ہے-	کوشش کرتا ہے-	سعی کرتا ہے	دلیرانہ لڑتا ہے دلیرانہ لڑائی-
۶	ایضاً آیت ۷	وَاِنْ جَاہَدَاکَ لِتُشْرِکَ بِیْ مَالَیْسَ اور اگر تیرے ماں باپ مجبور کریں کہ تو ہمارے ساتھ کسی کو شریک کرے لَکَ بِہٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْہُمَا - جسکی تیرے پاس کوئی حجت نہیں ہے تو اُن کا کہنا مان-	کوشش کرنا	کوشش کرنا	کوشش کرنا
۷	ایضاً- آیت ۶۹-	وَالَّذِیْنَ جَاہَدُوْا فِیْنَا لَنَہْدِیَنَّہُمْ اور جن لوگوں نے ہمارے واسطے کوشش کی ہم سُبُلَنَا- بھی اُن کو ضرور اپنا راستہ دکھائیں گے-	بڑی کوششیں کیں-	کوشش کی	دلیری کی لڑائی
۸	النحل ۱۶- آیت ۴۰-	وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَہْدَ اَیْمَانِہِمْ - اور یہ لوگ خدا کی بڑی سخت قسمیں کھاتے ہیں-	بڑی سنجیدگی سے-	بڑی مذہبی صورت سے	بڑی زور سے
۹	الفاطر ۳۵- آیت ۴۰-	وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَہْدَ اَیْمَانِہِمْ - اور یہ لوگ خدا کی بڑی پختہ قسمیں کھایا کرتے ہیں-	بڑی سنجیدگی کے ساتھ-	نہایت پختہ	نہایت زور سے
۱۰	البقرہ ۲- آیت ۲۱۵-	اَلَّذِیْنَ ہَاجَرُوْا وَجَاہَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُن لوگوں نے اللہ کے راستے میں ہجرتیں بھی کیں اور اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰہِ - محنتیں بھی اٹھائیں- یہی ہیں جنہیں اللہ کی رحمت کی امید ہے-	خدا کے لئے لڑائی-	لڑائی	لڑائی لڑنا

نمبر شمار	نمبر سورت و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ		
			سیل	راڈویل	پامر
۱۱	آل عمران ۳- آیت ۱۳۶-	اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا کیا تم نے یہ خیال کر لیا ہے کہ تم جنت میں جا ؤ گے حالانکہ یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ ابھی تک اللہ نے ان لوگوں کو نہیں پرکھا جنہوں نے کوشش کی وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ- ہیں اور نہ یہ پرکھا کہ کون صابر ہیں-	اُن لوگوں کو جو دلیری سے جنگ کرتے ہیں-	جنہوں نے جوان مردی کی	جو خوب لڑے
۱۲	الانفال ۸- آیت ۷۳-	اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرتیں کیں- اور اللہ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ کے راستے میں اپنے جان و مال سے فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ- کوشش کی-	اپنے مال اور جانیں اللہ کی دین کی حمایت کے لئے لڑائی میں لگائے-	اپنی جان و مال خدا کے کام میں خرچ کئے-	اپنی جان اور مال کے ساتھ خوب دلاوری سے لڑائی کئے-
۱۳	الانفال ۸- آیت ۷۵	وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کئے اور فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ- اللہ کے راستہ میں جہاد بھی کئے-	خدا کے دین کے لئے لڑے	لڑائی کئے	دلاوری سے لڑائی کئے
۱۴	ایضاً آیت ۷۶	وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے اور ہجرت کئے اور وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ- تمہارے ساتھ ہو کر محنت بھی کئے-	تمہارے ساتھ ہو کر لڑے	لڑائی کئے	دلاوری سے لڑائی کئے-

نمبر شمار	نمبر سورت و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ		
			سیل	راڈویل	پامر
۱۵	الانعام ۶- آیت ۱۰۹	وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ لَئِنْ اور اللہ کی بڑی سخت قسمیں کھا کے کہتے ہیں جَآءَتْھُمْ آیَۃٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِھَا کہ اگر کوئی معجزہ انہیں دکھایا جاوے تو وہ اس پر ایمان لے آئیں گے۔	بڑی سنجیدگی سے	بڑے عہد کے ساتھ	نہایت زور سے
۱۶	محمد ۴۷- آیت ۳۳	وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجَاھِدِیْنَ مِنْکُمْ اور تم کو ہم ضرور آزمائیں گے تاکہ تم میں جہاد کرنیوالے اور صابر وَالصَّابِرِیْنَ۔ پر صبر کرنیوالے ہیں انہیں جانچ لیں۔	جو جوانمردی سے لڑتے ہیں	دلاور	جنہوں نے دلاوری سے لڑائی کی
۱۷	الصف ۶۱- آیت ۱۱	تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاھِدُوْنَ خدا اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے مال فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ اور اپنی جانیں اللہ کی راہ میں لڑا دو۔	اپنا مال اور اپنی جانیں اللہ کے سچے دین کی حمایت میں لگا دو	بڑی دلاوری کے ساتھ	بڑی دلاوری سے لڑائی لڑنا۔
۱۸	النساء ۴- آیت ۹۷	لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ جن مسلمانوں کو کوئی معذوری نہیں اور وہ بیٹھ رہے تو یہ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجَاھِدُوْنَ فِیْ لوگ اُن لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو اپنے مال اور سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ جان سے خدا کی راہ میں محنت کر رہے ہیں۔ اللہ نے فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاھِدِیْنَ بِاَمْوَالِھِمْ مال اور جان سے محنت کرنیوالوں کو بیٹھ رہنے والوں	پہلا مجاہدون وہ لوگ جو اپنے مال اور جانیں اللہ کے دین کی حمایت میں لگاتے ہیں۔ دوسرا مجاہدین وہ لوگ جو اپنے مال اور جانیں خرچ کرتے ہیں تیسرا مجاہدین وہ جو لڑتے ہیں	پہلا۔ خدا کے سچے دین کی دلاوری سے حمایت کرنے والے۔ دوسرا۔ دل سے جنگ کرتے ہیں تیسرا زور سے	پہلا۔ زور سے دوسرا۔ زور سے تیسرا۔ زور سے

نمبر شمار	نام سورہ و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ سیل	راڈویل	پامر
		وَ اَنْفُسِہِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً پر درجے کے اعتبار سے بڑی فضیلت دی ہے اور وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَ فَضَّلَ خدا کا وعدۂ نیک تو سب ہی سے ہے اور اللہ نے اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ ثواب عظیم کے اعتبار سے محنت کرنیوالونکو بیٹھ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ رہنے والوں پر بڑی برتری دی ہے۔			
۱۹	النور ۲۴- آیت ۵۲	وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اور اللہ کی بڑی پکی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر آپ انہیں لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ حکم کریں تو وہ گھربار چھوڑ کر نکل کھڑے ہونگے	بڑی سنجیدگی سے	بڑی سنجیدگی سے	بڑی زور سے
۲۰	التحریم ۶۶- آیت ۹	يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ اے پیغمبر کافروں اور منافقوں کے وَ الْمُنٰفِقِيْنَ ساتھ کوشش کرو۔	منافقین کے روبرو دلائل پیش کرو۔	لڑائی کرو	زور سے لڑائی کرو۔
۲۱	التوبہ ۹- آیت ۷۴	يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ اے پیغمبر کفار اور منافقین کے ساتھ جانفشانی الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ کرو اور ان پر سختی کرو۔	لڑائی لڑ	جھگڑا کر	دلاوری سے کوشش کر

نمبر شمار	نمبر سورۃ و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ: سیل	انگریزی ترجمہ: راڈویل	انگریزی ترجمہ: پامر
۲۲	الممتحنہ ۶۰- آیت ۱	اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ اگر تم ہماری راہ میں محنت کرنے اور ہماری وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِيْ - رضامندی ڈھونڈنے نکلے ہو۔	میرے مذہب کی حمایت میں لڑائی لڑنے کو۔	لڑنے کو	زور سے لڑائی کرنا
۲۳	الحجرات ۴۹- آیت ۱۵	ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ پھر اُنہوں نے کسی طرح کا شک شبہ نہیں کیا اور اللہ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ - کے راستہ میں اپنے جان و مال سے کوشش کی۔	جن لوگوں نے کہ اپنے مال اور جان سے اللہ کے دین کی حمایت میں کوشش کی۔	اپنے مال اور جان لگاکر جنگ کرتے ہیں	اپنے مال اور جان لگاکر دلاوری سے جنگ کرتے ہیں
۲۴	التوبہ ۹- آیت ۱۶	اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ کیا تم نے ایسا جان رکھا ہے کہ چھوٹ جاؤ گے اور ابھی الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ اللہ نے اُن لوگوں کو پرکھا تک بھی نہیں تم میں سے جو محنت کرتے ہیں۔	تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے اس کے دین کو ڈھونڈا ہے۔	دلاوری سے	زور سے لڑائی لڑے
۲۵	ایضاً آیت ۱۹	كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مثل اُس شخص کے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان جَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ - لایا اور اللہ کے راستہ میں محنت کرتا ہے	لڑتا ہے	لڑتا ہے	زور سے
۲۶	ایضاً- آیت ۲۰-	اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کئے اور اللہ کے فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ راستہ میں اپنے مال اور جان سے محنت کئے	اس کے دین کے واسطے لڑے۔	دلاوری سے لڑے۔	بڑے زور سے لڑے۔

نمبر شمار	نمبر سورۃ و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ: سیل	راڈویل	پامر
۲۷	التوبہ ۹- آیت ۲۴	اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ اگر اللہ اور اس کے رسول اور راہ خدا میں فِيْ سَبِيْلِهٖ- محنت کرنے سے زیادہ عزیز ہوں-	ترقی کرنے سے	کوشش سے	زور سے لڑائی لڑنے سے
۲۸	ایضاً- آیت ۴۱-	اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا مسلمانو ہلکے بے ہتھیار ہو یا بھاری با ہتھیار خدا کی راہ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ میں مال اور جان سے کوشش کرنے کو نکل کھڑے ہوا کرو	اللہ کے دین کی ترقی کے واسطے اپنے مال اور جان لگا دو-	اپنے مال اور جان لگا کر لڑائی کرو	اپنے مال اور جان سے لڑائی کرو-
۲۹	ایضاً- آیت ۴۴-	لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ اے پیغمبر وہ لوگ جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ لائے ہیں وہ تو تم سے اس بات کی اجازت مانگتے ہی وَاَنْفُسِهِمْ- نہیں کہ اپنے مال اور جان سے کوشش نہ کریں-	اللہ کے سچے دین کی ترقی کے واسطے جان و مال لگانا-	اپنے مال اور جان کے ساتھ لڑنا-	زور سے لڑائی کرنا
۳۰	ایضاً- آیت ۸۲	كَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اور راہ خدا میں اپنے مال اور جان سے انہیں فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ- کوشش کرنا ناگوار ہو -	اللہ کے سچے دین کی ترقی کے واسطے جان و مال لگانا-	اپنی جان اور مال کے ساتھ لڑنا	اپنے جان اور مال کے ساتھ زور سے لڑنا
۳۱	ایضاً - آیت ۸۷	وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ	لڑائی کے لئے نکلو	لڑائی کرو	بڑے زور سے لڑائی کرو-

نمبر شمار	نمبر سورۃ و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ: سیل	راڈویل	پامر
		وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر کوشش کرو			
٣٢	التوبہ ۹ - آیت ۸۹	لٰكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ لیکن رسول نے اور جو لوگ کہ اُن کے ساتھ ایمان لائے ہیں جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ۔ اُن سب نے اپنی جان و مال سے کوششیں کیں۔	اپنے مال اور جان کو پیش کرو	مال اور جان سے لڑائی لڑو۔	اپنے مال اور جان سے زور سے لڑائی کرو
٣٣	المائدہ ۵ - آیت ۳۹	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور اسکے پاس پہنچنے کا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ وسیلہ ڈھونڈھتے رہو۔ اور اُس کے رستہ میں کوشش کرو	اس کے دین کے لئے لڑو۔	دل سے لڑو	خوب جفاکش ہو جاؤ۔
٣٤	ایضاً - آیت ۵۸	أَهٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ کیا یہ وہ ہی لوگ ہیں جو بڑے زور سے اللہ کی قسمیں کھاتے أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ۔ تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔	بڑی مضبوطی سے	نہایت سنجیدگی سے	بڑی زور سے
٣٥	ایضاً - آیت ۵۹	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ اے مسلمانو! جو ایمان لائے ہو۔ تم میں سے اگر کوئی اپنے دین دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَ سے پھر جائیگا تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگ موجود کر دیگا جنہیں وہ يُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اُسے دوست رکھتے ہونگے۔	وہ خدا کے دین کے لئے لڑینگے	وہ لڑیں گے	دلاوری سے

نمبر شمار	نمبر سورۃ و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ		
			سیل	راڈویل	پامر
		عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي مسلمانوں کے ساتھ نرم اور کافروں کے ساتھ کڑے سَبِيلِ اللهِ۔ ہوں گے اور اللہ کی راہ میں خوب کوشش کریں گے			

۱۲۔ وہ آیات جن میں جہاد اور اس کے مشتقات کا ذکر تھا اپنی کیفیت کے ساتھ

اُن آیات قرآنیہ کی توضیح و تشریح جن میں لفظ جہاد مذکور ہوا ہے۔

اوپر نقل کر دی گئی ہیں۔ اب میں آگے چل کر تمام آیات مذکورہ بالا کا صحیح ترجمہ لکھوں گا، اور جہاں تک ممکن ہو تاریخی ترتیب سور کو ملحوظ رکھوں گا اور میری رائے اور کیفیتیں بھی مندرج ہوں گی اور جہاں ضرورت پڑے گی مسلمان مفسّرین کی عبارتیں بھی نقل کروں گا۔

۱۔ مکّی سورتیں

۱۔ سورہ لقمان ۳۱ آیت ۱۴۔

۱۳۔ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

اور اگر تیرے ماں باپ تجھے اس امر پر مجبور کریں کہ تو ہمارے ساتھ کسی ایسے کو خدائی میں شریک کرے جسکی تیرے پاس کوئی حجّت ہی نہیں ہے تو تو اُن کی بات نہ مان

سورۂ لقمان مکّی سُورتوں میں ایک نہایت قدیم سُورت جو بعثت کے چھٹے اور دسویں سال کے درمیانی عرصہ میں نازل ہوئی تھی، اس میں ماں باپ سے برتاؤ کرنے کی نصیحت کی گئی ہے، اور حکم دیا گیا ہے کہ اُن سے نہایت ہی محبّت سے پیش آؤ، لیکن اگر وہ بُت پرستی اور شرک کے لئے ترغیب دیں تو اُن کا کہنا نہ مانو۔

یہاں "جَاهَدَاكَ" کے یہ معنے ہیں کہ "اگر تیرے ماں باپ دونوں تجھے

ڈالیں، یا اس کی سعی و کوشش کریں (کہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دیوتا یا دیبی کو شریک کرے)"۔ اس موقع پر اس معنے کے سوا کسی مترجم اور مفسر نے اس لفظ کے معنے لڑائی کرنے یا دشمنی یا جنگ کے نہیں لئے۔

۲- الفرقان ۲۵ آیت ۵۳ و ۵۴	۱۴- وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا	علاوہ بریں اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانیوالا اٹھا کھڑا کر دیتے تو اے پیغمبر تم کافروں کا کہا نہ مانو بلکہ اُس (قرآن کی دلائل) سے (جاہد) اُن کا مقابلہ (جہاداً کبیراً) بڑی زور سے یا بڑی محنت و مشقت سے کرو۔

اس کا تعلق صریحاً قرآن سے، یا اس تنبیہ سے ہے جس کا ذکر آیت بالا میں آچکا ہے۔ اس لئے یہاں اگر لفظ جہاد کا ترجمہ "اُن کے ساتھ زور سے لڑنے کا کیا جائے یا جس طرح ہنری پامر صاحب نے (دیکھو جلد ۲ صفحہ ۸۸) "زور سے لڑنے کی تحریک" کا کیا ہے، تو بالکل غلط ہوگا۔ مسٹر سیل اور ریورنڈ مسٹر راڈویل اور علیٰ ہذا مسلمان مفسرین بھی اس کا ترجمہ بمعنی جنگ نہیں کرتے۔ امام فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:-

"بعض لوگ جَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا کے یہ معنے لیتے ہیں کہ "وعظ کرنے میں کوشش کرو۔ لیکن بعض یہ بھی کہتے ہیں، کہ اُس کے معنے لڑائی کے ہیں، اور بعض دونو معنے لیتے ہیں لیکن سب سے پہلے معنے صحیح تر ہیں۔ کیونکہ یہ سورت مکہ معظمہ میں نازل ہوئی تھی، اور جنگ کرنے کا حکم اس سے کچھ مدت بعد ہجرت ہو چکنے سے پیچھے دیا گیا ہے۔" (جلد چہارم صفحہ ۴۹۰)

۳- الحج ۲۲- آیت ۷۶ و ۷۸	۱۵- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ	مسلمانو! اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں رکوع کرو، سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو۔ تاکہ تم اپنے دل کی مراد کو پہنچو۔ اور (جاھدوا) اللہ کے راستہ میں کوشش کرو

ا؎ یہ سورۃ مشہور ہے کہ مکہ میں نازل ہوئی لیکن غالباً یہ بات اس کے آیت ۱-۲۴-۴۳-۵۶-۶۰-۶۵-۶۷-اور ۷۵ کی نسبت ہے مسٹر میور نے اس کو مکی سورتوں کے اخیر میں پانچویں درجہ میں رکھا ہے۔ نولڈ صفحہ ۱۵۸- ریورنڈ راڈویل صفحہ ۵۰۰-

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ۔	اس قدر کہ جس قدر (حقّ جہادہ) کوشش کرنے کا حق ہے۔اُس نے تم کو دوسرے لوگوں میں منتخب کیا ہے۔اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں ہے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہی جو تمہارے باپ ابراہیم کا تھا انہیں نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہی

اس جگہ مسٹر سیل اور مسٹر پامر اس لفظ کا ترجمہ "لڑائی کرنا" کرتے ہیں، جو بالکل غلط ہے۔اس کے یہ معنے نہ تو قدیم زبان میں ہیں اور نہ وضعی ہیں۔راڈویل اُس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ "دلاورانہ کوشش کرو" سرولیم میور کہتے ہیں "یہاں اس کا استعمال عام مفہوم میں زیادہ تر ہے" (جلد سوم صفحہ ۳۲)

یہ آیت اُس بڑے اصول کی ایک مختصر اور مجمل صورت ہے جو دوط کے باب ششم ورس پنجم میں، اور مرقس کے باب دوازدہم ورس تیس ۳۰ میں اور لوقا کے باب دہم ورس ۲۷ میں ہے۔یعنے :-

"تجھے اپنے سارے دل اور ساری جان سے، اور اپنی ساری ضمیر اور سارے زور سے، اپنے "خدا کو پیار کرنا چاہیئے"

اور نیز لوقا باب ۱۳، ورس ۲۴ میں ہے :-

"نو راستی کے دروازہ میں داخل ہونے کی کوشش کر"

۴۔النحل ۱۶۔ آیت ۱۰۸ و ۱۱۱	۱۶۔مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ	جو شخص کُفر کے لئے مجبور کیا جائے مگر اُس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو اُس سے کچھ مواخذہ نہیں لیکن جو شخص ایمان لائے پیچھے خدا کے ساتھ کفر کرے اور کفر بھی کرے تو جی کھول کر تو ایسے لوگوں پر خدا کا غضب ہے۔اور ان کے لئے بڑا سخت عذاب ہے۔ پھر جن لوگوں نے مُبتلائے مصیبت ہونے کے بعد گھر

مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ -	چھوڑے پھر خدا کی راہ میں محنتیں کیں اور مصائب پر صبر کیا تو اے پیغمبر تیرا پروردگار بیشک ان جانچوں کے بعد بخشنے والا اور مہربان ہے

ڈاکٹر اسپرنگر (سیرۃ محمدی صفحہ ۱۵۹ مطبوعہ الہ آباد ۱۸۵۱ء) لکھتے ہیں کہ یہ آیت اُن سات غلاموں کی نسبت ہے جنہیں حضرت ابوبکر نے مول لے کر آزاد کر دیا تھا اُن کو اسلام قبول کرنے کے سبب سے، اُسی زمانہ کے چند روز بعد جب کہ رسول اللہ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا، ایذائیں دی گئی تھیں۔ جس ہجرت کا آیت ۱۱۱ میں ذکر ہے وہ حبش کی جانب مسلمانوں کی سب سے پہلی ہجرت ہے۔ ان آیات میں اُن تکالیف کا ذکر ہے جو غریب اور محتاج مسلمانوں کو شہر مکّہ کے باشندوں کی طرف سے اُٹھانی پڑی تھیں۔ ان مسلمانوں کو جب ایذائیں دی گئیں، اور انکار توحید پر مجبور کیا گیا، اور اُنہوں نے نہ مانا، اور اپنے اسلام پر مضبوط رہے تو انہیں ہجرت کرنی پڑی، اور اس دیس نکالے میں بڑی بڑی مصائب اُٹھانی پڑیں، لیکن اُنہوں نے ان مصائب اور پریشانیوں پر صبر کیا، اور جسمانی و روحانی تکالیف اور نُقصان اُٹھانے میں ثابت قدم رہے۔ اس آیت میں جنگ و جدل کرنے کا کہیں اشارہ تک بھی نہیں ہے۔ ریورنڈ راڈویل اور مسٹر پامر نے "جاھدوا" کا ترجمہ لڑائی لڑنا کیا ہے، اور دونو نے غلطی کی ہے۔ گو مسٹر سیل نے ترجمہ میں تو غلطی نہیں کی ہے، لیکن اُن کی یہ تشریح ٹھیک نہیں ہے "کہ جو سچّے مذہب کی حمایت میں اس کے بعد لڑے ہیں"؛ کیونکہ اُن کا جہاد تو صرف یہی تھا کہ انہوں نے ایذاؤں کے برداشت کرنے میں بڑی مشقّت و محنت سے کام لیا۔

۵- العنکبوت ۲۹ آیت ۵ -	۱۷- وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ	اور جو خدا کے لئے محنت اُٹھاتا ہے وہ اپنی ہی بھلائی کے لئے محنت اُٹھاتا ہے۔ ورنہ خدا تو دُنیا کے سب لوگوں سے غنی اور بے نیاز ہے"۔

مسٹر پامر نے یہاں جاھد اور یجاھد کے معنے دلاوری سے لڑائی لڑنے کے لئے ہیں، اس میں اُنہوں نے بڑی غلطی کی ہے۔ مسٹر سیل اور ریورنڈ راڈویل نے اس کا ترجمہ "کوشش کرنا اور سختی کرنا" کیا ہے اور یہ صحیح ہے۔ ایسے ہی مسٹر ولیم میور نے بھی صحیح ترجمہ کیا ہے۔ جنہوں نے اس کا مطلب بیان کیا ہے کہ اس آیت میں اس کا عام مفہوم مراد ہے۔ (سیرت محمدی جلد ۳ صفحہ ۳۲)۔

۱۸۔ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا۔ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔ (۶۔ العنکبوت ۲۹ آیت ۷۔)	اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر ماں باپ تیرے درپے ہوں کہ تو کسی کو ہمارا شریک ٹھیرائے جس کی تیری پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو تو اُن کا کہنا نہ مان تم سب کو ہمارے طرف لوٹ کر آنا ہے پھر جو تم کرتے رہو ہم تم کو بتا دیں گے۔

اس آیت میں کسی شارح نے "جاھدا" کے معنے جنگ یا کروسیڈ کے نہیں لئے ہیں۔ اس لئے یہ مشکل کسی طرح حل نہیں ہوتی کہ اسی کتاب کے دوسرے مقامات پر اس لفظ کے اصلی اور قدیم معنوں سے کیوں عدول کیا گیا ہے۔

۱۹۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (۷۔ العنکبوت ۲۹ آیت ۶۹)	اور جن لوگوں نے ہمارے کام میں (جاھدوا) کوششیں کیں ہم بھی انہیں ضرور اپنے راستے دکھائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہے جو نیک کام کرتے ہیں۔

مسٹر پامر یہاں اس لفظ کے یہ معنے لیتے ہیں کہ "جنہوں نے لڑائی کی" حالانکہ اس کے برخلاف مسٹر سیل، ریورنڈ راڈویل، اور سر ولیم میور نے اس کا ترجمہ "کوشش کی، سعی کی، اور محنت کی" لکھے ہیں۔ جہاد کے اصلی معنے کروسیڈ یا جنگ وجدل کے اُس وقت مروّج نہ تھے جب کہ قرآن شریف نازل ہوا تھا۔

۲۰- وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ لَا یَبْعَثُ اللّٰہُ مَنْ یَّمُوْتُ بَلٰی وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (۸- النحل ۱۶- آیت ۴۰)	اور یہ لوگ خدا کی بڑی سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مرجاتا ہے خدا اُس کو اُٹھا کر نہیں کھڑا کرتا- اے پیغمبر ان سے کہہ دو ضرور اُٹھا کھڑا کرے گا- یہ وعدہ اس کا برحق ہے- اور اس کا ایفا ضرور ہے مگر اکثر لوگ اس کا یقین نہیں کرتے-

مسٹر سیل نے اُس کا ترجمہ کیا ہے ”نہایت سنجیدگی سے“ اور راڈویل نے ”بڑی مذہبی قسمیں“ کیا ہے- اور مسٹر پامر نے ”بڑی پختہ قسمیں“-

۲۱- وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ لَئِنْ جَآءَھُمْ نَذِیْرٌ لَّیَکُوْنُنَّ اَھْدٰی مِنْ اِحْدَی الْاُمَمِ فَلَمَّا جَآءَھُمْ نَذِیْرٌ مَّا زَادَھُمْ اِلَّا نُفُوْرًا۔ (۹- الفاطر ۳۵- آیت ۴۰)	اور یہ لوگ اللہ کی بڑی (جہاں سے) قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اُن کے پاس کوئی ڈرانے والا آئے گا تو وہ ہر ایک اُمت سے زیادہ سیدھی ہونگی پھر جب ڈرانے والا اُن کے پاس آپہنچا تو اُس کے آنے سے اُن کی نفرت کو اور ترقّی ہوئی-

مسٹر سیل کا ترجمہ ہے ”بڑی سنجیدہ قسم“ راڈویل کا ”بڑی زور کی قسم“ اور پامر کا ”بڑی زور آور قسم“

۲- مدنی سُورتیں

۲۲- اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَ جَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ- (۱۰- البقرہ ۲- آیت ۲۱۵)	اور جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں ہجرتیں کیں اور اللہ کے راستہ میں خوب کوششیں بھی کیں یہی ہیں جو خدا کی رحمت کی اُمید لگائے بیٹھے ہیں- اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے-

مسٹر سیل اور ریورنڈ راڈویل ”جاھدوا“ کا ترجمہ کرتے ہیں ”وہ لڑتے ہیں“ اور مسٹر پامر لکھتے ہیں ”وہ جو لڑائی کرتے ہیں“- لیکن اس کے اصلی معنے بدل

دینے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ سر ولیم میور اس آیت کا ترجمہ حسب ذیل کرتے ہیں:

"لیکن وہ جو ایمان لاتے ہیں اور جو ایمان کی خاطر ہجرت کرتے ہیں اور خدا کے رستہ میں خوب
" دل سے کوشش کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو خدا کی رحمت کی اُمید لگائے بیٹھے ہیں۔ کیونکہ خدا
"بخشنے والا اور مہربان ہے۔"[1]

وہ پھر ایک فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں:۔

" یہ جہاد کا لفظ وہ ہی ہے جس کے معنے آگے چل کر مذہبی لڑائی کے ہو گئے ہیں۔ لیکن غالباً
" اس وقت تک یہ معنے اُس کے نہیں مستعمل ہوئے تھے۔ ہجرت سے پیشتر تک اس کا عام مفہوم
" لیا جاتا تھا۔ اور شاید جنگ بدر تک ایسا ہی رہا۔"[2]

میں یہاں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آنحضرتؐ کے ایام حیات میں اس لفظ کے معنے "مذہبی لڑائی" کے کبھی نہیں لئے گئے، اور قرآن شریف میں ہجرت سے پہلے نہ ہجرت کے بعد اس کے یہ معنے کبھی لئے گئے۔

اس آیت میں ہجرت کا جو ذکر جہاد کے لفظ کے ساتھ کیا گیا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے معنے اُس محنت و مشقّت اور پریشانی کے ہیں جو مہاجرین کو اپنے خاندانوں کو اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں اپنے ملک سے بھاگتے وقت غیر محفوظ چھوڑ کر اُٹھانی پڑی تھی۔

۲۳۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ۔ (۱۱۔ آل عمران ۳ آیت ۱۳۶۔)	کیا تم نے یہ خیال کر لیا ہے کہ تم جنّت میں جا کر داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک اللہ نے نہ کچھ جانچا کہ تم میں سے کنھوں نے (جاھدوا) کوشش کی ہیں۔ نہ یہ جانچا کہ کون صابر ہیں۔

[1] سیرت محمدی جلد ۳۔ صفحہ ۴۷۔
[2] سیرت محمدی فٹ نوٹ۔ جلد ۳ صفحہ ۴۷، مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء۔

ریورنڈر اڈویل "جاھدوا" کا ترجمہ کرتے ہیں "دلاورانہ کام کئے"۔ اور مسٹر سیل اور پامر کی موافقت نہیں کرتے، جنہوں نے اُس کا ترجمہ کیا ہے "زور سے لڑائی کی، یا "خوب لڑائی کی"۔

لیکن چونکہ اس کا تعلق صابرین سے ہے، اس لئے لفظ "جاھدوا" سے غالباً وہ لوگ مراد ہیں، جنہوں نے محنتیں کیں، اور مکہ سے ہجرت کے زمانہ میں مصائب جھیلیں۔

۴۷- اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ (۱۲- الانفال ۸ آیت ۷۳-)	جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے ہجرتیں کیں اور (جاھدوا) اللہ کے راستہ میں اپنے جان و مال سے کوششیں کیں اور وہ لوگ جنہوں نے مہاجرین کو جگہ دی- اور اُن کی مدد کی- یہی لوگ ہیں جو ایک کے وارث ایک ہیں- اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی- تو تم مسلمانوں کو اُن کی وراثت سے کچھ تعلق نہیں یہاں تک کہ ہجرت کر کے تم میں آملیں- ہاں اگر دین کے بارہ میں تم سے مدد کے طالب ہوں تو تم کو اُن کی مدد کرنی لازم ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور اُن میں صلح کا عہد و پیمان ہے- اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اُسکو دیکھ رہا ہے

مسٹر سیل اس آیت میں جھاد (یا جاھدوا) کا ترجمہ کرتے ہیں "انہوں نے لڑائی میں اپنی جان و مال لگا دئے"۔ راڈویل لکھتے ہیں "اُنہوں نے اپنی جان و مال خرچ کر دئے"۔ پامر کا ترجمہ ہے "اُنہوں نے اپنی دولت اور اپنی جان سے بڑے زور سے لڑائی کی"۔

چونکہ لفظ "جہاد" اپنی ذات اور اپنے مال و دولت کے لئے بولا گیا ہے اس لئے اس مقام پر اس کے اصطلاحی معنے لڑائی کے نہیں لئے جا سکتے۔

۲۵- وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ (۱۳- الانفال ۸ آیت ۷۵)	اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرتیں کیں۔ اور اللہ کے راستہ میں (جاھدوا) کوششیں بھی کیں اور جن لوگوں نے ہجرت کرنیوالوں کو جگہ دی اور اُن کی مدد کی۔ یہی لوگ پکے مسلمان ہیں اُن کے گناہ معاف کئے جائیں گے اور انہیں کے لئے تعظیم کے ساتھ روزی ہے۔

سیل نے ترجمہ کیا ہے "لڑائی کی" راڈویل نے لکھا ہے "لڑائی کی" پامر کے الفاظ ہیں "خوب لڑائی کی"۔ اس آیت میں کوئی لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس سے جاھدوا کے اصلی ولفظی اور صحیح مفہوم سے عدول کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہو۔ اور یہ پایا جاتا ہو کہ اُس کو اُس مفہوم میں استعمال کیا جائے جو قرآن کے بعد گھڑا گیا ہے۔

۲۶- وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (۱۴- الانفال ۸- آیت ۷۶-)	اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے۔ اور ہجرتیں کیں اور تمہارے ساتھ ہو کر کوششیں بھی کیں۔ تو وہ تم ہی میں داخل ہیں اور رشتہ دار اللہ کی کتاب کے مطابق ایک دوسرے کے ترکہ کے زیادہ حقدار ہیں۔ بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

سیل کا ترجمہ "لڑائی کی"۔ راڈویل کا "لڑائی کی" پامر کا "خوب لڑائی کی"۔ یہاں بھی کوئی معقول وجہ نہیں ملتی کہ جس سے لفظ جاھدوا کے اصلی معنے بدل

دئے جائیں۔ اور ایسے معنے لئے جائیں جو نہ تو قرآن میں کبھی لئے گئے اور نہ قدیم زبان عربی میں استعمال کئے گئے۔

۲۷۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَہْدَ اَیْمَانِہِمْ (۱۵۔ الانعام ۶۔ آیت ۱۰۹)	اور کفار اللہ کی بڑی پکی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں۔

سیل، "بڑی سنجیدہ قسم"۔ راڈویل "بڑی پابند کرنے والی قسم"۔ پامر" بڑی پختہ قسم"۔

۲۸۔ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجَاہِدِیْنَ مِنْکُمْ وَالصَّابِرِیْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَکُمْ۔ (۱۶۔ محمد ۴۷۔ آیت ۳۳)	اور اے مسلمانو! ہم تم سب کو ضرور آزمائینگے تاکہ تم میں جو محنت کرنے والے اور مصائب کو برداشت کرنے والے ہیں اُن کو ہم معلوم کرلیں اور تمہارے اصلی حالات کو جانچ لیں۔

سیل "جو جوانمردانہ لڑتے ہیں"۔ راڈویل "دلاورانہ"۔ پامر "جو جوانمردانہ لڑے"۔
"مجاھد" لفظ "مقاتل" کا کہیں مرادف وہم معنے نہیں ہے۔

۲۹۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاہِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ (۱۷۔ الصف ۶۱ آیت ۱۱۔)	اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے راستہ میں اپنے مال اور جانوں سے کوشش کرو۔

ترجمہ سیل، "جو جوانمردانہ لڑے"
ترجمہ راڈویل "جو جوانمردانہ لڑے"
ترجمہ پامر "جو خوب لڑتے ہیں"

عبادت کی دو قسمیں کی گئی ہیں۔ ایک جسمانی جس میں دماغی محنت بھی داخل ہے دوسری مالی۔ یہاں مسلمانوں کو یہ نصیحت کی گئی ہیں۔ کہ وہ جسمانی اور مالی دو نو عبادتیں بجالائیں۔

۳۰۔ لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (۱۸۔ النساء ۴۔ آیت ۹۷)	جن مسلمانوں کو کوئی معذوری نہیں اور وہ بیٹھ رہے تو یہ لوگ درجہ میں اُن کے برابر نہیں ہوسکتے جو اپنے مال

غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ط	اور جان سے خدا کی راہ میں (مجاھدون) کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مال اور جان سے (مجاھدین) کوشش کرنیوالوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجہ کے اعتبار سے بڑی فضیلت دی ہے اور اللہ کا وعدہ نیک تو سب ہی مسلمانوں سے ہے مگر اللہ نے (مجاھدین) کوشش کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بڑی عظمت دی ہے۔

ترجمہ سیل، مجاھدون جو اپنی دولت اور اپنے مال خدا کے مذہب میں لگاتے ہیں"۔

مجاھدین "جو اپنی دولت اور اپنے مال لگاتے ہیں"۔

مجاھدین "جو لڑائی لڑتے ہیں"

ترجمہ راڈویل مجاھدون "جو جوانمردانہ لڑائی لڑتے ہیں"۔

مجاھدین "جو دل سے جنگ کرتے ہیں"۔

مجاھدین "زور سے"

ترجمہ پامر مجاھدون "زور سے"

مجاھدین "زور سے"

مجاھدین "زور سے"

میں نے اوپر جسمانی اور روحانی دو قسم کی عبادت و پرستش کا ذکر کیا ہے، وہی صورت اس جگہ بھی ہے۔

۱۱۱۔ وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ	اور وہ منافق اللہ کی بڑی پکی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں۔

۱۹۔ النور ۲۴۔ آیت ۵۲

ترجمہ سیل۔ ”بڑی سنجیدہ قسم“۔

ترجمہ راڈویل۔ ”بڑی سنجیدہ قسم“۔

ترجمہ پامر۔ ”بڑی زور کی قسم“۔

۳۲۔ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْھِمْ — اے پیغمبر کُفّار اور منافقین کے ساتھ خوب محنت و جفاکشی کرو اور اُن پر سختی رکھو۔

۲۰۔ التحریم ۶۶۔ آیت ۹

ترجمہ سیل۔ ”کُفّار سے بذریعہ ہتھیار اور منافقین سے حجت و دلیل سے مقابلہ کرو“۔

ترجمہ راڈویل۔ ”جنگ کرو“۔

ترجمہ پامر۔ ”زور سے لڑائی کرو“۔

۳۳۔ یہ آیت بھی لفظ بہ لفظ وہی ہے جو اُوپر مذکور ہوئی۔

۲۱۔ التوبہ ۹۔ آیت ۷۴

ترجمہ سیل۔ ”جنگ کرو“

ترجمہ راڈویل ”مقابلہ کرو“

ترجمہ پامر۔ ”زور سے کوشش کرو“۔

دونو آیتوں میں وہی لفظ ”جاھد“ آیا ہے تاہم مترجّمین اپنے اپنے ترجموں میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ چونکہ منافقین سے کبھی جنگ نہیں کی گئی۔ لہٰذا اگر اس کے اصلی معنے سے عدول بھی کیا جائے، تاہم وہ معنے نہیں لئے جا سکتے جو انھوں نے سمجھے ہیں۔ ایک موقع پر تو مسٹر سیل اُس کے معنے ہتھیاروں سے حملہ کرنے کے لیتے ہیں، اور دوسری جگہ اُسی لفظ کے معنے دلائل سے حملہ کرنے کے لکھتے ہیں۔

جہاد کا ترجمہ حملہ کرنے کا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کے معنے کوشش کرنے کے ہیں۔ آیت کے سیدھے معنے اس طرح ہیں، کہ اے پیغمبر وعظ کرنے میں خوب کوشش

کرو، اور کفار اور منافقین کو ملامت کرو، اور اُن سے سختی بھی کرو۔ یعنے اُن کے سامنے نرم نہ پڑ جاؤ، اور نہ بے پروائی کرو۔

۳۴۔ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝

۲۲۔ الممتحنہ ۶۱ آیت ۱

مسلمانو میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ لگو اُن کی طرف دوستی کے نامہ و پیام دوڑانے حالانکہ تمہارے پاس جو خدا کی طرف سے دین حق آیا ہے وہ اُس سے انکار کر چکے ہیں۔ وہ تو صرف اتنی بات پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ ہی کو مانتے ہو رسول کو اور تم کو گھروں سے نکال رہے ہیں۔ اگر تم ہماری راہ میں کوشش کرنے اور ہماری رضامندی ڈھونڈنے کو نکلے ہو تو تم یہ کیا کرتے ہو کہ چپکے چپکے اُن کی طرف دوستی کے پیغام دوڑاتے ہو۔ اور جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر ظہور کرتے ہو وہ ہم سب کو خوب جانتے ہیں، اور جو تم میں سے ایسا کریگا تو یاد رکھو کہ وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا ہے۔

ترجمہ سیل۔ "میرے مذہب کی تائید میں لڑنے کے لئے"

ترجمہ راڈویل۔ "میرے راستہ میں لڑائی کرنے کو"

ترجمہ پامر۔ "زور سے لڑائی لڑنے کو"

مترجمین مذکورہ بالا کہتے ہیں کہ حاطب نے اہل مکّہ کو اس حملہ کی خبر دیدی تھی، جو رسول اللہ اُن پر کرنے والے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے خاندان کی خلاصی کے لئے اُن سے میل جول کرے جو اس وقت وہاں پڑا تھا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکّہ کی لشکرکشی "جہاد" کہلائی جائے۔ لیکن سر ولیم میور اس کو نہیں مانتے، وہ ایک فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں :۔

"وہ کہتے ہیں کہ سورۂ ممتحنہ کی ابتدائی آیتیں حاطب کی نسبت ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ
"مہلت جنگ میں قریش سے کوئی بڑا میل جول اور سازش ہو گئی تھی جو اُن کے عام بیان
"سے معلوم ہوتی ہے، اس واسطے یہ آیتیں اس سے پہلے زمانہ کی ہوں گی"[1]

۳۵ - یہ قصّہ کہ رسول اللہ نے مکّہ پر حملہ کا ارادہ کیا تھا، حاطب نے اہل مکّہ کو اُس سے خبردار کر دیا، اُس کا حال رسول اللہ کو وحی سے معلوم ہو گیا، صحیح اور معتبر احادیث سے ثابت نہیں ہوتا۔ بخاری[2] کی صحیح حدیث میں صرف اس قدر ہے کہ یہ آیت حاطب کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ اُس وقت نازل ہوئی ہے جب کہ مکّہ کو جا رہے تھے، نہ اس کا ذکر ہے کہ یہ مخبری اس حملہ مجوزہ کی نسبت تھی۔ صحیح حدیث میں صرف اسی قدر ہے کہ اس خبر میں رسول اللہ کی کوئی بات تھی۔

حاطب کا قصّہ

علاوہ بریں "اِنْ کُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ" کا یہ ترجمہ کرنا کہ "اگر میرے مذہب کی حمایت کی غرض سے لڑائی کرنے کو جاتے ہو، یا میرے راستہ میں لڑائی لڑنے کو نکلے ہو، یا میرے واسطے خوب زور سے لڑائی کرنے کو جاتے ہو، بالکل غلط ہے۔ اس کے سیدھے سادے معنے ہیں کہ اگر تم میرے کام میں کوشش کرنے کی غرض سے نکلے ہو، اور یہ جملہ اس آیت کا ایک تتمہ یا نتیجہ ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم مکّہ سے بایں غرض نکلے ہو کہ میرے منشاء میں کوشش کرو، اور ہجرت کی دِقّتیں جھیل رہے ہو، بے خانمانی کے مصائب اور پریشانیاں برداشت کر رہے ہو۔ اپنے گھر اور مال و متاع کو غیر محفوظ چھوڑ آئے ہو، اور یہ سب (جہاد) درد و رنج ابتغاءً لمرضاۃ اللہ اُٹھا رہے ہو، تو تمہیں چاہیئے کہ تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، جو اُس صداقت کے منکر

---

[1] سیرت محمدی جلد ۴ صفحہ ۱۱۴۔
[2] کتاب المغازی صفحہ ۶۱۲ - و کتاب التفسیر صفحہ ۷۲۶ - مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۰۵ھ -

ہیں جس پر تم ایمان لائے ہو، اور انہوں نے تمہیں اور پیغمبرؐ کو صرف اس وجہ سے تمہارے گھر (مکّہ) سے بے گھر کیا ہے کہ تم خدا پر ایمان لائے ہو۔

۳۶۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

۲۳۔ الحجرات ۴۹۔ آیت ۱۵۔

سچے مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ اور رسول پر ایمان لائے پھر کسی طرح کا شک وشبہ نہیں کیا۔ اور اللہ کے راستہ میں اپنے جان ومال سے کوشش کی۔ حقیقت میں یہی سچے مسلمان ہیں۔

ترجمہ سیل۔ "وہ جو اپنے مال اور جانیں خدا کے سچّے مذہب کی تائید میں لگاتے ہیں"۔

ترجمہ راڈویل۔ "جو اپنے مال اور جانوں سے لڑائی کرتے ہیں"۔

ترجمہ پامر "جو اپنے مال اور جان سے خوب زور سے لڑتے ہیں"۔

دیکھو میری رائے مصرحہ نمبر ۷ الفقرۂ ۲۹۔ ضمیمۂ ہٰذا۔

۳۷۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَکُوْا وَ لَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جٰھَدُوْا مِنْکُمْ وَلَمْ یَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلَا رَسُوْلِہٖ وَلَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْجَۃً وَاللّٰہُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

۲۴۔ التوبہ ۹۔ آیت ۱۶۔

مسلمانو! کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ مفت میں چھوٹ جاؤگے۔ حالانکہ اللہ نے اُن لوگوں کو تم میں سے ابھی جانچا نہیں جنہوں نے کوششیں کیں اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے سوا کسی کو اپنا دوست نہیں بنایا اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب خبردار ہے۔

ترجمہ سیل۔ "اس کے مذہب کے واسطے لڑائی کی"۔

ترجمہ راڈویل۔ "دلاورانہ لڑائی کی"۔

ترجمہ پامر "خوب زور سے لڑائی کی"

۳۸- اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ٥ ۲۵- ایضاً آیت ۱۹	کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور حرمت والی مسجد خانہ کعبہ کے بنانے کو اُس شخص کے برابر سمجھ لیا ہے جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لایا۔ اور اللہ کے رستہ میں اُس نے کوشش کی ہے۔ اللہ کے نزدیک تو یہ لوگ ایک دوسرے کے برابر نہیں۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ راست نہیں دکھایا کرتا۔

ترجمہ سیل:۔ "لڑائی کی"

ترجمہ راڈویل :۔ "لڑائی کی"

ترجمہ پامر:۔ "کوشش کرتا ہے"

۳۹- اَلَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۲۶- التوبہ ۹ آیت ۲۰	وہ مسلمان جو ایمان لائے اور ہجرتیں کیں اور اپنے مال اور جانوں سے اللہ کے رستہ میں کوششیں کیں اللہ کے نزدیک درجہ میں بہت بڑے ہیں۔ اور وہی لوگ ہیں جو منزل مقصود کو پہنچنے والے ہیں۔

ترجمہ سیل:۔ "اپنے مال اور جانیں اللہ کے سچّے مذہب کی تائید میں لگاتے ہیں"

ترجمہ راڈویل:۔ "خدا کے راستہ میں اپنے مال اور جان سے کوشش کرتے ہیں"

ترجمہ پامر:۔ "خدا کے راستہ میں اپنی دولت اور جان سے محنت کرتے ہیں"

۴۰- قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ ۲۷- التوبہ ۹- آیت ۲۴	اے پیغمبر مسلمانوں کو کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ تمہارے بیٹے × × × × × × × × × ×

وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اِۨقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝	تمہارے بھائی - تمہاری بیبیاں - تمہارے خاندان والے مال جو تم نے کمائے ہیں - اور سوداگری جس کے مندا پڑنے کا تم کو اندیشہ ہے اور مکانات جس میں رہنے کو تمہارا جی چاہتا ہے اللہ اور اس کے رسول اور اللہ کے رستہ میں کوشش کرنے × × سے تم کو زیادہ عزیز ہیں تو ذرہ صبر کرو - یہاں تک کہ جو کچھ کہ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لا موجود کرے - اور اللہ اُن لوگوں کو جو اُسکے حکم سے سرتابی کریں ہدایت نہیں کرتا ۔

ترجمۂ سیل :- "اُس کے مذہب کی ترقی میں"

ترجمۂ راڈویل :- "اُس کے راستہ میں کوشش"۔

ترجمۂ پامر :- "خوب زور سے لڑائی لڑنا"۔

۴۱- اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (۲۸- التوبہ ۹ آیت ۴۱)	مسلمانو! ہلکے (بے ہتھیار) اور بھاری (مسلّح) خدا کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے کوشش کرنے کو نکل کھڑے ہوا کرو اگر تم اس کے مصلحتوں سے واقف ہو تو یہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہے -

ترجمۂ سیل :- "خدا کے سچے دین کی ترقی کے واسطے اپنے مال اور اپنی جان لگا دو"۔

ترجمۂ راڈویل :- "اپنے مال اور اپنی جان سے لڑائی کرو"

ترجمۂ پامر :- "اپنی دولت اور اپنی جان سے خوب زور سے لڑائی کرو"۔

۴۲- لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (۲۹- التوبہ ۹- آیت ۴۴)	اے پیغمبر! جو لوگ اللہ کا اور روز آخرت کا یقین رکھتے ہیں وہ تو تم سے اس بات کی رخصت مانگتے نہیں

وَالْیَوْمِ الْآخِرِ اَنْ یُّجَاہِدُوْا بِاَمْوَالِہِمْ وَاَنْفُسِہِمْ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِالْمُتَّقِیْنَ ٥	کہ اپنی جان و مال سے شریک محنت نہ ہوں۔ اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔

ترجمۂ سیل:۔ ”خدا کے دین کی ترقی کے واسطے اپنے مال اور اپنی جانیں لگا دو“۔

ترجمۂ راڈویل:۔ ” اپنے مال اور جان سے لڑائی لڑنا“۔

ترجمۂ پامر۔ ” خوب زور سے لڑائی لڑنا“۔

۴۳۔ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِہِمْ خِلَافَ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَکَرِہُوْا اَنْ یُّجَاہِدُوْا بِاَمْوَالِہِمْ وَاَنْفُسِہِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَہَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ کَانُوْا یَفْقَہُوْنَ ٥ (۳۰۔ التوبہ ۹ آیت ۸۲)	جو منافق اُن کے اپنے اصرار سے پیچھے چھوڑ دئیے گئے۔ وہ رسول خدا کی خلاف رائے اپنے گھروں میں بیٹھ رہنے سے بہت خوش ہوئے اور راہ خدا میں اپنی جان و مال سے (یُجَاھِدُوا) کوشش کرنا اُن کو ناگوار گزرا اور لوگوں کو بھی سمجھانے لگے کہ ایسی گرمی میں گھر سے نہ نکلنا۔ اے پیغمبر ان لوگوں سے کہدو۔ کہ گرمی تو دوزخ کی آگ کی بہت سخت ہی ای کاش انکو اتنی سمجھ ہوتی

ترجمۂ سیل:۔ ” اپنے جان و مال کو خدا کے سچے دین کی ترقی میں لگانا“۔

ترجمۂ راڈویل:۔ ” اپنے مال و دولت اور جان لگا کر جھگڑنا“۔

ترجمۂ پامر:۔ ” اپنی دولت اور اپنی جان لے کر خوب زور سے لڑائی کرنا“۔

۴۴۔ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَۃٌ اَنْ آمِنُوْا بِاللّٰہِ وَجَاہِدُوْا مَعَ رَسُوْلِہِ اسْتَأْذَنَکَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْہُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَکُنْ مَّعَ الْقٰعِدِیْنَ ٥ (۳۱۔ التوبہ ۹ آیت ۸۷)	اور اے پیغمبر جب کوئی سورۃ نازل کی جاتی ہے اور اُس میں حکم ہوتا ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ۔ اور اُس کے رسول کے ساتھ رہ کر کوشش کرو۔ تو جو اُن میں سے صاحب مقدور ہیں وہی تم سے اجازت مانگنے لگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم کو چھوڑ جاؤ دوسرے بیٹھنے والوں کے ساتھ ہم بھی گھروں میں بیٹھ رہیں۔

ترجمۂ سیل:۔ ” جاؤ لڑائی کے واسطے“۔

ترجمۂ راڈویل:۔ ” جھگڑا کرو“۔

ترجمہ پامر :- ’’ خوب لڑائی لڑو‘‘۔

۴۵ - لٰکِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ جَاہَدُوْا بِاَمْوَالِہِمْ وَاَنْفُسِہِمْ وَاُولٰٓئِکَ لَہُمُ الْخَیْرَاتُ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥

۳۲ - ایضاً آیت ۸۷ -

لیکن پیغمبر اور جو اُن کے ساتھ اللہ پر ایمان لائے ہیں ان سب نے اپنے مال و جان سے خدا کی راہ میں کوششیں کیں - یہی لوگ ہیں جن کے لئے یہ خوبیاں انتظار کر رہی ہیں - اور یہی لوگ ہیں -جو فلاح پانے والے ہیں -

ترجمۂ سیل :- ’’ اپنی جان و مال اُن کے لئے لاکر ڈال دئے‘‘۔

ترجمۂ راڈویل :- ’’ اپنی تھیلی اور اپنی جان سے جھگڑتے ہیں‘‘۔

ترجمۂ پامر :- ’’ اپنی دولت اور اپنی جان سے خوب زور لگاتے ہیں‘‘۔

۴۶ - یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاہِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ

۳۳ - المائدہ ٥ آیت ۳۹

مسلمانو ! اللہ سے ڈرتے رہو اور نیز اُس تک پہنچنے کے ذریعہ کی جستجو کرتے رہو - اور اُس کے رستہ میں کوشش کرو - تاکہ تمہیں فلاح مل جائے -

۴۷ - وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَہٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَہْدَ اَیْمَانِہِمْ اِنَّہُمْ لَمَعَکُمْ حَبِطَتْ اَعْمَالُہُمْ فَاَصْبَحُوْا خَاسِرِیْنَ

۳۴ - المائدہ ٥ آیت ۵۸ -

تو مسلمان کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جو ظاہر میں بڑے زور سے اللہ کی قسمیں کھاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اُن کی کوششیں سب بیکار ہیں - اور سراسر نقصان میں آگئے - . . . .

. . . .

ترجمۂ سیل :- ’’ نہایت پختہ‘‘

ترجمۂ راڈویل :- ’’ نہایت سنجیدہ ٥‘‘

ترجمۂ پامر :- ’’ خوب زور کی‘‘

۴۸- یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗٓ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝	۳۵- ایضاً آیت ۵۹	مسلمانو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین (اسلام) سے پھر جائے تو خدا (کو اس کی ذرہ بھی پروا نہیں وہ) ایسے لوگ موجود کردے گا جن کو وہ دوست رکھتا ہوگا- اور وہ اُس کو دوست رکھتے ہوں گے مسلمانوں کے ساتھ نرم اور کافروں کے ساتھ کڑے ہوں گے اللہ کی راہ میں خوب کوشش کریں گے اور کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت کا اندیشہ نہ رکھیں گے- یہ بھی خدا کا ایک فضل ہے جس کو چاہے وہ دے- اور اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے- اور وہ سب کے حال سے واقف ہے

ترجمۂ سیل: ”وہ خدا کے دین کے لئے لڑیں گے“۔

ترجمۂ راڈویل:- ”وہ خدا کے کام کے لئے جھگڑیں گے“۔

ترجمۂ پامر:- ”خدا کے واسطے کوشش کریں گے“۔

۴۹- ”جہاد“ کے معنے جنگ کرنے کے نہیں ہیں- یہ وہ کل آیات قرآن ہیں جن میں لفظ جہد یا جہاد یا اُس کے مشتقات آئے ہیں- میں نے یہاں خوب غور سے مترجمین و مفسرین اور قرآن کی اصلی عبارتوں کا مقابلہ کیا ہے کہ لفظ ”جہد یا جہاد“ عرب کی قدیم زبان اور نیز قرآن میں جنگ کرنے کے معنوں میں نہیں آیا ہے- بلکہ اُس کے معنے صرف اپنی وسعت بھر کوشش کرنے اور محنت مشقت کرنے کے ہیں- وہ معنے جو اس لفظ کے بیان کئے جاتے ہیں یقیناً وہ ایک اصطلاحی معنے ہیں- اور نزول قرآن سے بہت بعد اس میں پہنائے گئے ہیں÷

۵۰- میں اس کی نسبت بحث نہیں کرتا کہ قرآن میں جنگ کرنے کا حکم نہیں ہے- قرآن میں بہت سی آیات ایسی ہیں جن میں متبعین

قتل و قتال

رسول کو دفاعی جنگ کی اجازت دی گئی ہے۔ لیکن اقدامی لڑائی کے لئے کوئی حکم نہیں ہے۔ اس حکم کے لئے لفظ قتل اور قتال بالکل جدا طریق پر مستعمل ہوئے ہیں ÷

خاتمہ ۱۵۔ میں نے اس کتاب میں ان آیات کی بھی بخوبی تشریح کر دی ہے، جن میں الفاظ "قتل و قتال" آئے ہیں۔ اس ضمیمہ میں میرا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ جو مصنّفین و مفسّرین قرآن کی بعض آیات کو جن میں لفظ جہد یا جہاد اور اُس کے مشتقات آئے ہیں، اپنے دعوے کی تائید میں پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے جنگ و جدل کرنے اور خون بہانے کو جائز قرار دے رکھا ہے، اُن کا یہ دعوےٰ بالکل غلط ہے ÷

ضمیمۂ اوّل ختم ہوا

ضمیمۂ دوم

غلامی اور حرم بنانا جنگ کی لازمی خرابیاں

قرآن پر یہ غلط اتہام لگایا گیا ہے کہ اس میں اسیرانِ جنگ کو غلام بنانے کی اجازت دی گئی ہے، اور فاتحین کو قیدی عورتوں سے ہم آغوشی کا اختیار دیا گیا ہے، یا بالفاظ دیگر، قیدی عورتیں عین میدان جنگ میں حرم بنالی جاتی ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں ان دعووں کے ثبوت میں کوئی ایک جملہ بھی موجود نہیں ہے۔ سر ولیم میور اپنی کتاب "سیرت محمدی" میں قرآن مجید کی ایک آیت بھی پیش نہ کر سکے، جس میں اسیران جنگ کو غلام یا باندی بنالینے کی اجازت دی گئی ہو، اور نہ وہ اُن متعدّد لڑائیوں میں سے کسی ایک لڑائی میں بھی کوئی ایسی مثال پیش کر سکے، تاہم اپنی ایک نو تصنیف کتاب میں بڑے زور سے مگر مبہم طور پر، قرآن کا ایک حوالہ دیا ہے، اور جنگ ولجہ[1] کی نسبت جو ۱۲ھ ہجری میں خالد اور اہل فارس سے ہوئی تھی، خالد کی فاتحانہ تقریر نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

قرآن میں غلام اور حرم بنانے کی اجازت نہیں

"اب اُس نے قرآن کی اُس فیلسوفانہ تزویر کو بیان کرنا شروع کیا جو عورتوں کی
"نسبت کہی گئی ہے۔ بے شمار ایرانی عورتیں جس میں باندیاں اور بیبیاں دونوں
"شریک تھیں، اور جو اُن کے دہنے ہاتھ کی گرفتار کردہ تھیں، باہر لائی گئیں۔ اور

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۲ صفحہ ۱۹۶۔ مطبوعہ یورپ۔

"فتح مندوں کی ہم آغوشی کے لئے جائز کر دی گئیں۔ اور اس حق سے متمتع ہونے
"کے لئے اُنہوں نے اس تحریری فیصلہ کی نسبت کفار کے ساتھ عمل کرنے میں کچھ بھی
"سستی نہ کی۔"[1]

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب صورت واقعہ یہ تھی، تو خالد نے مسلمانوں سے قرآن کی اُس مفروضہ "فیلسوفانہ تزویر" کا کیوں ذکر نہ کیا؟ قرآن کی اس خیالی تزویر کے ذکر سے کہ "قیدی عورتیں فاتحوں پر حلال ہیں" وہ ایسا جوش پیدا کر سکتے تھے کہ ہر ایک بدو کا دل خوشی سے اُچھلنے لگتا، لیکن اُنہوں نے بجائے اس کے صرف وہاں کی زرخیز زمینوں اور لہلہاتے کھیتوں کا ذکر کیا۔ واقعی بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں کسی ایسی تحریک و ترغیب کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔

قرآن میں غلامی کے انسداد کی تدابیر

۲ اتنا تو صحیح ہے کہ قرآن میں غلاموں کا ذکر موجود ہے، لیکن آیندہ اُن کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ قرآن میں ہر طرح کی اخلاقی، قانونی، مذہبی اور ملکی تدابیر سے اُس کے قلع قمع کی کوشش کی گئی ہے۔ غلاموں کا آزاد کرنا اخلاقی حیثیت سے زہد و راستبازی کا کام بتایا گیا ہے[2]، قانوناً غلاموں

---

[1] ارلی خلافت مصنفہ سر ولیم میور، صفحہ ۷۵، طبع لندن ۱۸۸۳ء۔

[2] فَكُّ رَقَبَةٍ (البلد ۹۰ - آیت ۱۳)
کسی کی گردن کا غلامی سے چھڑا دینا۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ (البقرہ ۲ - آیت ۱۷۲)
نیکی یہی نہیں ہے کہ نماز میں اپنا منہ مشرق کی طرف کر دیا مغرب کی طرف۔ بلکہ اصل نیکی تو اُن کی ہے جو اللہ اور روز آخرت اور فرشتوں اور آسمانی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے۔ اور مال عزیز اللہ کی حب پر رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیا۔ اور غلامی کی قید سے اُن کی گردنوں کے چھڑانے میں لگایا۔

کے آزاد کئے جانے کا حکم ہے، بشرطیکہ وہ فدیہ دینے کو راضی ہوں[۱]، قتل خطا کی سزا میں یہ حکم دیا گیا۔ کہ غلام آزاد کئے جائیں[۲] طلاق ناجائز کے کفارہ میں بھی ان کی آزادی کا حکم دیا گیا[۳]، وہ بیت المال کے روپیہ سے فدیہ دے کر آزاد کئے جا سکتے تھے[۴]، وہ

۱؎ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(النور ۲۴ - آیت ۳۳)

۱؎ اور تمہارے ہاتھ کے مال یعنی غلاموں میں سے جو مکاتبت کے خواہاں ہوں تو تم اُن کے ساتھ مکاتبت کر لیا کرو بشرطیکہ اُن میں تم بہتری کے آثار پاؤ۔ اور مال خدا میں سے جو اُس نے تم کو دے رکھا ہے اُن کو بھی دو۔ اور تمہاری لونڈیاں جو پاکدامن رہنا چاہتی ہیں۔ اُن کو دُنیا کی زندگی کے عارضی فائدہ کی غرض سے حرامکاری پر مجبور نہ کرو۔ اور جو اُن کو مجبور کرے گا تو اللہ اُن کے مجبور کئے گئے پیچھے بخشنے والا مہربان ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو عورتیں گناہ پر مجبور کی جائیں اُن کے لئے بخشش کی اُمید ہے۔

۲؎ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَــــًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَــــًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَھْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۔ (النساء ۴ - آیت ۹۴)

۲؎ کسی مسلمان کو روا نہیں کہ کسی مسلمان کو جان سے مار ڈالے اگر نادانستہ مار ڈالا ہو تو دوسری بات ہے۔ اور جو مسلمان کو نادانستہ بھی مار ڈالے۔ تو ایک مسلمان بردہ آزاد کرے۔ اور وارثان مقتول کو خون بہا دے۔ یہ الگ ہے مگر یہ کہ وارثان مقتول خون بہا معاف کر دیں

۳؎ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۔

(المجادلہ ۵۸ - آیت ۴)

۳؎ اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے یعنی اُن کو اپنی ماں کہہ دیتے ہیں پھر لوٹ کر وہی کام کرنا چاہتے ہیں جس کو کہہ چکے ہیں کہ نہیں کریں گے تو ایکدوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے مرد کو ایک بردہ آزاد کرنا چاہیئے۔

۴؎ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاۗءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ

(التوبہ ۹ - آیت ۶۰)

۴؎ خیرات کا مال تو بس فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں کا اور اُن کارکنوں کا جو صدقات کے وصول کرنے پر تعینات ہیں اور اُن لوگوں کا جن کے دلوں کا راضی کرنا منظور ہے۔ اُن مصارف میں زکوٰۃ کو خرچ کیا جائے اور نیز قید غلامی سے غلاموں کی گردنوں کے چھڑانے میں۔ اور نیز حق ہے قرضداروں کا اور خدا کی راہ میں کام کرنے والوں کا اور مسافروں کا۔

ایمان لغو (یعنے بیہودہ قسموں) کے کفارہ میں رہا کیئے جاتے تھے۔[ا]

یہ وہ تدبیریں تھیں جو اُس زمانہ کی موجودہ اور مروّجہ غلامی کے موقوف کرنے کے لئے اختیار کی گئی تھیں۔ لیکن قرآن نے آیندہ انسداد غلامی کی غرض سے اس کی جڑ میں ایسی گلہاڑی ماری کہ اس کا قلع و قمع ہوگیا، اور اس سرچشمہ ہی کو مسدود کردیا۔ سورۂ محمدؐ میں، قیدیان جنگ کے بارہ میں، یہ صاف اور صریح حکم دیا گیا ہے کہ وہ یا تو احسانا چھوڑ دئے جائیں یا فدیہ لے کر۔ اس سے نہ تو آیندہ اُن کے غلام بنانے کی اجازت رہی اور نہ قتل کرنے کی۔

(۱) فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ۔
(محمد ۴۷ - آیت ۴)

(۱) مسلمانو! جب لڑائی میں کافروں سے تمہاری مُٹ بھیڑ ہو تو اُن کی گردنیں مار چلو یہاں تک کہ جب خوب اچھی طرح اُن کا زور توڑ لو تو اُن کی مُشکیں کس لو۔

(۲) فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا۔
(محمد ۴۷ - آیت ۵)

(۲) پھر قید کیئے پیچھے یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دو یا معاوضہ لیکر۔ یہاں تک کہ دُشمن لڑائی میں ہتھیار رکھ دیں۔ (محمد ۴۷ - آیت ۵)

یہ آیتیں نہایت صراحت سے آیندہ انسداد غلامی کا ایک دائمی فرمان ہیں، اس میں اَور کسی تصریح کی ضرورت نہیں ہے۔ علاوہ بریں اس کے بعد حین حیات رسول مقبولؐ کا اسی پر عمل درآمد رہا۔[۲]

[ا] لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ (المائدہ ۵ - آیت ۹۱)۔

[ا] قسموں پر جو بے فائدہ ہیں اُن پر اللہ تم سے مواخذہ نہیں کرتا۔ ہاں پختہ قسم کھالو اور پھر اُس کے خلاف کرو تو خدا تم سے اس کا مواخذہ کرے گا۔ تو قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو بیچ کی راس کا کھانا کھلا دینا ہے جیسا کہ تم اپنے بال بچوں کو کھلایا کرتے ہو یا اُنہی دس مسکینوں کو کپڑے بنا دینا یا ایک غلام آزاد کر دینا۔

[۲] ملاحظہ ہو زرقانی شرح مواہب لدنیہ جلد ا صفحہ ۴۲۳ و ۴۲۴ مطبوعہ مصر۔

۳ اور یہی وجہ تھی کہ جنگ بدر (۲ھ) یا جنگ قرقرہ القدر (۳ھ) یا جنگ قطن (بمقام نجد ۴ھ) یا جنگ ذات الرقاع[1] (۵ھ) یا جنگ بنی مصطلق (۵ھ) یا جنگ قریظہ (۵ھ) یا جنگ بطن مکہ[2] (۶ھ) اور جنگ حنین[3] (یا ہوازن، ۸ھ) میں سے کسی ایک جنگ کے قیدی بھی غلام نہیں بنائے گئے، وہ سب کے سب بلا استثنائے احدے، باتباع فرمان سورۂ محمد (آیت ۵) یا تو احساناً چھوڑ دئے گئے یا فدیہ لے کر، بصورت نقد یا بمعاوضہ مسلمان قیدیان جنگ۔ اب رہیں جنگ ہائے اُحد (۳ھ) احزاب

قیدیان جنگ میں سے ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا۔

[1] سیرت محمدی مصنفہ سر ولیم میور، جلد ۳ صفحہ ۲۲۳۔

[2] بقول ہشامی (صفحہ ۷۴۵ مطبوعہ یورپ) کوئی پچاس یا چالیس قریشی رسول اللہ کی لشکرگاہ کے گرد بایں غرض گھومتے تھے کہ کوئی بھولا بھٹکا مسلمان مل جائے تو اُسے قتل کر ڈالیں۔ اس کے بعد انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا، اور پتھر اور تیر برسائے۔ جس کی وجہ سے وہ گرفتار کر کے رسول اللہ کے پاس لائے گئے۔ آپ نے اُنہیں معاف فرما کر چھوڑ دیا۔ (سیرۃ محمدی، مصنفہ میور، جلد ۴ صفحہ ۳۱ فٹ نوٹ اور صحیح مسلم، کتاب الجہاد و السیر باب التنفیل و الفدیہ)

[3] بنی ہوازن کے تمام اسیران جنگ حنین بلا اخذ فدیہ، احساناً چھوڑ دئے گئے۔ اور اُن میں سے ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا (سیرت محمدی مصنفہ میور، جلد ۴ صفحہ ۱۴۸ و ۱۴۹)۔ سر ولیم میور کا یہ بیان کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ نے اسیران بنی ہوازن میں سے تین لونڈیاں حضرت علی، عثمان اور عمر کو تحفۃً دی تھیں، کیونکہ ان میں سے ایک قیدی بھی غلام نہیں بنایا گیا تھا، وہ صرف قیدی تھے۔ چنانچہ خود سر ولیم میور نے اس بات کا اقرار کیا ہے (صفحہ ۱۴۸-۱۴۹)، اور پھر بھی وہ ان تینوں قیدی عورتوں کو "لونڈیوں" ہی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

یہ قیدی اور تمام سامان لشکرگاہ بانتظار تکمیل معاہدہ وادی جعرانہ میں بھیج دیا گیا تھا (صفحہ ۱۴۲)۔ جب معاہدہ مکمّل ہو چکا تو تمام اسیرانِ جنگ چھوڑ دئے گئے۔ جب صورت واقعہ یہ تھی تو بھلا قیدی کس طرح تقسیم کئے جا سکتے تھے۔ یہ تمام تفصیل ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ تا ۱۱۳ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء میں موجود ہے۔

(۵ھ) اور خیبر (۷ھ)، ان میں سے کسی ایک میں بھی کوئی قیدی نہیں پکڑا گیا۔[۱]

۴۔ بعض لوگ بنی قریظہ کی نسبت یہ اعتراض کریں گے کہ اُن کی عورتیں اور بچے لونڈی غلام بنا کر نجد کے بازار میں فروخت کئے گئے۔

بنی قریظہ غلام نہیں بنائے گئے۔

سر ولیم میور نے بنی قریظہ کے بارے میں سعد کا یہ فیصلہ نقل کیا ہے

---

[۱] سر ولیم میور لکھتے ہیں :۔
ہشامی کہتا ہے کہ جنگ خیبر کے زمانہ سے مسلمانوں میں غلاموں کی کثرت ہو گئی تھی (صفحہ ۳۳۳) مگر مجھے بنی کنانہ کے سوا خیبر کے غلاموں میں کسی اَور کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ البتہ یہ ممکن تھا کہ خیبر کے مال غنیمت سے، فاتحین، ملک عرب میں جہاں سے چاہتے ارزاں نرخ پر غلام خرید کر سکتے تھے۔
(سیرت محمدی جلد ۴ صفحہ ۷۳۔۷۴۔ اور اس کا فٹ نوٹ)

ہشامی نے جو لفظ "سبایا" استعمال کیا ہے، اُس کے معنے "مال و غلام" دونو ہیں، جو غنیمت میں ہاتھ آئے ہوں، نہ کہ صرف غلام۔ اگرچہ قیدیوں کے بارہ میں عربوں کے قومی قوانین کی رو سے یہ دستور تھا کہ اگر فدیہ نہ دیا جائے تو غلام بنا لئے جائیں۔ لیکن بنی کنانہ ہرگز غلام نہیں بنائے گئے۔ کنانہ قید کے بعد قتل کر دیا گیا تھا کیونکہ اُس نے محمود بن مسلمہ کو قتل کر ڈالا تھا (دیکھو کتاب ہذا کا فقرہ ۷۵) اب رہی یہ کہانی کہ کنانہ کے قتل کے بعد رسول اللہ نے اس کی بی بی کو بُلا کر اُس پر اپنی چادر کا پلّو اُڑھایا اور گویا اُسے اپنے لئے منتخب کیا، اور پھر اُس سے نکاح کیا، اور اُس کا مہر یہ قرار دیا کہ وہ آزاد کر دی جائے (سیرت محمدی مصنفہ سر ولیم میور، صفحہ ۶۸ و ۶۹) یہ بالکل صحیح اور مستند نہیں ہے۔ اس کا خاندان یعنے صفیہ اور اس کا ابن عم، غلام نہیں بنائے گئے تھے، اس بارہ میں کوئی صحیح اور موضوع حدیث موجود نہیں ہے، جس سے اس کی تصدیق کی جا سکے۔ میں یہاں وہ تقریر لکھتا ہوں جو رسول اللہ نے صفیہ، بیوۂ کنانہ، سے کی تھی، اور جس کو ابو المعتمر سلیمان بن طرخان (متوفی ۱۴۳ھ) نے اپنی مغازی الرسول میں نقل کیا ہے۔ رسول اللہؐ نے صفیہؓ سے فرمایا "میری طرف سے تجھے اجازت ہے کہ چاہے تو اسلام قبول کر اور چاہے یہودی رہ۔ اگر تو مسلمان ہو گئی تو شاید میں تجھے آزاد کردوں گا، اور تجھے یہ اختیار ہوگا کہ تو اپنے قبیلہ میں چلی جائے"۔ (مغازی الرسول واقدی صفحہ ۳۹۳، مطبوعہ کلکتہ، (۱۸۵۶ء) اس گفتگو سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ کو صفیہ کا لونڈی بنانا منظور نہیں تھا۔

اب رہا اس قصہ کا دوسرا رُخ کہ صفیہ دحیہ کو حوالہ کر دی گئی تھی، اور پھر اُس سے خریدی گئی، یہ انس سے منقول ہے، جن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ انس اُس زمانہ میں جب کہ رسول اللہ خیبر کو جا رہے تھے، چند ہی روز ہوئے تھے کہ آپ کی خدمت میں داخل ہوئے تھے، (دیکھو صفحہ ۲۲۹)

کہ " اُن کی عورتیں اور بچّے قیدی غلاموں کی طرح فروخت کر دئے جائیں ، اور رسول اللہ نے اسے منظور بھی کر لیا تھا"۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں :-

" غنیمت کا خمس معمولی طور پر رسول اللہ کے لئے نکال کے باقی مال تقسیم کر دیا گیا۔ رسول اللہ " نے اس خمس میں سے کچھ لونڈیاں اور خدمتگار اپنے دوستوں کو تحفۃً دئے ، اور باقی عورتیں

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) اور اُس وقت اُن کی عمر صرف بارہ برس کی تھی۔ بخاری نے انس رضؓ سے یہ روایت کی ہے ، " وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ نے خیبر پر چڑھائی کے وقت ابو طلحہ سے کہا کہ ایک لڑکا ہماری خدمت کے لئے لادو ، وہ مجھے لے گئے ، میں اُس وقت صرف ایک لڑکا تھا اور مراہق ہو چکا تھا " (بخاری ، کتاب الجہاد)
انس سے اس بارے میں دو متضاد روایتیں منقول ہیں ۔
ایک یہ ہے کہ دحیہ نے رسول اللہ سے ایک قیدی لڑکی مانگی ، اور صفیہ کو لے گیا ، جب رسول اللہ کو صفیہ کا حال معلوم ہوا تو آپ نے دحیہ سے کہا کہ کوئی دُوسرا قیدی لے لو۔ اس کے بعد صفیہ کو آزاد کر کے اُس سے نکاح کر لیا ، اور اُس کی آزادی ہی اُس کا مہر قرار دیا گیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ صفیہ ، دحیہ کے حصہ میں آئی ، رسول اللہ نے سات اُونٹ کے عوض اُس کو مول لے لیا۔ وہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو یہ نہیں معلوم ہوا کہ آپ نے اُس سے نکاح کیا یا لونڈی بنایا ، لیکن جب وہ ایک اُونٹ پر سوار ہوئیں اور رسول اللہؐ نے اُن پر بُرقعہ اُڑھایا تو اُس وقت لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ صفیہ آپ کی بی بی ہیں۔ یہ دونو حدیثیں مُسلم نے انس رضؓ سے روایت کی ہیں (کتاب النکاح) جلد اول صفحہ ۳۰۴ مطبوعہ مصر اور بخاری صفحہ ۵۴ کتاب الصلوۃ۔
اس خیال کی پوری تصدیق نہیں ہوتی کہ رسول اللہؐ نے حالات مذکورۂ بالا میں صفیہ سے نکاح کیا ، یہ صرف لوگوں کا یا انس کا خیال ہی خیال تھا۔ اس پر سر ولیم میور کا رسول اللہ کی نسبت یہ لکھنا سراسر ہٹ دھرمی ہے کہ " واقعی وہ اس شُبہ سے بری نہیں کئے جاسکتے کہ کنانہ کی بربادی میں آپ کا قدم تھا ، اور آپ نے اس کی بی بی کے لے لینے کی خواہش کی تھی " (سیرۃ محمدی جلد ۴ ، صفحہ ۶۸ کا فٹ نوٹ) ۔ کنانہ محمود بن مسلمہ کے قصاص میں قتل کیا گیا تھا ، اور صفیہ نہ رسول اللہؐ کے نکاح میں آئی اور نہ لونڈی بنائی گئی ۔ اگر یہ بھی ثابت کر دیا جائے کہ رسول اللہ نے دوسرے حالات میں اُس کے بعد شادی ہی کر لی تھی تو (سر ولیم میور کی تحریر کے موافق) وہ صرف ایک قیاس ہوگا ، اور کسی حجت قطعی پر مبنی نہ ہوگا ۔
انس وغیرہ راویوں نے غالباً صفیہ کی نسبت مغالطہ کھایا ہے ، صفیہ رسول اللہ کی ایک پھوپھی کا بھی نام تھا ، جو اُس وقت خیبر کے حملہ میں آپ کے ساتھ تھیں (سیرت محمدی جلد ۴ ، صفحہ ۶۶ فٹ نوٹ) ، اور یہی نام کنانہ کی بی بی کا بھی تھا ، جس کی نسبت خیال کیا گیا کہ شاید رسول اللہؐ نے اُس سے نکاح کر لیا ہے ، اور اپنے ساتھ اُونٹ پر بٹھا لیا ہے ، اور وہ بی بی جن کے واسطے رسول اللہؐ نے اپنا گھٹنا جُھکا دیا تھا ، کہ وہ اُونٹ پر چڑھ جائیں (دیکھو صفحہ ۷۰) غالباً وہ آپ کی پھوپھی صفیہ تھیں ۔

+ + +

"اور بچے بدووں کے ہاتھ نجد میں بیچنے کے لئے بھیج دئے گئے، تاکہ اُن کے عوض میں "گھوڑے اور ہتھیار خرید لائیں[1]"۔

میں اس کتاب کے فقرۂ ۲۰ میں یہ ثابت کرچکا ہوں کہ رسول اللہ ؐ نے سعد بن معاذ کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ اب مجھے یہ اَور کہنا ہے کہ یہ فیصلہ صحیح روایتوں کی بنا پر اس بات پر حاوی نہیں ہے کہ بنی قریظہ کی عورتیں اور بچے خلاف حکم شرع لونڈی غلام بنا لئے جائیں کیونکہ یہ فیصلہ قرآن کے نص صریح اور رسول اللہ کے عمل درآمد کے خلاف ہے۔ صحیح بخاری میں (کتاب الجہاد، باب بنی قریظہ) اس مضمون کی دو حدیثیں آئی ہیں، ان دونو حدیثوں میں سعد کے الفاظ یہی ہیں کہ "ان عورتوں اور بچوں کو قید کیا جائے"۔ یہی مضمون بخاری کے دوسرے ابواب سے ثابت ہوتا ہے (کتاب الجہاد، صفحہ ۴۲۷، اور مناقب صفحہ ۵۳۶ مطبوعہ ۱۳۰۵ھ)۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ ؐ نے بنی قریظہ کے قیدیوں میں سے کچھ لونڈیاں اپنے دوستوں کو تحفۃً دی تھیں، کیونکہ یہ قیدی سرے سے غلام ہی نہیں بنائے گئے، لہٰذا قیدیوں کو غلاموں کے ساتھ خلط ملط کر دینا غلط ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ غلام بنائے گئے، قرآن میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ وہ قیدی تھے۔

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا۔ (الاحزاب ۳۳۔ آیت ۲۶)	اور اہل کتاب میں سے جو لوگ (یہودی) مشرکین کے مددگار ہوئے تھے خدا اُن کو اُن کی گڑھیوں سے نیچے اُتار لایا۔ اور اُن کے دلوں میں ایسی دھاک بٹھا دی کہ تم لگے بعض کو قتل کرنے اور بعض کو قید کرنے۔

[1] جلد سوم، صفحات ۲۷۸ و ۲۷۹۔

اصل بات یہ ہے کہ عورتیں اور بچّے نہ تو غدر کے مرتکب ہوئے تھے، اور نہ سزا کے مستوجب ٹھیرے، یا تو اُن کی نسبت سعد کا یہ فیصلہ غلط تھا، یا صرف اُن لوگوں کی نسبت تھا جنہوں نے غدر کیا۔ سر ولیم میور کے قول کے موافق صرف ایک عورت قتل کی گئی تھی، جس نے چھت پر سے چکّی کا پتھر نیچے گرایا تھا (سیرۃ محمدی جلد سوم، صفحہ ۲۷۷)، اس سے میری یہ رائے ہے کہ بالآخر تمام عورتیں اور بچّے چھوڑ دئے گئے، جن میں سے بعض نے فدیہ دیا، اور بعض احساناً آزاد کئے گئے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوا کہ ایک متنفّس بھی غلام کے طور پر فروخت کیا گیا ہو۔ لہٰذا سر ولیم میور نے ہشامی کا جو یہ قول نقل کیا ہے۔ کہ "بنی قریظہ کے عورت بچّے بدووں کے ہاتھ بازار نجد میں فروخت کرنے کے لئے بھیجے گئے اور اُن کے معاوضہ میں گھوڑے اور ہتھیار منگائے گئے" بالکل صحت سے عاری، اور اس روایت کے منافی ہے جو ابو المعتمر سلیمان بن طرخان (متوفی ۱۴۳ھ) نے ہشامی سے پہلے بیان کی ہے، اور جس کا بیان زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے، وہ کہتا ہے کہ:-

"رسول اللہ نے بنی قریظہ کے گھوڑے شام اور نجد کو نسل بڑھانے کے لئے بھیج دئے تھے، اور اُنہوں نے بڑے گھوڑے لے لئے تھے (مغازی الرسول واقدی، صفحہ ۳۷۴، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۶ء)۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف گھوڑے نجد کو بھیجے گئے تھے، نہ کہ عورتیں اور بچّے۔ ہشامی کے الفاظ ہیں۔

"سَبَایَا مِنْ سَبَایَا بَنِیْ قُرَیْظَۃَ" (صفحہ ۶۹۳)۔ "سبایا" سبی کی جمع ہے، اس کا اطلاق جس طرح آدمی پر ہوتا ہے اُسی طرح مال غنیمت پر بھی ہوتا ہے۔ محاورہ میں "سَبَی الْعَدُوَّ وَغَیْرَہٗ" کہا جاتا ہے، یعنے اُس نے دشمن وغیرہ کو قید کر لیا، یا پکڑ لیا، یا قیدی بنا لیا (مد القاموس مصنفہ لین، صفحہ ۱۳۰۳)۔ غالباً

ہشامی نے اس سے صرف گھوڑے مراد لئے ہیں، جو بنی قریظہ سے چھین کر نجد بھیجے گئے تھے، نہ کہ اُن کی عورتیں اور بچے۔

۵۔ سر ولیم میور کہتے ہیں کہ انہیں اسیران بنی قریظہ میں ریحانہ ایک عورت تھی، جسے رسول اللہ ؐ نے اپنی حرم بنالیا تھا۔ اُن کی ہمیشہ یہ عادت ہے کہ مرد قیدیوں کو غلام اور عورت قیدیوں کو لونڈی اور حرم کہہ دیا کرتے ہیں ریحانہ

ریحانہ کے بارہ میں کئی مبہم اور متضاد حدیثیں آئی ہیں۔ محمد بن سعد کاتب واقدی نے عمرو بن الحکم اور محمد بن کعب وغیرہ سے کئی حدیثیں اس مضمون کی روایت کی ہیں کہ رسول اللہ ؐ نے ریحانہ سے نکاح کیا تھا۔ ابن سعد کاتب واقدی کا بیان ہے کہ "اس حدیث کو اہل علم نے تسلیم کر لیا ہے، لیکن اُس نے یہ بھی سُنا تھا کہ ریحانہ آپ کی حرم تھی"[1] لیکن سر ولیم میور نے اُس قول کو لیا ہے جو مشتبہ اور غیر مستند ہے۔ چنانچہ وہ ایک فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں:-

"جب آپ نے اُس سے شادی کا ارادہ ظاہر کیا اور کہا کہ اُس کے وہی حقوق ہوں گے
"جو آپ کی دوسری بیبیوں کے ہیں، تو اس کی معذرت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے
"نہیں یا رسول اللہ مجھے اپنی حرم ہی کی طرح رہنے دیجئے، میرے اور آپ کے دونو کے
"کے لئے زیادہ سہل ہے"[2]

اگر یہ حدیث صحیح بھی تسلیم کر لی جائے تب بھی اُن کا وہ بیان، جو انہوں نے متن میں لکھا ہے، صحیح نہ ہوگا۔ اُن کا بیان یہ ہے کہ:-

"آپ نے ریحانہ سے اپنی بیوی بننے کی خواہش کی، مگر اُس نے انکار کیا، (جب کہ

---

[1] دیکھو ابن حجر کی وہ کتاب جس میں اُس نے اُن لوگوں کے تذکرات لکھے ہیں جو رسول اللہ کو جانتے تھے یعنے الاصابہ جلد ۴، صفحہ ۵۹۱، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۳ء۔ یا ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۹۲ مطبوعہ یورپ۔

[2] سرت محمدی، جلد ۳ صفحہ ۲۷۸۔ یا الاصابہ جلد ۴۔ صفحہ ۵۹۱ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۳ء

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

"اُس نے نکاح سے انکار کیا تھا تو اُسے اَور کسی بات کا اختیار نہ تھا) اور صرف لونڈی یا
"حرم رہنا ہی پسند کیا۔"
لیکن دراصل نہ تو وہ لونڈی بنائی گئی، اور نہ حرم - یہ بڑے افسوس کی بات ہے
کہ "سیرت محمدی" کا مصنف ایک لغو طور پر غلامی اور حرم بنانے کو خلط ملط کر دیتا ہے۔
۶ - چونکہ رسول اللہ ؐ نے غلامی موقوف کرنے کا حکم دے دیا تھا، لہٰذا حضرت عمرؓ

حضرت عمرؓ نے تمام عرب غلاموں کو آزادی بخش دی۔

کی خلافت میں تمام موجودہ غلام آزاد کر دئے گئے تھے۔ لیکن یہ آپ کو معلوم ہو گا، کہ جناب رسالت مآبؐ کی خواہش کے صرف ایک حصّہ کی تعمیل ہوئی تھی۔ آپ کے بعد مخلوق نے اس پر توجّہ نہ کی، اور متاخّرین فقہا نے تو عربوں کو بھی غلام بنانے کا فتوےٰ دے دیا تھا۔ سر ولیم میور اپنی آخری کتاب "سنین خلافت اولیٰ" میں لکھتے ہیں:-

"اس پر بھی عربوں کی ایک بڑی تعداد غلام تھی۔ جو بزمانہ ارتداد یا اُس سے پیشتر باہمی
"جنگوں میں گرفتار ہو گئے تھے، اور اپنے اہل ملک کے ہاتھوں میں گرفتار چلے آتے تھے۔
"حضرت عمرؓ کو یہ بات اچھی نہ معلوم ہوئی، اور یہ مناسب بھی نہ تھا کہ کسی شریف شخص کے
"گلے میں طوق غلامی پڑا رہے۔ لہٰذا اُنھوں نے اپنے زمانہ خلافت میں اس مضمون کا
"ایک فرمان جاری کیا کہ "اللہ نے ہمارے عربوں کو غلبہ دیا ہے" اور ممالک غیر پر تمہیں بڑی
"بڑی فتوحات حاصل ہوئی ہیں۔ لہٰذا یہ مُناسب نہیں ہے کہ ہم میں سے ایک شخص بھی جو
"زمانہ جاہلیت میں، یا اُس زمانہ میں جب کہ مرتدین سے لڑائی جاری تھی گرفتار رہوا ہو" غلام
"بنا رہے"۔ اس پر عربی النسل غلام فدیہ لے کر رہا کر دئے گئے، البتہ وہ لونڈیاں آزاد
"نہیں کی گئیں جو اپنے آقاؤں سے اُمّ الولد ہو چکی تھیں۔ لہٰذا وہ سب لوگ تلاش کو نکل
"کھڑے ہوئے، جن کے زن و فرزند گُم ہو گئے تھے۔ تاکہ اگر اتفاقات سے وہ مل جائیں تو
"اُن کا دعوےٰ کرسکیں۔ ان حسرت ناک سفروں کی بعض عجیب وغریب کہانیاں بیان کی جاتی

"ہیں۔ اشعث نے بنی نجیر میں اپنی دو بیبیوں کو قید پایا۔ لیکن بعض عورتیں جو قید ہو کر مدینہ "میں چلی گئی تھیں، اُنھوں نے اپنے فاتحوں کے پاس ہی رہنا پسند کیا[1]"

حضرت عمرؓ کے اس فرمان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ رسول کی لڑائیوں میں کوئی شخص غلام نہیں بنایا گیا، کیونکہ اُنھوں نے صرف اسیران زمانہ جاہلیت (قبل رسول) اور قیدیان جنگ ہائے قبائل مرتد بن (بعد رسول) ہی کا ذکر کیا ہے، اور صرف یہی غلام بنائے گئے تھے۔

حرم بنانا

۷۔ قرآن میں کسی جگہ یہ اجازت نہیں دی گئی ہے کہ قیدی عورتیں حرم بنالی جائیں۔ اور جب قرآن نے آیندہ غلامی کا قلع قمع کر دیا ہے تو پھر حرم بنانے پر بحث کرنا ہی فضول ہے، کیونکہ اس کا وجود غلامی کے جواز اور عدم جواز پر منحصر ہے۔ قرآن نے ابتداءً اُس کی خرابی کا انسداد صراحتہً و کنایتہً اور سلباً و ایجاباً ہر طرح سے کیا۔ سب سے اوّل صرف نکاح کو عورت و مرد کے میل ملاپ کا قانونی و شرعی ذریعہ ٹھیرایا، اور یہ تاکید کی گئی کہ موجودہ لونڈیوں سے نکاح کر و سورۂ نساء اور نور میں صراحتہً اس کا ذکر موجود ہے۔ اور سورۂ مائدہ (آیت ۷) میں توصاف صاف حرم بنانے کی ممانعت کی گئی ہے۔

(۱) وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ج فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً

(۱) اور اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف قائم نہ رکھ سکو گے تو اپنی مرضی کے مطابق دو دو اور تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر تم کو اس

[1] ان میں سے طبری نے دو کا نام لیا ہے (جلد اول، صفحہ ۲۴۴۸)۔ عرب غلام کے لئے بہت ہی خفیف فدیہ مقرر کیا گیا تھا، سات اونٹ اور چھ بچے۔ اور جن قبائل کو بہت نقصان پہنچا تھا (جیسے بنی حنیفہ، بنی کندہ، اور عمان کے باشندے جن کو دبا کے مقام پر شکست ہوئی تھی۔ ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۸۶ اُن سے یہ بھی نہیں لیا جاتا تھا۔ (سنین خلافت اولیٰ، مصنفہ سر ولیم میور، صفحہ ۶۳ و ۶۴ مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۸۳ء)۔

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝

(النّساء ۴ - آیت ۳)

بات کا اندیشہ ہو کہ کئی بیبیوں میں برابری کے ساتھ برتاؤ نہ کرسکو گے تو اُس صورت میں ایک ہی بی بی کرنا یا جو لونڈی تمہارے قبضے ہو اُسی پر قناعت کرنا۔ نامنصفانہ برتاؤ سے بچنے کے لئے یہ تدبیر زیادہ ترقرین مصلحت ہے، اور اُن عورتوں کو اُن کے مہر خوشدلی کے ساتھ دے ڈالو پھر اگر وہ خوشدلی سے اُن میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو وہ تمہارے لئے مال طیب ہے، اُسے مزہ سے کھاؤ۔

(۲) وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَھْلِهِنَّ وَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ

(النّساء ۴ - آیت ۲۵)

(۲) اور تم میں سے جس کو مسلمان بیبیوں سے نکاح کرنے کا مقدور نہ ہو تو خیر لونڈیاں ہی سہی جو کافروں کی لڑائی میں تم مسلمانوں کی قید میں آجائیں۔ بشرطیکہ وہ لونڈیاں ایمان رکھتی ہوں۔ اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ آدم زاد ہونے کے اعتبار سے تم ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔ پس بے تامل لونڈی والوں کے اذن سے اُن کے ساتھ نکاح کرلو۔ اور دستور کے مطابق اُن کے مہر دو۔ مگر شرط یہ ہے کہ قید نکاح میں لائی جائیں۔ اور نہ تم سے بازاری رنڈیوں کا سا تعلق رکھنا چاہتی ہوں اور نہ خانگیوں کا سا۔

(۳) وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَاۗىِٕكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاۗءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى

(۳) اور اپنی رانڈوں کے نکاح کردو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں سے بھی اُن کے جو نیک بخت ہوں اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے اُن کو غنی کردیگا۔ اور اللہ گنجائش والا اور سب کے حال سے واقف ہے۔ اور جو لوگ نکاح کا

يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ
(النّور ۲۴ - آیت ۳۲)

(۴) وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ -
(النّور ۲۴ - آیت ۳۳)

(۵) اُحِلَّ لَكُمْ ... الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ
(المائدہ ۵ - آیت ۵)

مقدور نہیں رکھتے اُن کو چاہیئے کہ ضبط کریں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اُن کو غنی کر دے (النور ۲۴ آیت ۳۲)

(۴) اور تمہارے ہاتھ کے مال (غلاموں) میں سے جو مکاتبت کے خواہاں ہوں تو تم اُن کے ساتھ مکاتبت کر لیا کرو بشرطیکہ تم اُن میں بہتری کے آثار پاؤ۔ اور مال خدا میں سے جو اُس نے تم کو دے رکھا ہے اُن کو بھی دو
(النّور ۲۴ - آیت ۳۳)-

(۵) مسلمان بیاہتا بیبیاں، اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی جا چکی ہے، اُن میں کی (بھی) بیاہتا بیبیاں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں، بشرطیکہ اُن کے مہر اُن کے حوالے کرو، (اور) تمہارا ارادہ (اُن کو) نکاح میں لانے کا ہو، نہ کہ کھلم کھلا بدکاری کرنے کا اور نہ چوری چھپے آشنا بنانے کا۔ (المائدہ ۵ - آیت ۵)

سورۂ نساء کی اٹھائیسویں آیت سے کسی طرح حرم بنانے کی اجازت نہیں نکلتی، اُس کا اُس سے کوئی تعلق نہیں ہے، اُس میں صرف نکاح کا ذکر ہے۔ اُس میں اور اُس کے پیشتر کی آیت میں اس مسئلہ کا ذکر ہے کہ ہم کس عورت سے نکاح کر سکتے ہیں اور کس سے نہیں۔ اُس کے بعد کی آیت میں، جس میں موجودہ لونڈیوں سے نکاح کرنے کا حکم ہے، حرم بنانے کی ممانعت کی گئی ہے۔

ماریہ قبطیہ

۸- اب میں ماریہ قبطیہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ رسول اللہ کی ایک حرم اور لونڈی تھی، اگرچہ وہ اُن قیدیوں کی فہرست میں داخل نہیں ہے، جو غلام بنائے گئے تھے۔ سر ولیم میور کے قول

کے مطابق مصر کے رومی حاکم نے رسول اللہ ؐ کو لکھا تھا کہ "میں آپؐ کی خدمت میں دو نا کتخدا لڑکیاں بھیجتا ہوں جو قبطیوں میں بڑی شریف اور معزز ہیں"[1]۔ مصنّف موصوف نے فوراً ان لڑکیوں کو "لونڈیوں" کا خطاب دے دیا ہے، اور اُن کو عیسائی حاکم کی طرف سے ایک عجیب تحفہ" لکھا ہے، حالانکہ نہ تو وہ قیدی تھیں اور نہ لونڈیاں۔ اور نہ اُس حاکم کے خط میں ان الفاظ سے اُن کا ذکر کیا گیا ہے میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ رسولؐ کے سوانح نگاروں نے اس کو کس طرح لونڈی یا حرم بنا دیا۔ اوّل تو مجھے اس میں ہی بہت کچھ شبہ ہے کہ مقوقس حاکم مصر نے رسول اللہ ؐ کو دو لڑکیاں بھیجی بھی تھیں، اور اگر بالفرض بھیجی بھی تھیں، تو اُن میں ماریہ بھی تھی یا نہیں، دوسرے یہ صحیح نہیں کہ وہ امہ تھیں، تیسرے یہ کہ وہ رسول اللہ کی حرم نہ تھی، اور چوتھے یہ کہ اس سے آپ کے کوئی بیٹا پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور پانچویں سب سے آخری بات یہ ہے کہ یہ مشہور کہانی جس کا یورپین مصنّفین نے غل مچا رکھا ہے، صرف ایک مصنوعی قصّہ ہے۔

یہ تو سخت دشوار اور جنجال کی بات ہے کہ اس مضمون کی تمام احادیث نقل کر کے اُن کی صحت کو جانچا جاوے۔ اور فن حدیث کے مقرّرہ اصول کے مطابق اُن کی صحت کو کسوٹی پر پرکھا جائے، اور درایت کی بُنیاد پر اُن کا کھرا کھوٹا دکھایا جائے۔ لہٰذا میں صرف مختصر طور پر اس واقعہ کے ہر ایک پہلو پر نظر ڈالتا ہوں

۹ اوّل تو یہ بات کہ رسول اللہ ؐ نے مصر کے رُومی حاکم مقوقس کو ایک خط بھیجا، اور اس کے جواب میں اُس نے آپ کے پاس دوسرے تحائف کے ساتھ ماریہ قبطیہ بھیجی، یہ واقعہ اُن احادیث میں مذکور نہیں ہے جو مستند محدّثین بخاری اور مُسلم نے روایت کی ہیں، اور جنہوں نے احادیث

مقوقس کے ساتھ مراسلت

[1] سیرت محمدی، مصنفہ میور، جلد چہارم، صفحہ ۵۶۔

کے صحیح اور غلط انبار کو خوب چھانا اور جانچا ہے اور اُس میں سے بہت ہی تھوڑا حصّہ منتخب کیا ہے، جو اُن کے اصول کے مطابق قریب بصحت نظر آیا ہے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ کہ ایسی احادیث جو دوسرے غیر مبصّر دل اور قصّہ گویوں نے بیان کی ہیں، اور جنھوں نے رطب و یابس ہر ایک روایت کو جمع کر دیا ہے اور صحیح و غیر صحیح کا کُچھ خیال نہیں کیا ہے، جیسے واقدی اور ابن سعد، وہ ان اماماں فن حدیث کے نزدیک یقیناً نامقبول ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ان میں صحت کا نام تک نہیں ہے۔ ابن اسحاق (متوفی ۱۵۱ھ)[1]، ہشام بن عبد الملک (متوفی ۲۱۳ھ)[2] اور ابو المعتمر سلیمان (متوفی ۱۴۳ھ)[3] نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا کہ ماریہ قبطیہ کو رومی حاکم نے رسول اللہؐ کے پاس بھیجا تھا۔ ابن سعد[4] نے جو روایت لکھی ہے، اُس کا پہلا سلسلہ واقدی اور عبد الحمید سے جعفر کے واسطہ سے، اور دوسرا سلسلہ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن صعصعہ کے واسطہ سے ہے، اور یہ روایت بلاشبہ موضوع ہے۔ واقدی اور عبد الحمید کی صداقت پر الزام لگایا گیا ہے، اور اُن کے قول کا کُچھ اعتبار نہیں ہے۔ ابن خلکان نے اپنی کتاب وفیات میں، جس کا ترجمہ مسٹر سلین نے اصل عربی سے انگریزی زبان میں کیا ہے، واقدی کی نسبت لکھا ہے کہ "وہ احادیث جن کی روایت واقدی سے ہو ضعیف سمجھی جاتی ہیں، اور اُن کی صداقت مشتبہ ہے[5]"۔ ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں واقدی کی نسبت لکھا ہے کہ "اس کی ثقاہت قابل اعتبار نہیں، باوجود اس کے کہ وہ بہت بڑا عالم ہے"۔ (تقریب صفحہ ۲۳۲ مطبوعہ دہلی ۱۳۰۸ھ)۔ ذہبی اپنی کتاب میزان الاعتدال

---

[1] ہشامی صفحہ ۷۹۲ مطبوعہ یورپ۔ [2] ہشامی ۹۷۱۔ [3] تقریب ابن حجر۔ اور تاریخ مغازی الرسول واقدی۔ مصححہ وان کریمر، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۵۶ء، از صفحہ ۴۲۶ تا آخر۔ [4] ابن سعد، جلد ۸، صفحہ ۱۵۳ و جلد اول صفحہ ۸۶ تا ۹۳ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء۔ [5] ابن خلکان، جلد ۳، صفحہ ۶۲۔ ترجمۂ انگریزی یا اصل عربی جلد اول صفحہ ۶۴۰ مطبوعہ مصر۔

میں واقدی کی نسبت کہتا ہے کہ "احمد بن حنبل کا قول ہے کہ وہ بہت بڑا اکذاب تھا"۔ بخاری اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ اُسے کوئی مستند نہیں مانتا"۔
ذہبی عبد الحمید کی نسبت لکھتا ہے "کہ ابو حاتم کا قول ہے کہ اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے، اور سفیان کا قول ہے کہ اس کی روایت ضعیف ہوتی ہے"۔
جعفر اور عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی صعصعہ تابعین کے متوسّط زمانہ میں ہوئے ہیں، اور اس بارہ میں وہ کسی کا حوالہ نہیں دیتے۔

ماریہ لونڈی نہیں تھی

۱۰۔ دوسرے، فرض کرو کہ حاکم مصر نے رسول اللہؐ کو دوسرے تحائف کے ساتھ دو قبطی لڑکیاں بھیجی تھیں، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ لونڈیاں تھیں، اور نہ تاریخ سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ لڑائی میں گرفتار ہوئی تھیں، اور اگر اسیران جنگ میں بھی شمار کرلی جائیں، تو اُن کے لونڈی بنانے کی سند نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ اس قیاس کی بھی کوئی گنجایش نہیں ملی کہ وہ لڑکیاں لونڈیاں تھیں۔

ماریہ حرم نہیں تھی

۱۱۔ تیسرے، اگر فرض بھی کرلیا جائے کہ ماریہ قبطیہ ایک لونڈی تھی، تو اس کا ثبوت کیا ہے؟ یہ وضاعین حدیث کی کارستانیوں کا کرشمہ ہے، اور اس بارہ میں یورپین مصنّفین بھی غلط راستہ اختیار کرتے ہیں، کہ وہ ہمیشہ لونڈیوں اور جنگ کے قیدیوں کو حرم لکھ دیتے ہیں۔ صحاح ستہ میں، جو اعلےٰ درجہ کے نقادان فن کی تصانیف ہیں، امام بخاری (متوفی ۲۵۶ھ) مسلم (متوفی ۲۶۱ھ)، ابو داؤد (متوفی ۲۷۵ھ)، ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ)، نسائی (متوفی ۳۰۳ھ) اور ابن ماجہ (متوفی ۲۷۳ھ) نے کسی ایک کتاب میں بھی یہ نہیں لکھا کہ ماریہ قبطیہ رسول اللہؐ کی حرم تھی۔ اس سے پہلے کے سوانح نگار ابن اسحاق (متوفی ۱۵۰ھ) اور ابن ہشام (متوفی ۲۱۳ھ) نے بھی مطلق اس کا ذکر نہیں کیا، فقط محمد بن سعد کاتب واقدی اس کا

ذکر کرنا ہے۔ اول تو بواسطہ واقدی، عبد الحمید اور جعفر، اور پھر بواسطہ واقدی، یعقوب بن محمد اور عبداللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی صعصعہ، یہ دونو سندیں بالکل ناقابل اعتبار ہیں۔ میں نے واقدی اور عبد الحمید کی ثقاہت کی نسبت پہلے ہی ذکر کیا ہے۔ یعقوب بن محمد کی نسبت، علم رجال کا بڑا نقاد، ابوزرعہ کہتا ہے کہ "جعفر اور عبداللہ دونو پہلی صدی کے بعد ہوئے ہیں، اس بارہ میں اُن کی شہادت ایک صدی کے بعد کبھی قابل قبول نہیں ہوسکتی"۔

زمانہ رسول کے تذکرہ نویسوں نے اپنی کتابوں میں تین عورتوں کو ماریہ کے نام سے موسوم کیا ہے، ان میں سے ایک کو آپ کے گھر کی لونڈی بتایا ہے، دوسری وہ لڑکی ہے جس کی کنیت ام رباب تھی، اور تیسری ماریہ قبطیہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی ماریہ تھی، اور یہ ممکن ہے کہ وہ رسول اللہؐ کے خانگی کام کرنے والی ہو۔ تذکرہ نویسوں نے علیحدہ علیحدہ ان کے حالات لکھے ہیں، اور انہیں مستقل تین آدمی بنا دیا ہے، اور ان میں سے ایک کو حرم ٹھیرا دیا ہے، کیونکہ اُن کے خیال میں کوئی گھر بغیر ایک حرم کے پورا گھر ہی نہیں ہوسکتا تھا۔ سوانح نویس اکثر اس غلطی میں پڑ گئے ہیں کہ جب وہ کسی خاص شخص کے مختلف واقعات لکھتے ہیں تو تعدد واقعات کی نسبت سے وہ اُنہیں اشخاص بھی متعدد متصور کر لیتے ہیں۔ ان تینوں ماریاؤں میں سے ایک بھی لونڈی نہ تھی، یہ فقط ایک قیاس ہے، یا یوں کہو کہ حدیثوں میں گھر اُمغالطہ ڈال دینے کے لئے ماماؤں کو غلاموں یا لونڈیوں میں شامل کر دیا ہے۔

۱۲۔ چوتھے، ایک اور لطف کی بات ہے، کہ جنہوں نے ماریہ کو ایک لونڈی یا حرم بنا دیا ہے اُنہوں نے یہ ایک بڑا غضب کیا ہے کہ اُس کا ایک خیالی بیٹا بھی فرض کر لیا ہے۔ رسول اللہ کے بیٹوں کی تعداد اور اُن کے ناموں کی نسبت، جو سب کے سب خردسالی میں راہی عالم بقا ہو گئے تھے، احادیث مختلف البیان

ماریہ کے کوئی اولاد نہیں تھی

ہیں۔ بعض احادیث میں تو ایک ہی لڑکے کے مختلف نام بیان کئے گئے ہیں، اور بعض مصنفین نے یہ کیا ہے کہ جس قدر نام تھے، اُسی قدر لڑکے مان لئے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کے صرف ایک بیٹا ہو، جس کا نام ابراہیم تھا، لیکن یہ کہنا کہ وہ ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا، یہ صرف ایک ظنی بات ہے۔ اس قصہ کا یہ حصہ ابن سعد کی روایتوں کا ایک تتمہ ہے، جن پر میں نے فقرہ ۹، اور ۱۱ میں جرح و قدح کی ہے۔ ابن سعد سے بواسطۂ عمر بن عاصم اور قتادہ ایک اور روایت بھی مروی ہے، اس میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے ایک بیٹا ابراہیم نام ایک قیدی عورت کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ ابو حاتم نے، جو علم الرجال کا بہت بڑا عالم اور نقاد گزرا ہے، عمر بن عاصم[1] پر اعتراض کیا ہے، اور قتادہ (متوفی ۱۱۷ھ) کی روایت اس واقعہ کی ہم عصر شہادت نہیں ہو سکتی، گویا وہ جو کچھ بیان کرتا ہے اس کی شہادت نہیں دیتا۔ اسی روایت کے ہم پایہ ابن سعد کی دو اَور حدیثیں بھی ہیں، یعنی زہری (متوفی ۱۲۴ھ) اور مکحول (متوفی ۱۱۸ھ) کی روایتیں، جو رسول اللہ صلعم کے ہم عصر نہ تھے، بلکہ تابعین کے درجہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو تمام قبطیوں پر سے فدیہ معاف کر دیا جاتا۔ اور اگر ابراہیم کی حیات وفا کرتی تو اُس کے ماموؤں میں سے کبھی کوئی غلام نہ بنایا جاتا۔" لیکن وہ یہ نہیں بیان کرتے کہ ابراہیم کون تھا۔

ایک اَور روایت جو ابن سعد کی اخیر روایت ہے، یحییٰ بن حمید، ابو عوانہ، سلیمان الاعمش، مسلم اور البراء کے واسطہ سے مروی ہے، اُس میں بیان کیا گیا ہے کہ ابراہیم فرزند رسول اللہ صلعم ایک قبطیہ ماما کے بطن سے پیدا ہوا تھا[2]۔ اس کا

---

[1] دیکھو میزان الاعتدال ذہبی۔
[2] ابن سعد جلد اول صفحہ ۹۰۔ اور جلد ۸ صفحہ ۱۵۳ مطبوعہ یورپ۔

ایک راوی سلیمان الاعمش مُدلّس ہے (دیکھو تقریب) یا دوسرے الفاظ میں کذاب ہے، اور علاوہ بریں تمام سلسلہ معنعن ہے۔

بخاری اور مسلم کی تصانیف میں جو مذہبی اصول تحقیقات کے بعد جمع کی گئی ہیں، ماریہ کے بطن سے ابراہیم کے پیدا ہونے کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا، لہٰذا ان کی احادیث دربارۂ ابراہیم ہمارے خلاف میں نہیں ہیں۔

صحیح احادیث میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ابراہیم کی وفات کے دن سورج گہن[1] ہوا تھا۔ مورخین نے صرف ایک گہن کا ذکر کیا ہے، جو ۶ھ میں اُس وقت واقع ہوا تھا جب کہ رسول اللہؐ حدیبیہ میں تشریف فرما تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم ہرگز ماریہ کا بیٹا نہ تھا۔ ماریہ کا عرب میں آنا اس سے ایک سال بعد ہو سکتا ہے، اس لئے کہ ۷ھ میں تو بادشاہوں اور سرداروں کو مراسلات بھیجے گئے تھے۔ یافعی نے اپنی تاریخ مرآۃ الجنان میں اس واقعہ کسوف کو ۶ھ میں بیان کیا ہے، اور دسویں سال کی نسبت لکھا ہے کہ:۔

"ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ سورج گہن ابراہیم کی وفات کے روز ہوا۔ اور یہ اُوپر بیان "کیا جا چکا ہے کہ کسوف ۶ھ میں ہوا تھا۔ یہاں یہ مشکل آ پڑی ہے کہ رسول اللہؐ کے "زمانہ مبارک میں کسوف کا واقع ہونا صرف ایک مرتبہ بیان کیا گیا ہے۔ اگر یہ واقعہ دو مرتبہ "ہوا ہوتا، تب تو کچھ دقت نہیں تھی، لیکن جب دو دفعہ وقوع پذیر نہیں ہوا تو ایک "واقعہ ضرور غلط ہوگا۔ یا تو یہ جھوٹ ہوگا کہ سورج گہن دسویں سال میں ہوا، اور یا "یہ دروغ ہوگا کہ پیغمبر کے بیٹے کا انتقال ۶ھ میں ہوا[2]"

[1] اسی روز سورج گہن ہوا تھا، اور لوگ کہنے لگے تھے کہ یہ پیغمبر کے فرزند کی موت کے سبب سے ہوا ہے۔ اگر کوئی جھوٹا پیغمبر ہوتا تو اس کو فوراً تسلیم کر لیتا، اور اس دھوکہ کی تصدیق کر بیٹھتا، لیکن رسول اللہؐ نے اس خیال کو تسلیم نہیں کیا (سیرت محمدی مصنفہ سر ولیم میور جلد چہارم، صفحہ ۱۶۶)

[2] مراۃ الجنان المعروف بہ تاریخ یافعی قلمی نسخہ نایاب صفحہ ۴ و ۷۔ موجودہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن۔

لیکن تاریخ سے یہ ثبوت ملتا ہے۔ کہ کسوف صرف ۱۰ھ میں واقع ہوا۔ ابراہیم کی وفات کی مختلف تاریخیں بیان کی گئی ہیں۔ بعض مورخین نے چوتھی، بعض نے دسویں اور چودھویں تاریخ ہلالی بیان کی ہے۔ لیکن ان تاریخوں میں سے کسی ایک تاریخ میں بھی سورج گہن واقع نہیں ہو سکتا۔

۱۳۔ پانچویں، سب سے آخر میں اُس بدنما بہتان کی حقیقت کھولنا چاہتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں نے آپ پر لگایا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ماریہ کے ساتھ خلوت میں تھے کہ یکایک حفصہ آ گئیں اور آپ کو بُری طرح آڑے ہاتھوں لیا، اور ڈرایا کہ میں یہ واقعہ آپ کی تمام بیبیوں میں مشتہر کر دوں گی، آپ نے بخوف بدنامی اور ناراض بی بی کو منانے کے لئے ان کی منّت وسماجت کی کہ وہ کسی سے اس کا ذکر نہ کریں، اور نیز یہ وعدہ کیا کہ میں آئندہ ماریہ سے کوئی تعلق نہ رکھوں گا۔ لیکن آخر کار آپ نے ایک خاص وحی منگا کر اس سے اپنی گلو خلاصی حاصل کی (التحریم[۱]، آیت ۱)۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ:۔

حفصہ اور ماریہ دونوں کے قصّے جھوٹے ہیں۔

"زینب کے واقعہ کی طرح اس وقت بھی پیغمبر ﷺ نے ایک خاص وحی آسمان سے منگائی، اور
"اس سے یہ اجازت حاصل نہ ہوئی کہ وہ حسب وعدہ ماریہ سے علیحدگی اختیار کریں۔

آیت مذکور حسب ذیل ہے:۔

"یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ "لَكَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَ اللّٰهُ "غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ[۲] ۝	اے پیغمبر جو چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال کی ہیں تم اُن کو اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیوں حرام کرتے ہو۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

[۱] ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۵۳ مطبوعہ یورپ۔

[۲] سیرت محمدی، مصنفہ میور، جلد چہارم، صفحات ۱۶۱ و ۱۶۲۔ عربوں میں لونڈیوں کے حرم بنانے کا رواج اس وقت تک برابر جاری رہا جب تک کہ رسول اللہ نے موقوف نہ کیا، یہ سب کے (دیکھو صفحہ ۲۴۷)

۱۴- یہ صرف ایک مصنوعی قصّہ ہے، کبھی وجود پذیر نہیں ہوا، اور نہ قرآن میں اس واقعہ کا ذکر ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ سر ولیم میور نے اس مسئلہ میں اپنے تمام اصول استناد کو چھوڑ دیا ہے، اور عربی سیر نویسوں میں سے ابن اسحاق، واقدی، کاتب واقدی اور زہری، کسی ایک کا بھی حوالہ نہیں دیا، یہ واقعہ ان مصنّفین میں سے کسی ایک نے بھی بیان نہیں کیا، اور نہ احادیث بخاری و مسلم اور ترمذی ہی میں اس واقعہ کا کہیں پتہ ملتا ہے۔ سر ولیم میور نے خود یہ اصول مقرر کیا ہے کہ وہ صرف ابتدائی مصنفین کے بیانات پر انحصار کرتے ہیں، اور مصنّفین مابعد کو نہیں مانتے، وہ اپنے اصول کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ :-

یہ واقعہ قدیم کتب سیر میں مذکور نہیں۔

"صرف ابن ہشام، ابن سعد، کاتب واقدی، اور طبری سے مضامین لئے جائیں گے، یہ
"مصنّفین رسول اللہ کے اوّلین سیر نویس ہیں۔ تمام باتمیز سیر نویسوں کو ایسا ہی کرنا چاہئے
"اور بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ کی احادیث کو بھی اسی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جائیگا
"لیکن مصنّفین مابعد کی تحریرات شہادت میں نہیں لی جائیں گی، اور ان کی روایات کو
"تاریخی درجہ نہ دیا جائے گا"[1]

۱۵- لیکن اس موقعہ پر سر ولیم میور نے اس غرض سے کہ اپنے طبعزاد قصّہ سے ایک رسول پر الزام لگائیں، ایک باتمیز سیرت نویس کے درجہ کو چھوڑ دیا ہے، اور اپنے مسلّمہ اصول سے ہٹ گئے ہیں، وہ اس

سر ولیم میور کی سندیں غیر معتبر ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نزدیک جائز تھا، بلکہ عملاً تو اب تک بھی موقوف نہیں ہوا ہے۔ عربوں کی تمدنی زندگی میں اس قسم کے تعلقات پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تمام خلفائے عباسیہ بجز سفاح المہدی اور الامین کے سب کے سب لونڈی زادہ تھے (دیکھو تاریخ الخلفا مصنفہ سیوطی، مترجمہ میجر جیرٹ، صفحہ ۲ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۸۱ء) اگر یہ قصّہ آپ کی نسبت صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کے افشا سے کچھ اندیشہ نہ تھا، اور نہ آپ کی بیبیاں آپ سے ناراض ہو سکتی تھیں +

[1] سیرت محمدی، جلد اول مقدمہ، صفحہ ۳۔

قصّہ کو ایک باتمیز اور منصف مصنّف کی حیثیت سے رد نہیں کرتے جیسا کہ اُنہیں کرنا چاہئے کیونکہ انہوں نے جن ابتدائی تحقیقات کا ذکر کیا ہے اُن میں سے کسی ایک میں بھی اس واقعہ کا پتہ نہیں ملتا، بلکہ برخلاف اس کے وہ درجہ دوم اور مصنّفین مابعد کا حوالہ دینے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ وہ اپنے ایک فٹ نوٹ میں، بغیر اس کے کہ مصنّفین طبقہ اوّل کا حوالہ دیں، لکھتے ہیں کہ :۔

”متن میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اُس کو جلال الدین، یحیٰی، بیضاوی اور زمخشری وغیرہ مستند ”سمجھتے ہیں“ (جلد سوم، صفحہ ۱۶۳)

یہ مصنّف نہ تو سیرت نویس ہیں اور نہ مؤرّخ، اس لئے اُن کا بیان استناد کے لائق نہیں ہو سکتا۔ زمخشری اور بیضاوی نے جو چھٹی اور ساتویں صدی کے مفسّرین شمار کئے جاتے ہیں، دو کہانیاں بیان کی ہیں، ایک ماریہ کی نسبت، اور دوسری کہانی میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے ایک خاص قسم کے شہد کے استعمال سے قسم کھائی تھی جس کی بو بڑی تیز ہوتی ہے، اور جسے آپ کی ازواج مطہرات ناپسند کرتی تھیں۔ جلال الدین محلی نویں صدی ہجری میں ایک مفسّر گزرا ہے، اور یحیٰی کا شمار مفسّرین میں نہیں ہے، وہ شاید متاخرین مصنفین میں ہے۔

مفسّرین علی العموم احادیث کے بارہ میں مستند نہیں سمجھے جاتے۔

”تلمیحات قرآنیہ کو ممثل اور واضح کرنے کی غرض سے کوئی نہ کوئی چیستان قصہ بیان کرنے کے ”لئے مفسّرین ہمیشہ تیار رہتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ تقریباً ہمیشہ کی تلمیح کے متعلق جو قصّے ”بیان کئے جاتے ہیں وہ نہ صرف مختلف بلکہ تلمیح زیر بحث سے بھی مغایر ہوتے ہیں اور درحقیقت ”تلمیح ہی قصّہ کے بیان کئے جانے کا باعث ہوا کرتی ہے۔ اور اصل میں پہلے جو کہ کسی آیت کے ”شان نزول کے متعلق مفروضہ واقعات کا محض ایک تصور یا بعض آیات کی تفسیر کے متعلق ”صرف ایک خیال تھا اصلی واقعہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ احادیث

"یا واقعات بھی جن کی توثیق مقصود ہوتی ہے بمقابلہ اصل آیت مفسرہ کے کسی اعلیٰ درجہ کی سند

"پر مبنی نہیں ہوتے"۔[1]

۱۶- جو مفسرین فن حدیث کے بھی ماہر ہیں، اور جو علماً حدیث کے نقاد ہیں، وہ سورۂ التحریم میں ماریہ کے قصّہ کو مصنوعی سمجھ کر مردود ٹھیراتے ہیں۔

اعلیٰ درجہ کے مفسرین و محدثین نے اس قصّہ کی تغلیط کی ہے۔

بغوی مصنّف مصابیح (متن مشکوٰۃ جلد ۴ صفحہ ۲۴۱ مطبوعہ لاہور) کہتا ہے کہ "یہ سورت شہد کے بارہ میں نازل ہوئی تھی، ماریہ سے اسے کوئی تعلّق نہ تھا" ماریہ کا قصّہ نہ تو صحیحین میں ہے، اور نہ کسی مستند روایت میں اس کا ذکر ہے۔ حافظ اسمٰعیل بن کثیر القرشی قسطلانی کے بیان کے بموجب (شرح بخاری جلد ہفتم، صفحہ ۳۱۳ مطبوعہ کانپور) کہتا ہے کہ "یہ سورت یقیناً شہد کے بارہ میں نازل ہوئی تھی"۔

امام نووی اپنی منہاج شرح مسلم (جلد اول، صفحہ ۴۶۳ مطبوعہ دہلی) میں لکھتے ہیں کہ "یہ سورت درحقیقت شہد کی نسبت نازل ہوئی تھی نہ کہ ماریہ کے معاملہ میں"۔

۱۷- سر ولیم میور خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ متقدمین سیرت نویس نے اس قصّہ کو بیان نہیں کیا۔ لیکن وہ اس کا ایک جھوٹا عذر کر کے اُن کی تقلید نہیں کرتے، وہ لکھتے ہیں کہ :-

قرآن سے اس قصّہ کی تصدیق نہیں ہوتی۔

"سیرۃ نویس اس میدان سے نہایت سلیقہ کے ساتھ چپ چاپ گزر جاتے ہیں، میں بھی خوشی سے

"اُن کی تقلید کرتا، اگر قرآن خود ان واقعات کی تصدیق نہ کرتا اور اُن کی لاعلاج بدنمائی

"پر اور مُہر نہ لگا دیتا"۔[2]

یہ دعویٰ بالکل غلط ہے، ہر ایک شخص قرآن کو دیکھ کر اپنا اطمینان کر سکتا ہے، جس میں اس افسانہ اور جھوٹی کہانی کا ذکر تک نہیں۔

[1] کلکتہ ریویو، بابت ماہ فروری ۱۸۶۸ء، صفحہ ۳۷۴۔

[2] سیرت محمدی، جلد چہارم، صفحہ ۱۶۰۔

۱۸- یہ قصہ نہ تو رسول اللہ کے زمانہ میں گھڑا گیا، جو اس کا عین وقت ہوسکتا تھا، اور نہ آپ کے صحابہ کی زندگی میں۔ یہ کہانی دوسری صدی میں بنائی گئی،[۹] اور کسی ضعیف تابعی کی طرف منسوب کر دی گئی ہے، اس میں کسی طرح کا شک وشبہ نہیں ہے کہ یہ تمام قصہ اوّل سے آخر تک محض بناوٹی ہے۔

یہ قصہ کب وضع کیا گیا

۱۹- اخیر میں مَیں چاہتا ہوں کہ سرسری طور پر اس واقعہ پر روشنی ڈالوں جو سر ولیم میور نے زینب کی نسبت لکھا ہے، اُن کے الفاظ یہ ہیں :-

واقعہ زینب

"اتفاقاً ایک روز پیغمبر کی عاشقانہ نظر زینب کے حُسن پر پڑگئی، وہ زید کی بی بی تھیں، زید

---

[۱] زید بن اسلم نے (طبرانی میں) جس نے اس کہانی کو لکھا ہے۔ اس نے بھی ماریہ کا نام نہیں لیا ایک تابعی ہے (متوفی ۱۳۶ھ) اس نے اپنی سند نہیں بیان کی علاوہ بریں وہ خود بھی مطعون ہے۔ (کامل، بیان ابن عدی) مسروق (سعید بن منصور میں) رسول اللہ کی وفات کے بہت زمانہ بعد مدینہ میں آیا تھا، اس لئے اس کا بیان اگرچہ صحیح بھی ہو، قابل اعتبار نہیں ہوسکتا۔

ضحاک بن مزاحم (طبرانی میں) بھی ایک تابعی ہے، مگر مطعون ہے، اس نے یہ قصہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، لیکن نہ اس نے ابن عباسؓ سے کوئی حدیث سُنی اور نہ کبھی انہیں دیکھا (میزان الاعتدال ذہبی اور انساب مصنفۂ سمعانی) لہٰذا اس کا بیان غیر مستند سمجھا جائے گا۔

ابن عمر کا قصہ بھی بے موقع اور ناقابل اعتبار ہے۔ ابو ہریرہ کا بیان بھی غیر مستند تسلیم کیا گیا ہے (الدر المنثور سیوطی جلد ۶ صفحہ ۲۳۹ مطبوعہ مصر)۔

ان تمام احادیث کا ذکر سیوطی نے اپنی کتاب الدر المنثور میں کیا ہے۔ جو حدیث نسائی (متوفی ۳۰۳ھ) نے انس (متوفی ۹۰ھ) سے ایک غلام کے بارہ میں روایت کی ہے، وہ حضرت عائشہ کی اس حدیث کے متضاد ہے، جس کو نسائی نے اس مقام پر اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔ یہ کہانی شہد کے متعلق ہے (فقرہ ۱۶ کتاب ہذا) حضرت عائشہ کی روایت انسؓ کی روایت سے زیادہ قابل اعتبار ہے۔ انس کے سلسلہ رواۃ میں حماد بن سلمہ اپنے آخر زمانہ عمر میں، ضعف حافظہ کی وجہ سے مطعون ہے (تقریب صفحہ ۱۰۱ مطبوعہ دہلی ۱۳۰۰ھ) اس سلسلہ کا ایک دوسرا راوی، ثابت، ایک پیشہ ور قصہ گو تھا (طبقات ذہبی) اس کا بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ نسائی نے خود انس کی حدیث کو رد کر دیا ہے اور اس کا یہ قول بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ کی سند ٹھیک ہے، اور اُس میں ماریہ کی نسبت کوئی پختہ بات نہیں ہے۔ (کمالین حاشیہ جلالین صفحہ ۴۶۳ مطبوعہ دہلی ۱۳۰۱ھ)۔

"آپ کے متبنیٰ تھے، لیکن جو آگ زینب کے حُسن و جمال سے آپ کے دل میں بھڑک چکی تھی، "وہ فرو نہ ہوئی، اور بالآخر آپ نے وحی نازل کرکے زینب سے شادی کرلی۔"[1]

یہ قصہ ابتدا سے انتہا تک بالکل غلط ہے۔ رسول اللہ زینب کو بچپن سے جانتے تھے، وہ آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں، اور آپ نے ہی زید سے ان کی شادی کی تھی جس وقت زید نے زینب کو طلاق دی تو اُن کی عمر پینتیس سال کی تھی، اور وہ غالباً اُس وقت اس قابل نہیں ہو سکتی تھیں کہ کسی غیر آدمی کو اپنا فریفتہ بنا سکیں۔ اگر وہ خوب صورت اور دلکش ہوتیں تو زید کبھی اُن کو نہ چھوڑتے۔ اس قصہ کے کسی جزو کی نسبت کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں ہے۔ قرآن میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہوا ہے وہاں مطلق ان کہانیوں کا پتہ نہیں چلتا جو بعد میں گھڑ لی گئی ہیں کہ رسول اللہؐ زید کے گھر گئے اور اتفاقاً ایک کواڑ کے کُھلنے پر آپ نے زینب کی صورت دیکھ لی، یا یہ کہ ہوا سے زینب کے کمرہ کا پردہ اُٹھ گیا اور اُن کے برہنہ بدن پر آپ کی نظر جا پڑی۔[2]

واقعہ زینب کی بے سروپائی

۲۰۔ اگر ان کہانیوں اور نیز چند اور مختلف بیانات کو، جو بالکل ماریہ کے قصہ کے مشابہ ہیں، قصہ گویوں اور دشمنان اسلام کی دیدہ دانستہ افترا پردازیاں نہ بھی کہا جائے، جنہیں یوروپین مصنّفین نے واقعات کا لباس پہنا دیا ہے، تو بھی میرے نزدیک اتنا یقینی ہے کہ وہ ابتدا میں صرف ایسے قیاسات تھے جن کی وجہ سے قرآن میں کچھ ذکر کرنے کی ضرورت معلوم ہوئی۔

قرآن کے وہ الفاظ جن پر ان کہانیوں کی بُنیاد ہے یہ ہیں:۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ	اے پیغمبر اس بات کو یاد کرو، کہ تم اُس شخص کو سمجھاتے تھے (یعنے زید بن حارثہ کو) جس پر اللہ نے اپنا

[1] سیرت محمدی، مصنفۂ سر ولیم میور، جلد چہارم، صفحہ ۲۳۰۔

[2] سیرت محمدی، مصنفۂ سر ولیم میور، جلد سوم، صفحہ ۲۸۸۔ فٹ نوٹ صفحہ ۲۲۹ و ۲۳۰

وَاتَّقِ اللّٰهَ ۔ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ج وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ط (التحریم ۶۶ - آیت ۳۷)	کیا، اور تم بھی اس پر (یہ سمجھا کر) احسان کرتے رہے کہ اپنی بی بی (زینب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دو اور اللہ سے ڈرو (اور اسکو چھوڑ نہیں) اور تم اسکو اپنے دل میں چھپاتے تھے جسکو آخر کار اللہ ظاہر کرنیوالا تھا اور تم اس معاملہ میں لوگوں سے ڈرتے تھے اور خدا اسکا زیادہ حقدار ہیکہ تم

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ؐ نے زید کو یہ سمجھایا تھا کہ وہ اپنی بی بی کو طلاق نہ دیں، باوجود اس کے کہ اُس زمانہ کی رسوم کے مطابق عرب میں طلاق دینا بہت آسان کام تھا۔

سر ولیم میور نے طبری[1] سے یہ کہانیاں نقل کی ہیں، جو معقولیت سے بالکل دور ہیں متقدمین سیر نویسوں نے کسی معتبر ذریعہ سے انہیں نہیں لکھا۔ × × × انہیں چاہیئے تھا کہ وہ اسے ایک موضوع قصہ سمجھ کر رد کر دیتے، جس طرح اُنہوں نے ان دوسری احادیث پر تاریخی اعتراض کئے ہیں، جو ان جھوٹی کہانیوں سے کہیں اعلےٰ حیثیت رکھتی تھیں۔

۲۱ - سر ولیم میور اُس حد سے بہت متجاوز ہو گئے ہیں، جو خود اُنہوں نے رسول اللہ کے ذی شعور مؤرخوں کے لئے مقرر کی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے پُر جوش خیالات کی رو میں لکھتے ہیں کہ :-

> سر ولیم میور کے قیاسات صحیح دلائل پر مبنی نہیں

" زید سیدھے رسول اللہ ؐ کے پاس گئے اور آپ سے زینب کے طلاق دینے پر اپنی مستعدی ظاہر " کی، آپ نے اس سے اختلاف کیا، اور کہا کہ اپنی بی بی کو رکھو، اور خدا سے ڈرو۔ لیکن زید " یہ بات خوب سمجھ سکتے تھے کہ یہ الفاظ ناراضی کے ساتھ آپ کی زبان سے نکل رہے ہیں، " اور آپ کے دل میں زینب کا اشتیاق جاگزین ہے[2] "۔

---

[1] طبری جلد اول صفحہ ۱۴۶۰ واقعات ۵ہجری کے ذیل میں مطبوعہ بریل ۱۸۸۱ء۔
[2] سیرت محمدی مصنفہ سر ولیم میور، جلد سوم، صفحہ ۲۲۸۔

یہ صرف ایک حقارت آمیز توہم ہے، وہ اور آگے بڑھ کر اس سے بھی زیادہ تحقیر آمیز قیاسات کرتے ہیں اور لکھتے ہیں :-

"اس پر بھی زینب کی محبّت فرو نہ ہوئی، آپ کے دل میں آگ بھڑک رہی تھی، آخرکار یہ شعلہ "بھڑکا، اور اس سے دوسری اُمنگیں روشن ہوئیں"[1]

آپ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ مجھے خدا کی طرف سے زینب سے نکاح کرنے کا حکم ہوا ہے، اور یہ کہنے کی آپ کو ضرورت بھی نہ تھی۔ اور اس واقعہ پر غیر مسلم عربوں کے شور وغوغا کی یہ وجہ نہیں تھی کہ آپ کے جوڑ توڑ سے یہ طلاق واقع ہوئی، بلکہ اس کا اصلی سبب یہ تھا کہ اُن کے نزدیک ایک متبنّٰی بیٹا اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا، اور اسی وجہ سے زید کے طلاق دینے کے بعد زینب سے آپ کا نکاح حرام تھا۔ قرآن نے پہلے ہی اس قسم کے تبنّیتی رشتہ کو کالعدم قرار دیا تھا۔

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ (احزاب ۳۳۔ آیت ۴)	اور نہیں کیا تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے یہ تمہاری بات ہے اپنی منہ کی۔

سر ولیم میور نے اپنے بیان میں بہت بڑی غلطی کی ہے جہاں وہ کہتے ہیں :-

"یہ نکاح سخت الزام اور لعنت ملامت کا باعث ہوا، اور پیغمبر اسلام کو اپنی آبرو بچانے "کی غرض سے رندانہ بے باکی کے ساتھ خاص وحی کے ذریعہ اس کے جواز کے آسمانی حکم "کا اظہار کرنا پڑا، جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خداوند جل وعلا نے باضابطہ اس ازدواج "کے لئے ربّانی منظوری عطا فرمائی ہے"[2]

انہوں نے الاحزاب ۳۳ کی آیت ۳۶، اپنے اس بیان کی سند میں پیش کی ہے لیکن وہ خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں (جلد سوم صفحہ ۲۲۹، فٹ نوٹ) کہ "اس

---

[1] سیرت محمدی مصنفہ سر ولیم میور، جلد سوم صفحہ ۲۲۹۔
[2] سیرت محمدی مصنفہ سر ولیم میور، جلد سوم صفحہ ۲۳۰۔ مطبوعہ لندن

آیت کا طرز بیان کسی گزشتہ واقعہ کے ذکر کا پیرایہ لئے ہوئے ہے" اور زینب کو نکاح کرنے کا ربانی حکم نہیں ہے۔ آیت کے یہ الفاظ کہ ہم نے تمہارے ساتھ اس عورت کا نکاح کر دیا نکاح کے لئے کوئی حکم نہیں ظاہر کرتے ہیں۔ ان کا صرف یہ مطلب ہے کہ نکاح ہو چکا تھا۔ یہ جملہ کہ "ہم نے تمہارے ساتھ اس عورت کا نکاح کر دیا" محض ایک طرز ادا ہے۔ قرآن میں تقریباً تمام انسانی کاموں کو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ قدرت کے عام قوانین کی روسے دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اور انسان اپنی مرضی سے جو کچھ کرتا ہے، سب قرآن میں خدا کی خاص مرضی کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔

۲۲۔ دوسری آیت "مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ" (الاحزاب ۳۳۔ آیت ۳۸) میں اُنہوں نے غلطی سے "فَرَضَ" کا ترجمہ "تاکید اور حکم کیا" لکھا ہے، اور اس طرح ایک ربانی حکم کا خیال اس میں پیدا کیا ہے۔ "فَرَضَ" کے معنے ہیں "اس نے (کسی چیز کو) جائز یا روا کیا"۔ (ملاحظہ ہو لین کی لغت عربی، یعنے مد القاموس کتاب اول، حصہ ششم صفحہ ۲۳۷۳)۔ مذکورہ بالا معنے بیان کرتے ہوئے مسٹر لین نے یہی آیت سند میں لکھی ہے[1]۔ اس قسم کے ازدواج صرف پیغمبر اسلام ہی کے لئے جائز نہیں کئے گئے تھے، بلکہ تمام مسلمانوں کے واسطے، اور آپ کے لئے کوئی خاص حق نہیں رکھا گیا۔ ان آیتوں کے ذریعہ کوئی مخصوص حکم نہیں صادر کیا گیا ہے۔ آپ کے خاص منشاء اور مطلب کو پورا کرنے کے لئے کوئی فرمایشی وحی عالم بالا سے نہیں منگائی گئی اور نہ آپ کو مخصوص اور مستثنےٰ حقوق عطا کئے گئے۔ صرف یہی کہا گیا۔ کہ کسی جائز بات کے کرنے میں پیغمبر کے لئے کوئی الزام کی بات نہیں ہے۔

ترجمہ میں سر ولیم میور کی غلطی۔

---

[1] یعنے الاحزاب ۳۳۔ آیت ۳۸۔

الاحزاب ۳۳ کی آیات ۳۷ و ۳۸ میں لفظ "امر" کا ترجمہ سر ولیم میور وغیرہ نے "حکم" اور "فرمان" کیا ہے، حالانکہ حقیقت میں اس موقع پر اور اسی قسم کے دوسرے مقامات پر (مریم ۱۹، آیت ۲۱۔ النّساء ۴، آیت ۵۰۔ ھود ۱۱، آیت ۷۶۔ اور الانفال ۸، آیت ۴۳ و ۴۶)۔ اس کا مطلب آیندہ واقعات کے متعلّق خدائے تعالےٰ کا پیشگی علم ہے۔ کسی قسم کا شرعی حکم اس سے مراد نہیں۔ اور الاحزاب ۳۳، آیت ۳۸، الحجر ۱۵، آیت ۲۰۔ اور المزمل ۷۳، آیت ۲۰ میں لفظ "قدر" کا بھی یہی حال ہے۔ اس سے خدا کی غیب دانی مراد ہے۔ پہلے سے مقرر کیا ہوا کوئی حکم اس کے معنے نہیں ہیں۔

۲۳۔ آخر میں سر ولیم میور بیان کرتے ہیں:۔

زینب کے معاملہ میں کوئی مخصوص حق حاصل نہیں ہوا۔

"ہمیں سب سے زیادہ تعجب محض اس بات پر ہے کہ اس کے "بعد بھی پیغمبر اسلام کے پیرو آپ کی وحی کو ویسی ہی منزل "من اللہ خیال کرتے تھے حالانکہ وہ اس طرح صریحاً آپ کے ذاتی مقاصد کے حاصل کرنے "اور فاسد خواہشات کے پورا کرنے کے لیئے گھڑی ہوئی ہوتی تھیں کسی اعتراض یا شک و "شبہ کا کہیں ہمیں پتہ نہیں ملتا۔ آپ کے پیرووں کے اس اطمینان و بھروسہ اور اس "جوش اعتقاد کو ہم صرف آپ کے زبردست دل و دماغ کی طرف منسوب کرتے ہیں جس "کی بدولت اپنے تمام زیر اثر لوگوں پر آپ کو پوری فوقیت حاصل تھی"۔[1]

الاحزاب ۳۳، آیات ۳۷ و ۳۸ میں کہیں بھی کسی طرح "پیغمبر اسلام کے مقاصد کو پورا نہیں کیا گیا ہے۔ آپ کی فاسد خواہشات کی تکمیل تو دور کی بات ہے"۔ کیونکہ ان آیتوں کے نزول سے بہت پہلے آپ کا نکاح زینب سے ہو چکا تھا لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان سے کوئی خاص استثنا یا حق آپ کو عطا ہوا۔

[1] سیرت محمدی مصنفہ سر ولیم میور، جلد سوم، صفحہ ۲۳۱۔

۲۴- آنحضرتؐ کے زینب کو اتفاقاً دیکھ لینے اور ان پر شیدا ہو جانے کے

اس غلط کہانی کے بیان کرنے کا سلسلہ مقاتل تک پہنچتا ہے۔

کی کہانی کو مفسرین کے نقل کرنے کا سلسلہ مقاتل[۱] تک پہنچتا ہے۔ جو دوسری صدی ہجری میں قرآن کا ایک مفسر گذرا ہے اور جس نے ۱۵۰ھ میں بمقام بصرہ وفات پائی۔ ابن خلکان نے اپنی کتاب "وفیات الاعیان" میں جس کا ترجمہ سلین نے عربی سے انگریزی میں کیا ہے، لکھا ہے کہ "مقاتل کے متعلق علماے حدیث کو اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ بحیثیت ایک راوی ہونے کے وہ قابل بھروسہ تھا اور بعض اس پر کذب و دروغ بیانی کا الزام لگاتے ہیں۔ . . . . احمد بن سیار کا بیان ہے :-

"مقاتل بن سلیمان جو بلخ کا باشندہ ہے مرو گیا اور وہاں سے عراق پہنچا۔ اس کی صداقت
"میں شبہ ہے۔ اس کی بیان کی ہوئی حدیثوں کو چھوڑ دینا چاہیئے اور اس کی روایتوں کو
"رد کر دینا چاہیئے۔ خدا کی صفات کا بیان کرتے ہوئے اس نے بعض ایسی باتیں کہی ہیں کہ
"ان کو دُہرانا تک گناہ ہے۔"

ابراہیم بن یعقوب جوزجانی نے مقاتل کو ایک بیباک دروغ گو کہا ہے۔ ابو عبد الرحمٰن النّسائی نے بیان کیا ہے :-

"ایسے کذاب جو غیر متعلق حدیثوں کو آنحضرتؐ کی طرف منسوب کرنے میں بہت مشہور ہیں،
"کل چار تھے۔ ابن ابی یحیٰی مدینہ میں، الواقدی بغداد میں، مقاتل ابن سلیمان خراسان میں
"اور محمد بن سعید المعروف بہ المصلوب شام ہیں۔"

وکیع بن الجراح نے مقاتل کے متعلق کہا ہے کہ وہ ایک پکا جھوٹا تھا۔ ابو بکر الآجری نے بیان کیا ہے :-

"میں نے مقاتل کے بارہ میں ابوداؤد سلیمان ابن اشعث سے دریافت کیا تھا۔ انہوں نے

[۱] سیرت حلبی یا انسان العیون، جلد دوم، صفحہ ۴۰۲، مطبوعہ مصر۔

"کہا۔ کہ" تمام حدیثیں جو اس نے بیان کی ہیں رد کر دی جانی چاہئیں"۔ عمر بن فلاس کے "قول کے مطابق بھی مقاتل بن سلیمان کاذب تھا اور اس کی حدیثیں اور روایتیں ترک "کر دی جانے کے قابل تھیں"۔

البخاری نے کہا ہے :۔

"مقاتل بن سلیمان کے متعلق یہ ہے کہ اس کو چپ چاپ نظرانداز کر دو"۔

ایک دوسرے موقع پر وہ یہ کہتے ہیں کہ :۔

"وہ کوئی چیز ہی نہیں ہے"۔

یحیٰی بن معین نے بیان کیا ہے کہ مقاتل کی بیان کی ہوئی حدیثیں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ احمد بن حنبل نے فرمایا ہے :۔

"مقاتل بن سلیمان مؤلّف تفسیر کے متعلق یہ ہے کہ میں اس کی سند پر کسی بات کو کبھی بیان "نہیں کروں گا"۔

ابو حاتم الرازی نے کہا ہے کہ :۔

"اس کی حدیثیں اور روایتیں رد کر دی جانے کے قابل ہیں"۔

زکریا بن یحیی الساجی کے بیان کے مطابق مقاتل بن سلیمان باشندہ خراسان کے متعلّق لکھتے ہیں کہ :۔

"وہ دروغ بیان ہے اور اس کی روایتیں اور حدیثیں ترک کر دی جانی چاہئیں[1]"۔

مقاتل سے پیشتر ایک دوسرے دروغ گو عکرمہ (المتوفی ۱۰۷ھ) نے صرف اس

عکرمہ

گمان کا اظہار کیا تھا کہ آنحضرت صلعم کو زینب کا اشتیاق ہوا ہوگا۔ عبد بن حمید اور ابن المنذر راویوں نے عکرمہ کے خاص الفاظ یہ بیان کئے ہیں :۔

[1] ابن خلکان، جلد سوم، صفحہ ۴۰۹ و ۴۱۰۔ ترجمہ انگریزی مطبوعہ پیرس ۱۸۴۳ء۔ یا اصل عربی جلد دوم صفحہ ۷۴ مطبوعہ مصر۔

"آنحضرت ؐ کے دل میں زینب کے اشتیاق کا گہرا نقش مرتسم ہو گیا تھا"[1]

لیکن مقاتل نے اس اٹکل پچو توہم کو ایک حقیقی واقعہ بنا دیا۔

عبد اللہ بن الحارث کا بیان حسب ذیل ہے :۔

"میں عبد اللہ ابن عباس کے فرزند علی کی ملاقات کو گیا اور عکرمہ کو دیکھا کہ وہ بیت الخلا
"کے دروازہ سے بندھا ہوا ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ "کیا تم اسی طرح اپنے غلام کے ساتھ
"سلوک کرتے ہو" علی نے یوں جواب دیا کہ "تمہیں معلوم نہیں کہ اس شخص نے میرے والد
"کے متعلق جھوٹی باتیں کہی ہیں"[2]

محمد بن یحییٰ

محمد بن یحییٰ بن حبان[3] (متوفی ۱۲۱ھ) نے بھی آنحضرت ؐ کے زینب پر زید کے مکان میں گرویدہ ہونے کا واقعہ بیان کیا ہے لیکن اس کی کوئی سند نہیں دی ہے۔ وہ کوئی ہمعصر راوی نہیں تھا اس لئے اس کی روایت غیر معتبر اور اصطلاح میں مرسل ہے۔

قتادہ کی قیاسی تشریح غیر معتبر ہے

۲۵۔ یہ تمام نادانی کی بناوٹی کہانیاں، ناشایستہ افسانے اور تہتک آمیز توہینی قیاسات قتادہ کی اس غلط توضیح پر مبنی ہیں جو اس نے ان الفاظ۔

وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ (الاحزاب ۳۳۔ آیت ۳۷)	اور تم اس کو اپنے دل میں چھپاتے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔

کی کی ہے۔ قتادہ (المتوفی ۱۱۷ھ) نے قیاس کیا کہ پیغمبر اسلام ؐ نے یہ خواہش چھپا رکھی تھی کہ زید زینب کو طلاق دے۔ لیکن تمام دوسرے مصنّفین نے قتادہ کے اس

[1] ملاحظہ ہو الدر المنثور سیوطی جلد ۵، صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ مصر۔ وکمالین بر جلالین صفحہ ۳۵۳، مطبوعہ دہلی ۱۳۰۱ھ۔
[2] ابن خلکان جلد دوم صفحہ ۲۰۷۔ ترجمہ انگریزی مطبوعہ پیرس ۱۸۴۳ء یا اصل عربی جلد اول صفحہ ۴۰۲ مطبوعہ مصر حرف العین۔ میزان ذہبی جلد دوم، صفحہ ۱۸۷ مطبوعہ لکھنؤ۔
[3] ابن سعد اور حاکم نے روایت کیا ہے الدر المنثور جلد ۵ صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ مصر۔

طرح گمان کرنے پر الزام لگایا ہے۔[1] اس قیاس کی آیت کے کسی لفظ یا کسی ہم عہد بیان یا شہادت سے تایید نہیں ہوتی۔ قتادہ کی اس تعبیر کا بطلان خود آنحضرت کے ان الفاظ سے ہوتا ہے جو زید کو کہے گئے ہیں اور جو اسی آیت میں ہیں کہ :-

اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ	اپنی بی بی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر۔

(الاحزاب ۳۳- آیت ۳۷)

۲۶- اس بات کے متعلق کہ آنحضرت ؐ نے اپنے دل میں کون سی بات چھپا رکھی تھی بہت سے قیاسات قائم کئے گئے ہیں۔ قتادہ کا گمان تو ابھی بیان کر دیا گیا ہے۔ ایک دوسرا قیاس یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کو معلوم تھا کہ زید اپنی بی بی کو طلاق دیں گے لیکن اس کو پوشیدہ رکھ کر آپ نے زید کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ ایک تیسرا گمان یہ ہے کہ آنحضرت ؐ نے یہ بات اپنے دل میں چھپائی کہ اگر زید باوجود آپ کی نصیحت کے زینب کو طلاق دیدیں گے تو آپ اُن سے نکاح کر لیں گے۔ یہ تمام قیاسات بالکل دور از کار اور بے ڈھنگے ہیں۔ لیکن یہ بات قرین قیاس ہے کہ آنحضرت ؐ نے اپنے مخالفین کی بدگوئی کے اندیشہ سے زید اور زینب کے خانگی مناقشات اور باہمی ناموافقت کو عام لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دیا تھا۔ یہی وہ راز عظیم ہے جس کی طرف اُس آیت میں اشارہ ہے جو بار بار مخالفین کی طرف سے پیش کی جاتی ہے۔

دوسرے قیاسات

ضمیمۂ دوم ختم ہوا

[1] ملاحظہ ہو عبدالرزاق- عبد بن حمید- ابن جریر- ابن المنذر- ابن ابی حاتم- اور طبرانی کی تالیفات- یا الدر المنثور جلد ۵ صفحہ ۲۰۲ مطبوعہ مصر

ضمیمۂ سوم

خاص خاص واقعات اور حالات کے حوالے حفاظتی لڑائیوں کی نسبت جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور میں نے اُنہیں نقل کیا یا اُن کا اس کتاب میں ذکر کیا ہے، حسب ذیل طور پر اُن کی درجہ بندی کی جاسکتی ہے :-

(الف) قریش مکّہ کی ایذائیں

سنہ ہجری کے دس سال قبل سے سلہ تک

النحل، ۱۶- آیت ۴۳ و ۴۴ و ۱۱۱-

البقرہ ۲ - آیت ۲۱۰ و ۲۱۴ و ۲۱۵-

آل عمران، ۳- آیت ۱۹۴-

النّساء ۴- آیت ۹۷ و ۹۹ و ۱۰۰-

الحج، ۲۲- آیت ۵۷-

الممتحنہ، ۶۰- آیت ۸ و ۹-

محمد ۴۷- آیت ۱۴-

الاحقاف ۴۶- آیت ۲۵ -

التوبہ، ۹- آیت ۴۰ و ۴۸ و ۹۵-

(ب) قریش کے اور اور وہاں کے باشندوں کے حملہ مدینہ پر

سنہ ہجری

البقرہ ۲- آیت ۲۱۴-

الاعراف ۷- آیت ۷۲-

التوبہ ۹- آیت ۱۳ و ۴۸ و ۷۲-

(ج) حفاظتی لڑائیاں قریش اور دوسرے عربوں وغیرہ سے اور نیز اُن کے چند حملوں کے حوالے

سنہ ہجری سے سنہ تک

الحج ۲۲- آیت ۳۹ تا ۴۲-

البقرہ ۲- آیت ۱۸۶ تا ۱۸۹- ۲۱۴ و ۲۱۵ و ۲۴۵ و ۲۴۷ و ۲۵۲-

النساء ۴- آیت ۷۶ تا ۷۸- ۸۶ و ۹۱ و ۹۳-

الاعراف ۷- آیت ۱۹ و ۳۹ تا ۴۱ و ۵۸ تا ۶۶ و ۷۳ و ۷۴-

التوبہ ۹- آیت ۱۰ و ۱۳-

(د) متفرق لڑائیاں وغیرہ

(ا) جنگ بدر ۲ سنہ ہجری

آل عمران ۳- آیت ۱۱ و ۱۱۹- الانفال ۸- آیت ۵ تا ۱۹- ۳۹ تا ۵۲- ۶۶ تا ۷۲-

محمدؐ ۴۷- آیت ۴ و ۱۵-

(۲) جنگ احد ۳ سنہ ہجری۔

آل عمران ۳۔ آیت ۱۱۷ تا ۱۲۲۔ ۱۳۴ تا ۱۵۴۔ ۱۵۹ تا ۱۶۲۔

(۳) بدر کی دوسری لڑائی ۴ سنہ ہجری اور جلاوطنی بنی نضیر ۴ سنہ ہجری۔

آل عمران ۳۔ آیت ۱۶۷۔ الحشر ۵۹۔ آیت ۲ تا ۱۴۔

(۴) جنگ احزاب ۵ سنہ ہجری۔

الاحزاب ۳۳۔ آیت ۹ تا ۲۵۔

(۵) یہودیان بنی قریظہ وغیرہ ۵ سنہ ہجری

الانفال ۸۔ آیت ۵۸ تا ۶۶۔ الاحزاب ۳۳۔ آیت ۲۶ و ۲۷۔

(۶) حدیبیہ تک حج میں جانا ۶ سنہ ہجری۔

ف ۴۸۔ آیت ۱ تا ۳ و ۱۰ و ۱۱ و ۲۴ و ۲۵۔ الممتحنہ ۶۰۔

(۷) تاخت خیبر ۷ سنہ ہجری۔

الاحقاف ۴۶۔ آیت ۱۷ و ۲۰ تا ۲۲۔

(۸) قریش کا صلح حدیبیہ کو توڑنا ۸ سنہ ہجری۔

(الف) قبل فتح مکّہ۔

التوبہ ۹۔ آیت ۱ تا ۱۵۔

(ب) بعد فتح مکّہ۔

التوبہ ۹۔ آیت ۱۶ تا ۲۴۔

(۹) جنگ حنین ۸ سنہ ہجری۔

التوبہ ۹۔ آیت ۲۵ تا ۲۷۔

(۱۰) بعد جنگ حنین ۹ سنہ ہجری۔

التوبہ ۹۔ آیت ۲۸۔

(۱۱) تبوک کو جانا عیسائیوں (رومیوں) اور اُن کے حلیف یہود ۹ھ ہجری۔

الف۔ نصیحت اپنی حفاظت کی غرض سے لڑائی کے واسطے۔

التوبہ ۹۔ آیت ۲۹ تا ۴۱۔ ۱۲۴۔

ب۔ توقف پر ملامت۔

التوبہ ۹۔ آیت ۴۲ تا ۵۲۔ ۵۶ و ۵۷۔ ۸۲ تا ۹۰۔

ج۔ امداد کی نصیحت۔

التوبہ ۹۔ آیت ۵۳ تا ۵۵۔ ۵۸ تا ۶۰ و ۸۱۔

د۔ منافقوں کو تنبیہ۔

التوبہ ۹۔ آیت ۶۵ تا ۶۷ و ۱۲۱ و ۱۲۲ و ۱۲۵ تا ۱۳۰۔

ہ۔ بدوں سے بیزاری۔

التوبہ ۹۔ آیت ۹۱ تا ۱۰۲۔

و۔ نادموں کو معاف کرنا۔

التوبہ ۹۔ آیت ۱۰۳ تا ۱۰۷ و ۱۱۸۔

ضمیمۂ سوم ختم ہوا

